

# ڈاکٹر نجم الاسلام ایک شخص ایک عہد



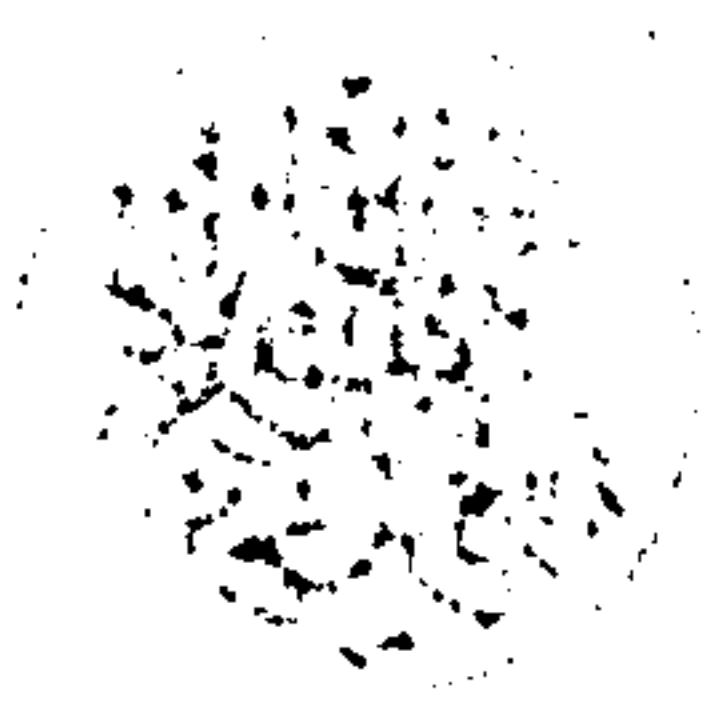
**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi  
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ  
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



.....

•



عزیزہ گرامی اقبال الم فاروقی صاحب کی نذر

مفتی  
محمد رفیع  
۱ جولائی ۲۰۰۲ء

## ڈاکٹر نجم الاسلام — ایک شخص، ایک تہذیب

(سہ ماہی ”انشاء“ حیدرآباد، ڈاکٹر نجم الاسلام نمبر حصہ اول، گوشہ  
ڈاکٹر نجم الاسلام، مشمولہ ”انشاء“ ۲۹، مع اضافات، یک جا۔)

عتیق احمد جیلانی، رفیق احمد خاں



”ادارہ انشاء“ حیدرآباد، سندھ، پاکستان

## ”انشاء“ مطبوعات نمبر ۲ -

### جملہ حقوق بہ حق مرتبین، محفوظ

- کتاب : ڈاکٹر نجم الاسلام۔ ایک فہم، ایک عمد  
اشاعت اول : مارچ، ۲۰۰۲ء  
مرتبین : فقیح احمد جیلانی اور رفیق احمد خاں  
ناشر : ادارہ انشاء، ۱۱۶ بلاک ڈی، پونٹ نمبر ۱۰، لطف آباد، حیدر آباد، سندھ، پاکستان  
قیمت : ۲۰۰ روپے  
مشینی کتابت : محمد رفیق میو  
سرورق : محمد نصر اللہ خان شیراز  
مطبع : افضال پرنٹنگ پریس، کھوکھر محلہ حیدر آباد

## انتساب

ڈاکٹر نجم الاسلام کے عظیم استاد اور ایک نامور شاگرد کی نذر

بہ نام

قبلہ محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ سندھ

گرچہ خولایم نسبتے مت بزرگ  
وزنہ آفتاب تابانیم

بہ نام

ڈاکٹر ظفر اقبال، صدر شعبہ اردو، جامعہ کراچی  
اے سرو بہ تو شادوم شکلت بہ فلاں ماند  
اے گل بہ تو خوشنوم تو بوی کسی، داری

# کلید

## باب اول

### مضامین

۱۹	ڈاکٹر مختار الدین اجر	ڈاکٹر نجم الاسلام (مرحوم)
۳۳	ڈاکٹر الپاس نشتی	ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے چند ملاقاتیں
۵۳	ڈاکٹر نئی بخش بلوچ	میرے کرم فرما ڈاکٹر نجم الاسلام
۵۶	ڈاکٹر وقار اشدی	ڈاکٹر نجم الاسلام
۵۹	غلام ربانی آگرو	ڈاکٹر نجم الاسلام
۶۳	ڈاکٹر خورشید مصطفیٰ خاں	محترم ڈاکٹر نجم الاسلام کی یاد میں
۶۶	ڈاکٹر صدیقہ ارمان	ایک باوقار محقق
۷۲	ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین	ڈاکٹر نجم الاسلام: چند یادیں
۷۳	ڈاکٹر سردار احمد خاں	نجم الاسلام صاحب: چند یادیں، چند خطوط
۸۵	ڈاکٹر محمود الرحمان	ڈاکٹر نجم الاسلام: چند یادیں، چند باتیں
۹۰	ڈاکٹر عارف نوشاہی	ڈاکٹر نجم الاسلام کے خطوط عارف نوشاہی کے نام
۹۲	ڈاکٹر ممتاز احمد خاں	ڈاکٹر نجم الاسلام: چند تاثرات
۹۵	سید جمیل احمد رضوی	ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم
۹۷	پروفیسر ایوسفیان اصلاک	ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم
۱۰۲	ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی	ڈاکٹر نجم الاسلام کی یاد میں
۱۱۰	پروفیسر غلام محمد لاکھو	میاں ڈاکٹر نجم الاسلام

۱۱۵	ڈاکٹر زاہد منیر عامر	ڈاکٹر نجم الاسلام کے خطوط بہ نام زاہد منیر عامر
۱۱۸	ڈاکٹر قدح حسین انصاری	استاد گرامی
۱۲۲	پروفیسر حمید الدین شیخ	استاذی محترم ڈاکٹر نجم الاسلام
۱۲۶	ڈاکٹر سید عطاء الرحیم	ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم
۱۲۹	پروفیسر محمد نھل ڈہر	ڈاکٹر نجم الاسلام کی سندھی ادب میں دلچسپی
۱۳۷	مولانا فیاض الدین اصلاحی	پروفیسر نجم الاسلام
۱۳۸	پروفیسر نصیدہ شیخ	ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ کہیات سندھی
۱۴۳	پروفیسر رونق افروز	عزت تھی جن کی چھلوں ....
۱۴۹	فتیق محمد میو	علم کا خزانہ، مہربان ہستی
۱۵۴	شاہینہ اختر بلند	گمبے بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
۱۵۵	رفیق احمد خاں	تاثرات
۱۶۱	نازنین سلیم	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے ایک نامور شاگرد (ایم۔ اے کے مقالہ علیہ سے ماخوذ)

## باب دوم

### گفتاریات

۱۸۲	رفیق احمد خاں	ڈاکٹر نجم الاسلام کے خطوط: کچھ معروضات
۱۸۳		مکتوبات ڈاکٹر نجم الاسلام
	ڈاکٹر نذیر احمد	برنامہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	ڈاکٹر نبی بخش بلوچ
	ڈاکٹر وقار اشدی	خلیل الرحمان دلووی



- |                             |                         |
|-----------------------------|-------------------------|
| ڈاکٹر سید معین الرحمان      | ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی  |
| سید انیس شاہ جیلانی         | ڈاکٹر محمد سلیم اختر    |
| پروفیسر سید محمد سلیم       | پروفیسر شفقت رضوی       |
| ڈاکٹر سفیر اختر             | پروفیسر ممتاز احمد خاں  |
| ڈاکٹر سید عارف نوشاہی       | ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی |
| ڈاکٹر زاہد منیر عامر        | سید جمیل احمد رضوی      |
| جناب اللہ ودھائی بیلوچ      | پروفیسر ربیعہ اقبال     |
| سید محمد زین العابدین راشدی | پروفیسر محمد بھگل ڈہر   |
| پروفیسر محمد عبد ضیائی      | جناب محمد احسن خاں      |

مکتوبات بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام

نامہ نگاران :

- |                          |                         |
|--------------------------|-------------------------|
| ڈاکٹر محمد الدین احمد    | ڈاکٹر وحید قریشی        |
| پروفیسر نظیر صدیقی       | ڈاکٹر جمیل جالبی        |
| ڈاکٹر سید حسن عباس       | ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی |
| ایم سلطانی               | سید سبط حسن رضوی        |
| پروفیسر ظہیر احمد صدیقی  | پروفیسر سید محمد سلیم   |
| ڈاکٹر ظفر اقبال          | سید جمیل احمد رضوی      |
| پروفیسر ابو سفیان اصلاحی | جناب ابو سعادت جلیلی    |
| جناب محمد احسن خاں       | جناب محمد راشد شیخ      |
| پروفیسر محمد یوسف شنگ    | جناب حق نواز خاں        |

# باب سوم

## چارہ سالہ تحقیق

۲۳۵	(گوشہ، مشتمل بر اشاریہ تحقیق اور کچھ مطبوعہ تبصرے)
۲۳۷	اشاریہ تحقیق عتیق احمد جیلانی
۲۷۷	تحقیق (۱) جائزہ نگار: ڈاکٹر معین الدین عقیل مشمولہ "ٹرود" کراچی اپریل، ۱۹۸۸ء
۲۸۲	تحقیق (۱) شیخ محمد اسماعیل مشمولہ کتابی سلسلہ "لمکانات" حیدرآباد، (۱)
۲۸۵	تحقیق (۲) ڈاکٹر وحید قریشی مشمولہ کتابی سلسلہ "امکانات" حیدرآباد، (۱)
۲۸۶	تحقیق (۱ تا ۶) پروفیسر حنا عزیزین مشمولہ کتابی سلسلہ "انشاء" حیدرآباد، (۳)
۲۹۰	تحقیق (۷) مولانا ضیاء الدین اصلاحی مشمولہ "معارف" اعظم گڑھ، انڈیا
۲۹۱	تحقیق (۸-۹) ڈاکٹر اسلم فرخی مشمولہ "انشاء" حیدرآباد، (۲۱-۲۲)
۲۹۲	تحقیق (۸-۹) رفیق احمد خاں مشمولہ "انشاء" حیدرآباد، (۱۰-۱۱)
۲۹۳	تحقیق (۸-۹) شاہ انجم مشمولہ "انشاء" حیدرآباد، (۱۳-۱۵)
۳۰۷	تحقیق (۱۰-۱۱) مولانا ضیاء الدین اصلاحی مشمولہ "معارف" اعظم گڑھ، انڈیا
۳۰۸	تحقیق (۱۰-۱۱) شاہ انجم مشمولہ "لمصدق" حیدرآباد سندھ (۱۹۹۹ء-۲۰۰۰ء)
۳۱۰	تحقیق (۱۰-۱۱) انعام الحق عباسی مشمولہ "انشاء" حیدرآباد، (۲۶-۲۷)
۳۱۷	تحقیق (۱۲-۱۳) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مشمولہ "ترجمان القرآن" لاہور، مارچ ۲۰۰۱ء
۳۱۹	تحقیق (۱۲-۱۳) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مشمولہ "سیارہ" لاہور، دسمبر ۲۰۰۱ء
۳۲۰	تحقیق (۱۲-۱۳) شبنم عین مشمولہ روزنامہ "جنگ" کراچی، ۳۰ نومبر ۲۰۰۰ء

## باب چہارم

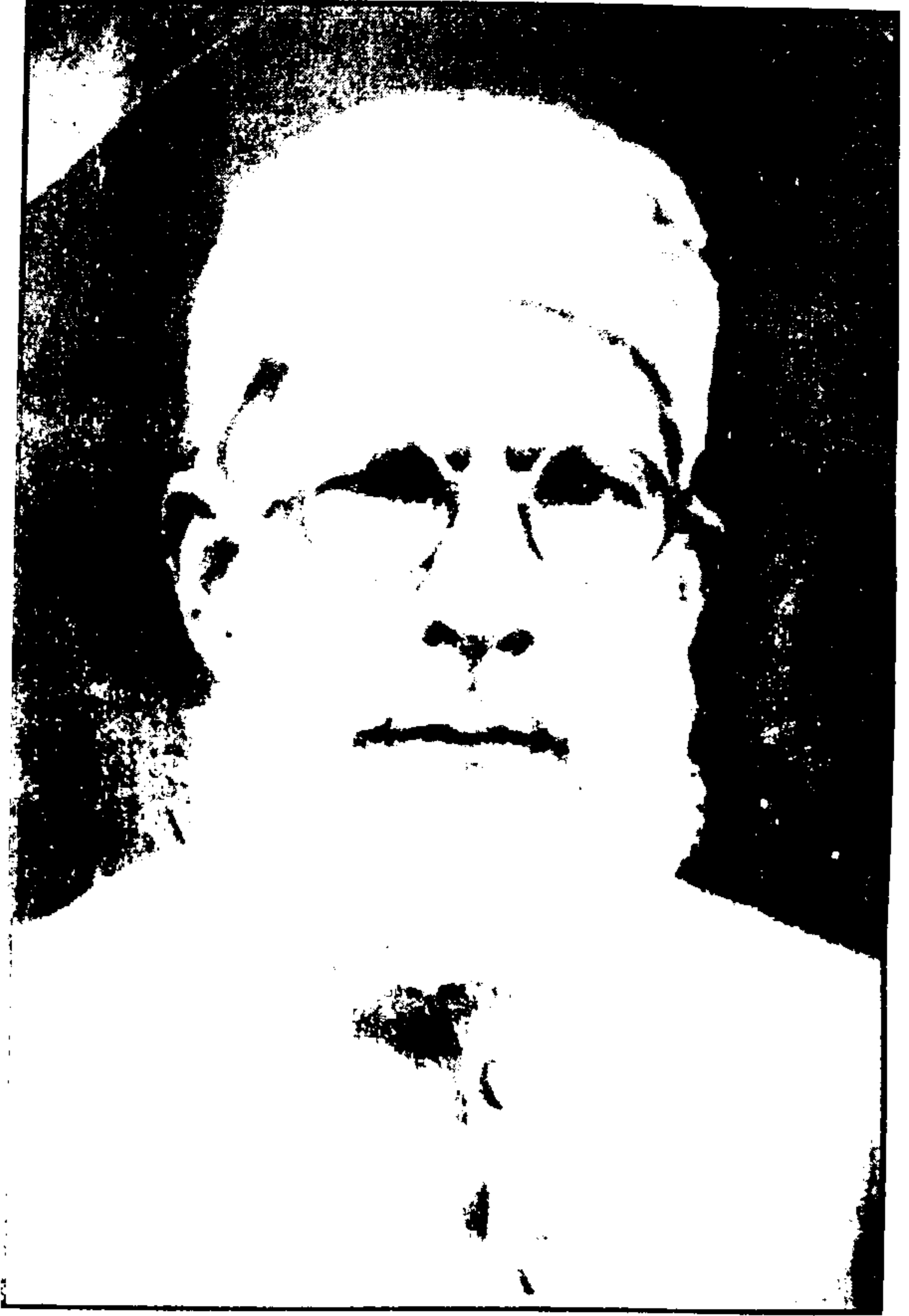
### گوشہ ڈاکٹر نجم الاسلام

۳۲۲	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	مضامین : آہ! میرے نجم الاسلام
۳۲۵	حافظ منیر احمد خاں	وانجم ازاہوئی
۳۲۸	محمد راشد شیخ	ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم
۳۳۱	شاہانجم	وہ لوگ جن کے لیے زندگی بدلتی ہے
۳۳۹	رفیق احمد خاں	فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
۳۴۸	ڈاکٹر محمد ذکاء اللہ خاں	پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب
۳۴۹	عبداللطیف انصاری	ڈاکٹر نجم الاسلام کی یادیں
۳۵۳	عقیق احمد جیلانی	ڈاکٹر نجم الاسلام
۳۷۱	پروفیسر حمیدہ شیخ	ایسا کہاں سے لاؤں.....
۳۷۴	بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱۔ مکتوبات ڈاکٹر نجم الاسلام
۳۷۸		۲۔ تعزیت نامے
۳۸۹	پروفیسر نجم الاسلام	نکس تحریر دکنی اردو میں مدحیہ شاعری (لہذا دور)
۴۰۰	عقدا جمیری	اردو: صفدر علی خاں، حسین صدیقی، انگریزی: پروفیسر غنی شیخ قطعہ تاریخ و وفات

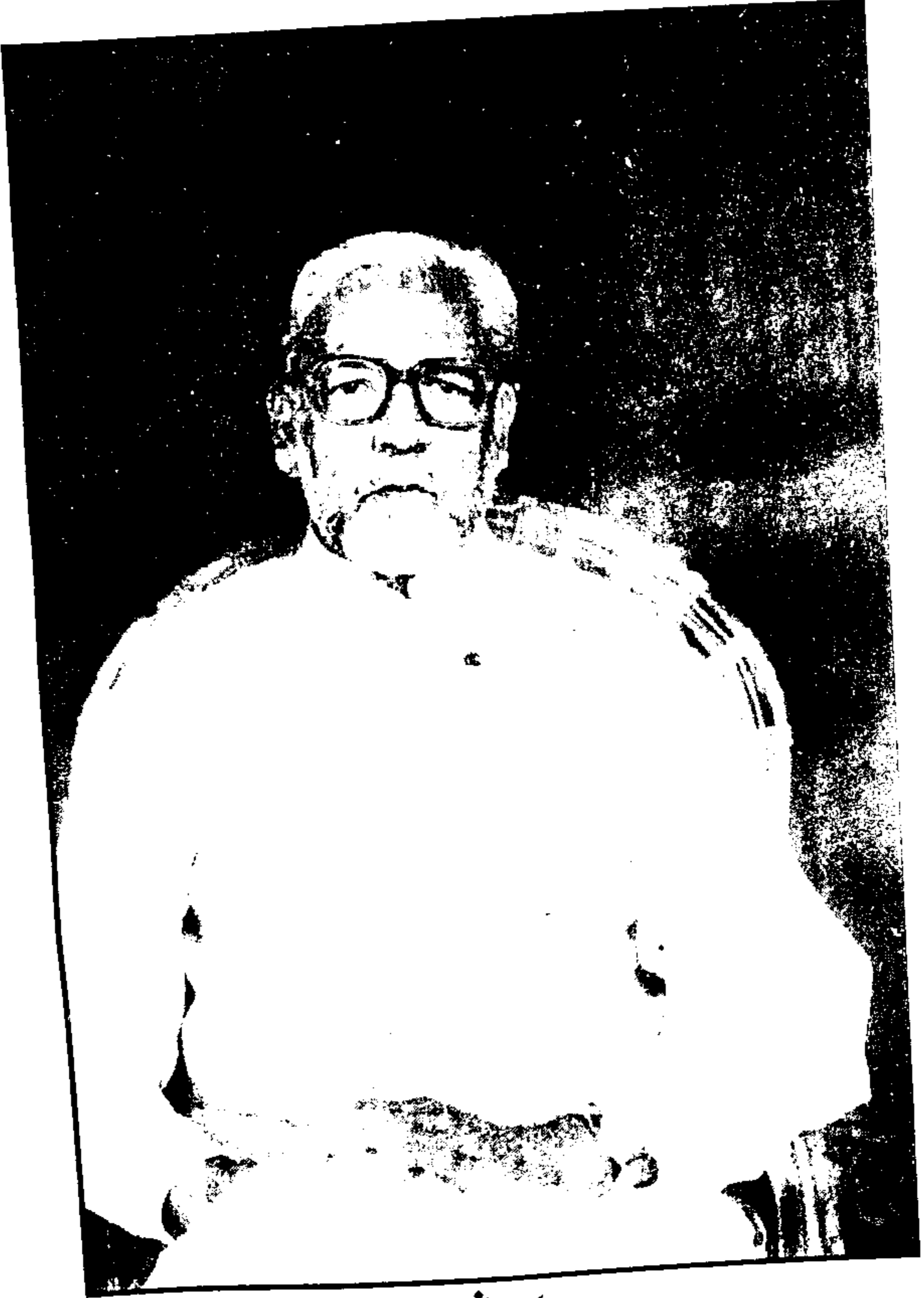
## باب پنجم

### لغات

۳۹۵	ڈاکٹر نجم الاسلام	نخن ہلے گفتنی "مہرتی کرنیں" (۱۹۵۳ء) کا دیباچہ
۴۰۹	ڈاکٹر نجم الاسلام	مقالہ علمیہ (پی ایچ ڈی) کا خاکہ
۴۱۷	ڈاکٹر نجم الاسلام	دو "کوائف نامے"
۴۲۲	ڈاکٹر نجم الاسلام	قطعہ
۴۲۳	ڈاکٹر فدا حسین انصاری	نظم



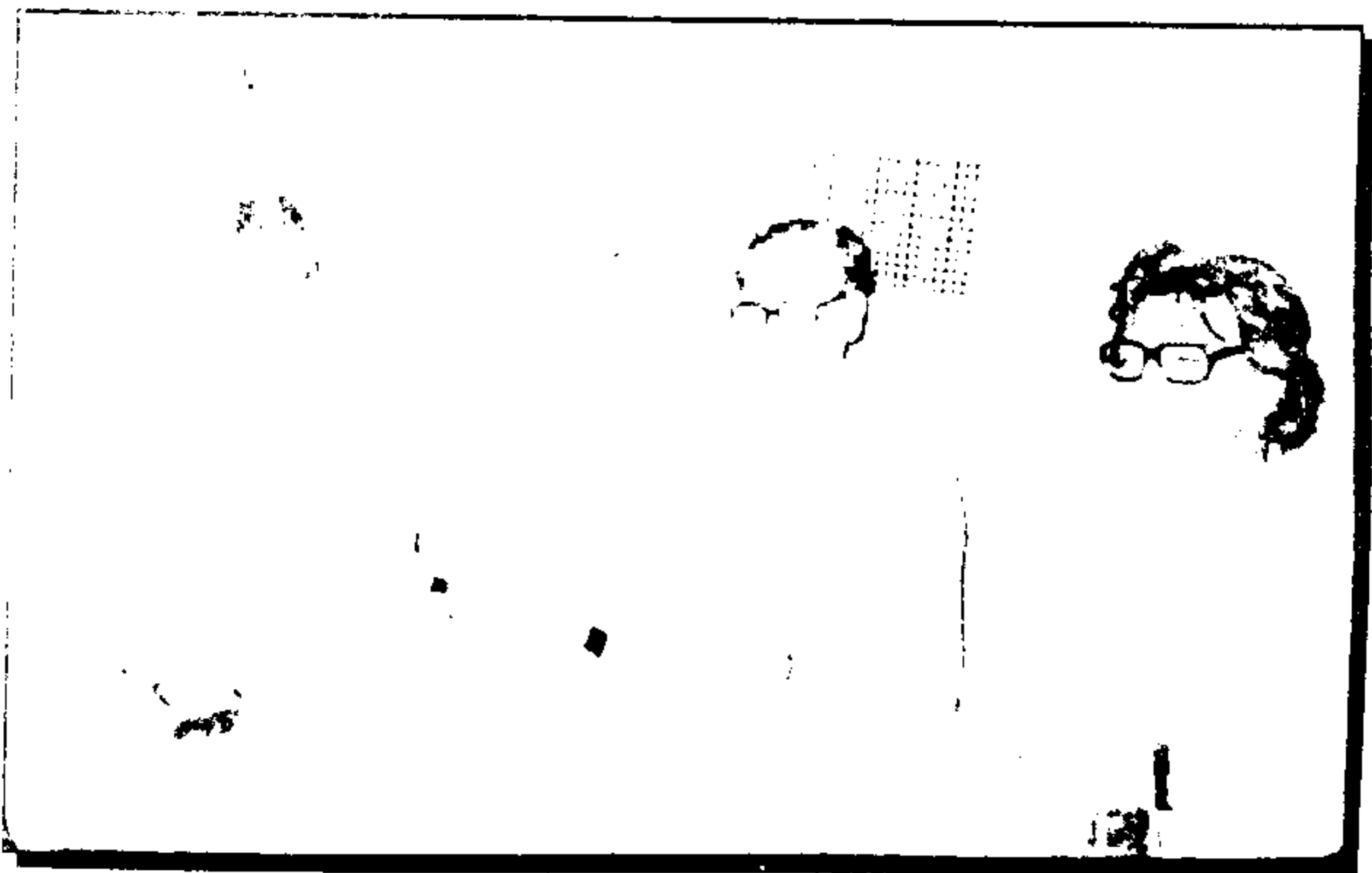
شہاب الدین صدیقی (ڈاکٹر نجم الاسلام کے والد گرامی) (۱۹۵۷ء)



ڈاکٹر نجم الاسلام



ڈاکٹر نجم الاسلام



پروفیسر حمایت علی شاعر۔ ڈاکٹر نجم الاسلام اور ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی (۱۹۸۳ء۔ ۱۰۔ ۱۵)



(دائیں سے بائیں) نسرین شیخ۔ پروفیسر سید جاوید اقبال۔ پروفیسر مرزا سلیم بیگ۔ ڈاکٹر سعدیہ نسیم  
پروفیسر فہمیدہ شیخ۔ پروفیسر ربیعہ اقبال۔ ڈاکٹر نجم الاسلام اور پروفیسر عتیق احمد جیلانی



(دائیں سے بائیں ایستادہ) سندر علی خاں۔ رفعت احمد شیخ۔ گل محمد۔ اصغر۔ سید سجاد حیدر۔ رفیق احمد خاں۔ محمد رضوان  
مسجد الدین عثمانی۔ مرزا سعید بیگ۔ زہرا احمد مجددی۔ شاہ انجم۔ محمد صادق۔ (نشستہ) پروفیسر عتیق احمد  
جیلانی۔ پروفیسر فہمیدہ شیخ پروفیسر ربیعہ اقبال۔ ڈاکٹر سعدیہ نسیم۔ ڈاکٹر نجم الاسلام۔  
پروفیسر مرزا سلیم بیگ - سلطانہ عثمان (طالبہ)



(اساتذہ) ڈاکٹر نجم الاسلام۔ ڈاکٹر نعیم ندوی۔ پروفیسر رابعہ اقبال۔ پروفیسر نعمیدہ شیخ۔ ڈاکٹر سعید نسیم  
 (شاکردان) فاروق احمد مغل۔ طارق حسین۔ وثیق الرحمان صاحب۔ مرزا عاصی اختر  
 ظافر علی خاں تشنہ اور دوسرے۔ (۱۹۸۱ء)



شعبہ اردو جامعہ سندھ کے اساتذہ پروفیسر نعمیدہ شیخ۔ ڈاکٹر سعید نسیم۔ پروفیسر رابعہ اقبال  
 ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام پور پروفیسر حمایت علی شاعر شاکردان کے ساتھ  
 (نشست) عبدالغفور لور محمد جمین (نائب قاصد) ۱۹۸۳۔ ۱۰۔ ۱۷

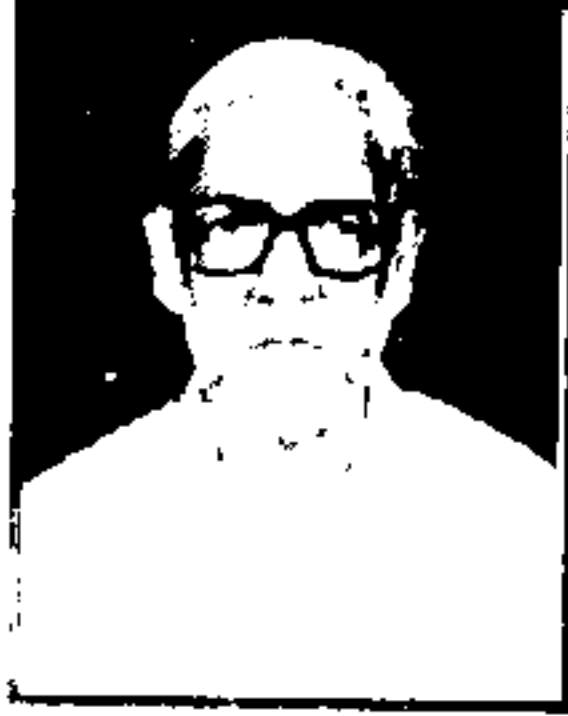
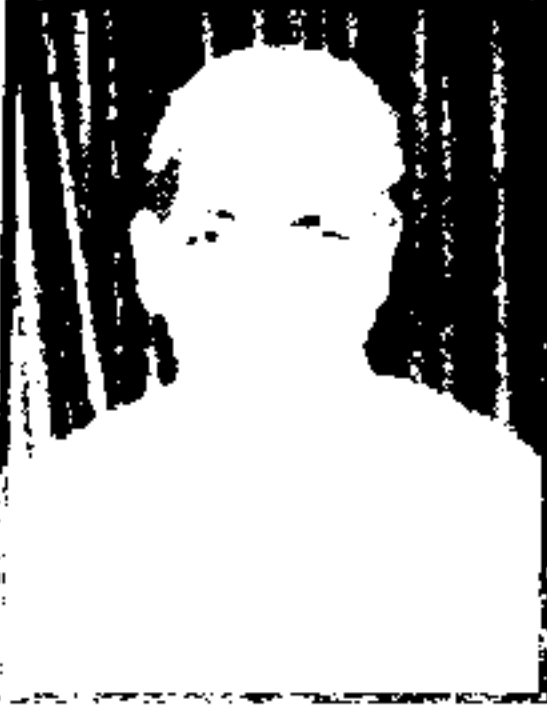




(دائیں سے بائیں) اساتذہ: عتیق احمد جیلانی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام۔ پروفیسر رابعہ اقبال اور پروفیسر فہمیدہ شیخ۔ شاگردان: شفیق احمد شیخ۔ وکٹر نویل ڈینیل۔ مبارک علی قریشی۔ عبدالحمید خاں۔ سید جاوید اقبال۔ ذکیہ رفیق۔ پروین فاطمہ ودیگر (۳ فروری ۱۹۸۷ء)



ڈاکٹر نجم الاسلام۔ پروفیسر رابعہ اقبال اور رفیق احمد خاں، شعبہ اردو، جامعہ سندھ کی ایک تقریب میں (۲۷ ستمبر ۱۹۹۰ء)



ڈاکٹر نجم الاسلام (چند یادگار لمحات)



ڈاکٹر نجم الاسلام



عتیق احمد جیلانی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام۔ ڈاکٹر سعدیہ نسیم۔ پروفیسر رابعہ اقبال اور پروفیسر نعمیدہ شیخ





## ڈاکٹر نجم الاسلام (مرحوم)

اردو اور فارسی کے مستند و معروف محقق اور استاذ الابدانہ پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں صاحب محترم کے ممتاز اور عزیز ترین شاگرد پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی رہے۔ ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء کی صبح لطیف آباد، حیدرآباد سندھ میں وفات پائی۔ پہلے ٹیلی فون سے اطلاع آئی پھر حبیب مکرّم ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب کا مکتوب مورخہ ۱۳ فروری سے اس حادثے کی تصدیق ہوئی۔ انہوں نے اس امر کی بھی اطلاع دی کہ ان کی نماز جنازہ ان کے استاد پروفیسر غلام مصطفیٰ صاحب نے پڑھائی۔

نجم الاسلام ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ سادات و شیوخ کے مشہور قصبے جھور (پوٹی) میں پیدا ہوئے۔ ایک مضمون میں وہ لکھتے ہیں :

راقم کا مولد و منشا لور آبادی وطن قصبہ جھور (روہیل کھنڈ) ہے اور اسی محلے کا

رہنے والا ہے جس میں سید رستم علی جھوری (اردو نثر میں تاریخ کی اولین

کتاب قصہ احوال روہیلہ کے مصنف) کا خاندان سکونت پذیر تھا۔

وہ اس قصبے کے قدیمی شیخ زادوں میں سے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم جھور میں حاصل

کی، علی اے انہوں نے میرٹھ کالج سے کیا۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۹ء تک ایک اردو ماہنامہ معیار (میرٹھ)

سے وہ صحیفت مدبر و دستہ رہے۔ اسی زمانے میں اس رسالے میں چھپنے والے مختلف لکھنے والوں کے

افسانوں اور ڈراموں کا انتخاب مرتب کر کے ابھرتی کرنیں کے نام سے انہوں نے شائع کیا۔ یہ ان کی

پہلی لومٹی کوشش تھی جس پر صدق جدید (۱۰ ستمبر ۱۹۵۲ء) میں مولانا عبدالماجد دریا بادی نے بہت

اچھا تبصرہ لکھا تھا۔

نجم الاسلام مرحوم نے ایم اے سندھ یونیورسٹی سے کیا اور وہیں سے پروفیسر غلام مصطفیٰ

خال صاحب محترم کی نگرانی میں انھوں نے ڈاکٹریٹ کی۔ شمالی ہند کی قدیم اردو نثر سے ان کی دلچسپی  
تعمی چٹاں چہ ”دہستان دہلی کی نثر“ پر انھوں نے مقالہ علیہ لکھا جس پر ۱۹۶۹ء میں انھیں ڈاکٹریٹ  
تفویض ہوئی۔ تحقیقی سرگرمیوں کے علاوہ وہ سندھی اور فارسی شاعری کے منظوم اردو تراجم سے بھی  
دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ شعر کہنے میں بھی ہمد نہ تھے۔

وہ میرٹھ سے حیدرآباد سندھ کب گئے مجھے نہیں معلوم لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ وہاں ایم اے  
اور پی ایچ ڈی کر کے ۱۹۶۶ء میں غزالی کالج لطیف آباد میں لکچرار ہو چکے تھے۔ یہیں سے میرے ان  
کے تعلقات شروع ہوئے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے انھیں سندھ  
یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں بلا لیا۔ اس شعبے سے لوہی مجلہ ”صبریر خامہ“ ۱۹۶۱ء سے شائع ہونا شروع  
ہوا۔ اس کے چھ خصوصی شمارے نکلے۔ قومی شاعری نمبر (۱۹۶۶ء) تنقیدی لوب نمبر (۱۹۶۷ء)  
قصیدہ نمبر (۱۹۶۸ء)، اقبال نمبر (۱۹۷۷ء) نعت نمبر (۱۹۷۸ء)، اسی شعبے سے ۱۹۷۸ء میں  
تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ شائع ہوا۔ ۱۹۸۷ء میں یونیورسٹی کی انتظامیہ نے شعبہ جاتی تحقیقی مجلہ  
کی اشاعت کے لیے وسائل مہیا کیے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی ادارت میں رسالہ ”تحقیق“ کا پہلا  
شمارہ اپریل مئی ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ جب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب متقاعد ہوئے تو وہ شعبے  
کے پروفیسر اور صدر مقرر ہو گئے۔ اس عہدے پر وہ ۳۰ جون ۱۹۹۳ء تک کام کرتے رہے۔ یکم  
جولائی ۱۹۹۳ء کو ان کے متقاعد ہونے کے بعد یونیورسٹی کے لیب اسٹوڈنٹس نے از خود یونیورسٹی  
سے ان کا تعلق برقرار رکھا اور اعزاز پر مقرر کر کے شعبے میں انھیں پروفیسر کی حیثیت دی اور رسالہ  
تحقیق کا انھیں ایڈیٹر مقرر کیا۔ اس طرح شعبہ اردو سے ان کا تعلق اور رسالے کی ادارت کی  
مشغولیت ان کی زندگی کے آخری دن تک بدستور رہی۔

تصانیف :

نجم الاسلام مرحوم کی شائع شدہ کتابیں حسب ذیل ہیں :

”دین و ادب“ (۱۹۸۹ء)، ”دو آہنگ“ (۱۹۹۰ء) اور ”مطالعات“ (۱۹۹۰ء) پہلی  
کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ ”دو آہنگ“ کوئی تین سو فارسی شعراء کے منتخب فارسی اشعار کا  
منظوم ترجمہ ہے جسے ادارہ اردو حیدرآباد (سندھ) نے جون ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ ”مطالعات“  
(حیدرآباد سندھ ۱۹۹۰ء) ان کے بارہ علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جو اردو فارسی زبان و ادب کی  
تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں اور ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۹ء تک درمیانی مدت میں ”نقوش“، ”صحیفہ“،

”نور نیشنل کالج میگزین“ ”نور“ تحقیق“ میں شائع ہوئے اس مجموعے کے کچھ عنوانات یہ ہیں :

(۱) تین نثری نو اور نسخہ مفرح الحک معتدل من طب النظر افت از شاہ حاتم دہلوی زمانہ تحریر قبل از ۱۱۷۲ھ۔

(۲) دیباچہ تفسیر مرلوہ از شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی، شمالی ہند کی لوہین اردو تفسیر لور دہستان دہلی کی دستیاب نثری کتابوں میں قدیم ترین۔ زمانہ تحریر ۱۸۸۵ء۔

(۳) قصہ احوال روہیلہ از سید رستم علی جھوری سال تصنیف ۱۱۹۰ھ اردو نثر میں لکھی ہوئی کتب تواریخ میں اس سے قدیم تر کوئی کتاب اب تک معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۴) فورٹ ولیم کالج

(۵) فضلی کی کربل کتھا

(۶) گوہر نامہ لور اس کا مصنف

(۷) بیاض مرزا جان طیش

(۸) غالب کی لسانی تصریحات

(۹) مختصات نثر غالب

(۱۰) غرۃ الکمال کے دو قلمی نسخے

(۱۱) کلیات میر غلام حسین شائق

تحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مجھ الاسلام انگریزی، فارسی لور سندھی شاعری کے منظوم تراجم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ فارسی شعراء کے منظوم اردو تراجموں کا ذکر لوہر گزرا، انھوں نے لیڈی ایلسا قاضی کی طویل انگریزی تہجیہ نظم کا کامیاب اردو ترجمہ کیا جسے سندھ یونیورسٹی نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔ ان کا سندھی شاعر محمد زماں لوروی نقشبندی (متوفی ۱۱۸۸ھ) کی لہیات کا اردو ترجمہ کراچی سے ۱۹۸۱ء میں اشاعت پذیر ہوا لور لہیات شاہ کریم سندھی لونی بورڈ جام شورو سے اکتوبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا، یہ شاہ کریم بلوی (متوفی ۱۰۳۲ھ) کے سندھی اشعار کا اردو منظوم ترجمہ ہے اس کتاب کے ضمیمے میں قاضی قاضی (متوفی ۹۵۸ھ) کی سندھی لہیات کا اردو ترجمہ بھی شائع ہے۔

مقالات :

ذاکرہ مجھ الاسلام کے لکھے ہوئے مقالات کی صحیح تعداد مجھے نہیں معلوم۔ ان کے مطبوعہ

مقالات جو میری نظر سے گزرے، یا جن کے بارے میں مجھے اطلاع ہے یہ ہیں :



رسالہ تحقیق شماره ۱	۱۹۸۷ء	ہمارا قدیم طرز تحقیق
شمارہ ۱	۱۹۸۷ء	رسمیات مقالہ نگاری
شمارہ ۲	۱۹۸۸ء	بیاض مقیم
شمارہ ۲	۱۹۸۸ء	تحقیق کی چند تعریفات
شمارہ ۳	۱۹۸۹ء	قدیم اردو کے چند نو اور
شمارہ ۳	۱۹۸۹ء	کلیات شائق
شمارہ ۳	۱۹۹۰ء	لفظ اللہ مہندس کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی
شمارہ ۳	۱۹۹۰ء	مقالہ سید حسن غزنوی از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
تحقیق (۵) (گیارہویں، بارہویں صدی ہجری کی ایک قدیم بیاض کا تعارف)	۱۹۹۱ء	بیاض دولت رائے سندھی
شمارہ ۵	۱۹۹۱ء	سندھی لٹریچر بورڈ کے مخطوطات
شمارہ ۶	۱۹۹۲ء	مکتوبات بہراج
شمارہ ۶	۱۹۹۲ء	سندھی ادبی بورڈ کے مخطوطات (۲)
شمارہ ۶ (اس قصے کے بارے میں سرو لیم جونس کے خط کا اقتباس)	۱۹۹۲ء	چار درویش (فارسی)
شمارہ ۷ عجیب القصاص		شاہ عالم ثانی کی نثر
شمارہ ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱		انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی کے مخطوطات
شمارہ (۸-۹) ۱۹۹۳ء	۱۹۹۳-۱۹۹۵ء	دیوان غمگین کس غمگین کا ہے؟
شمارہ (۸-۹)	۱۹۹۳-۱۹۹۵ء	مخبر الواصلین اور آٹھ رسائل طب پر مشتمل ایک قلمی مجموعہ
شمارہ (۱۰-۱۱)	۱۹۹۶-۱۹۹۷ء	دو موضح قرآن
شمارہ (۱۰-۱۱)	۱۹۹۶-۱۹۹۷ء	اقبال کا ایک مکتوب اور اس کا ماخذ
شمارہ (۱۰-۱۱)	۱۹۹۶-۱۹۹۷ء	دیوان غمگین کے تعاقب میں

136935

سئلہ ملکیت تصنیف کے بارے میں رچرچ ڈائیلٹیک کی

تنقید میں کلام شہید کا مصنف کون ہے۔ ۹۷-۱۹۹۶ شماره ۱۰-۱۱

پہلے سر العالمین کے غزالی سے انتساب

کے بارے میں (ترجمہ)۔

سالہ نوریہ کس کی تصنیف ہے (ترجمہ)؟

کیا کتاب السعاده الاسعاد ابو الحسن عامری کی تصنیف ہے (ترجمہ)؟

خیام کی اصیل رباعیاں کون سی ہیں (تلخیص و ترجمہ)۔

کچھ منسوبات کچھ تحقیق منسوبات کے بارے میں۔

کیا نعتیہ قطعہ ”یا صاحب الجمال“ شاہ عبدالعزیز کا ہے؟

آزاد بلگرامی سے منسوب گربہ نامہ۔

شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی لوران کی اردو تفسیر ۱۹۹۸-۱۹۹۹ء شماره ۱۲-۱۳

موضح قرآن کی دو روایتیں (لسانی مطالعہ) ۱۹۹۸-۱۹۹۹ء شماره ۱۲-۱۳

حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمہ قرآن ۱۹۹۸-۱۹۹۹ء شماره ۱۲-۱۳

قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی (قلمی) ۱۹۹۸-۱۹۹۹ء شماره ۱۲-۱۳

تبصرے:

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے لکھے ہوئے حسب ذیل تبصرے راقم کی نظر سے گزرے ہیں:

اردو گیت از ڈاکٹر حکیم بسم اللہ نیاز احمد ۱۹۸۷ء تحقیق،

شمارہ (۱)

پر تو تحقیق از ڈاکٹر آصفہ زمانی ۱۹۸۷ء شماره (۱)

مجلد کتاب شناسی از اختر راہی، عارف نوشاہی، ۱۹۸۹ء شماره (۳)

گوہر ناشاہی

دیوان فضل محمد حاتم مرتبہ ڈاکٹر نبی عیش بلوچ ۱۹۹۱ء شماره (۵)

مجلد سرورد مرتبہ سید اولیس علی سروردی ۱۹۹۱ء شماره (۵)

فہرست مخطوطات اردو قومی

عجائب گھر پاکستان کراچی مرتبہ ڈاکٹر ظفر اقبال ۱۹۹۱ء شماره (۵)

- فسانہ عجائب  
از رجب علی بیگ سرور  
۱۹۹۲ء شمارہ (۶)
- باغ و بہار  
از میر امن دہلوی  
۱۹۹۲ء شمارہ (۶)
- دستور زبان اردو  
مؤلفہ پروفیسر محمد رضا ملک ابھواری  
۱۹۹۲ء شمارہ (۶)
- پیرم خاں (دوبان انگریزی)  
مصنفہ سوکمار رے، کلکتہ یونیورسٹی  
۱۹۹۳ء شمارہ (۷)
- حافظ محمود شیرانی لوران کی  
علمی و ادبی خدمات  
مصنفہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، کراچی  
۱۹۹۳ء شمارہ (۷)
- مقالات برنی  
از سید حسن برنی حصہ اول، کراچی  
۱۹۹۳ء شمارہ (۷)
- مقالات برنی  
از سید حسن برنی، حصہ دوم کراچی  
۱۹۹۳ء شمارہ (۷)
- مغربی زبانوں کے ماہر علماء  
دیوان غمگین  
از پروفیسر سید محمد سلیم، لاہور  
پیش کردہ محسن بلاس مغربی پاکستان  
لاہور اکیڈمی، لاہور  
۱۹۹۵ء شمارہ (۸-۹)
- (بصورت عکس)
- فیضانِ دکن (سلاطین آصفیہ  
کی علمی و ادبی سرپرستی)  
اردو کی ترقی میں لولیائے  
سندھ کا حصہ  
بھادریار جنگ اکادمی، کراچی  
از ڈاکٹر وقار اشدی،  
مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور  
از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،  
بدم اقبال، لاہور  
۱۹۹۵ء شمارہ (۸-۹)
- ۱۹۹۵ء شمارہ (۸-۹)
- ۱۹۹۵ء شمارہ (۸-۹)
- ۱۹۹۵ء شمارہ (۸-۹)
- کتلیات اسلام  
از خالد اقبال یاسر، اقبال اکادمی پاکستان  
از سید وقار عظیم مرتبہ  
ڈاکٹر سید معین الرحمن،  
گورنمنٹ کالج لاہور  
۱۹۹۵ء شمارہ (۸-۹)

- مجلہ غالب نامہ (دہلی)  
(تجزیاتی مطالعہ)  
چند قدیم ڈرامے  
(تعارف اور تجزیہ)
- از عاصمہ اعجاز،  
گورنمنٹ کالج لاہور
- ۱۹۹۵ء شماره (۸-۹)
- فورٹ ولیم کالج  
(تحریک اور تاریخ)  
اردو میں ہائیکو  
(مستقبل اور امکانات)
- از سید وقار عظیم مرتبہ  
ڈاکٹر سید معین الرحمن،  
گورنمنٹ کالج، لاہور
- ۱۹۹۵ء شماره (۸-۹)
- پروفیسر ہیروجی کتلوگا،  
الوقار پبلی کیشنز، لاہور  
از ڈاکٹر یونس حسنی،  
پروفیسر ہیروجی کتلوگا،  
رباب پبلی کیشنز، کراچی
- ۱۹۹۵ء شماره (۸-۹)
- مجلہ لونج کانت نمبر
- مرتبہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی،  
گورنمنٹ کالج، لاہور
- ۱۹۹۵ء شماره (۸-۹)
- یادگار نامہ فخر الدین علی احمد  
(بہان اردو)
- مرتبہ پروفیسر نذیر احمد،  
پروفیسر محمد الدین احمد،  
ڈاکٹر شریف حسین قاسمی،  
قالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی
- ۱۹۹۵ء شماره (۸-۹)
- فخر الدین علی احمد میموریل والیوم  
(بہان انگریزی)
- مرتبہ پروفیسر نذیر احمد،  
پروفیسر اسلوب احمد انصاری،  
قالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی
- ۱۹۹۵ء شماره (۸-۹)
- یادگار خطوط
- ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نام  
فرہنگ زقان گویدا (جلد دوم)
- مرتبہ خالد محمود،  
حیدر آباد، سندھ  
مؤلفہ بدر لہد ایم،  
مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد،  
خدا بخش لائبریری پٹنہ
- ۱۹۹۷ء شماره (۱۰-۱۱)
- ۱۹۹۷ء شماره (۱۰-۱۱)

رضالا بھیریری جرنل شماره ۳ مرتبہ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی،،

وقار الحسن صدیقی،

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

رضالا بھیریری رامپور

حافظ محمود شیرانی لوران کی

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

مصنفہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی،

علمی و ادبی خدمات (ج، ۲)

مجلس ترقی ادب، لاہور،

رضالا بھیریری کی علمی وراثت

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

رضالا بھیریری، رامپور

مطالعہ ادبیات فارسی

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

از ڈاکٹر وحید قریشی

لورینٹل کالج، لاہور

المصداق (شمارہ ۲)

مرتبہ شاہ انجم بخاری،

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

حیدر آباد سندھ

از جعفر بلوچ، اقبال اکادمی،

اقبال اور ظفر علی خاں

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

پاکستان، لاہور

از لطیف اللہ،

انفاس امدادیہ

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

ادارہ نشر المعارف، کراچی

از شفقت رضوی،

تحقیقی نقوش

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

بہادر یار جنگ اکیڈمی، کراچی

از شیخ منظور الہی،

نیرنگ اندلس

۱۹۹۷ء شماره (۱۱-۱۰)

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

مرتبہ محمد راشد شیخ،

تذکرہ خطاطین

۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)

ادارہ علم و فن، کراچی

مصنفہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

تحقیقات و تاثرات

(مجموعہ مقالات)

۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)

ادارہ علم و فن، کراچی

مرتبہ ڈاکٹر ریاض الاسلام،

قاضی عبدالقادر، جاوید حسین،

سنٹرل ایشیا: تاریخ، سیاست

اور کلچر (مجموعہ مقالات)

ایڈوکیٹ ایشین اسٹڈیز، کراچی یونیورسٹی	بہار انگریزی)
۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)	
از جگر مراد آبادی (ایک تجزیاتی مطالعہ)	شعلہ طور
۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)	
از ڈاکٹر احمر رفاعی، کراچی	رسالہ تحقیق:
مرتبہ پروفیسر متین الرحمن مرتضیٰ، جامعہ کراچی	خصوصی اشاعت
۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)	
از ڈاکٹر محمد سلیم اختر، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی	ہفت گفتار و بارہ سنائی و عطار و عراقی (بہار قاری)
۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)	
تہران	
مرتبہ پروفیسر مختار الدین احمد، خدا بخش لاہوری، پٹنہ	ذکر صاحب کے خط (جلد سو چہارم)
۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)	
از ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی، رام پور رضالاہوری، رامپور	رام پور رضالاہوری مونوگراف (بہار انگریزی)
۱۹۹۹ء شماره (۱۲-۱۳)	
مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین احمد، پروفیسر شریف حسین قاسمی، غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی	یادگار نامہ قاضی عبدالودود
۱۵۰ء شماره (۱۲-۱۳)	

### اضافی یادداشتیں:

یادگار نامہ فخر الدین علی احمد کے ایک مقالے چہرہ شناسی (ڈاکٹر نیر مسعود) کے ایک  
مآخذ انشائے دل کشا از سید ثار علی عطاری مدلیوی کے ذیل میں۔ فخر الدین علی احمد میموریل والیوم کے ایک  
مقالے (ڈاکٹر شریف حسین قاسمی) میں ایک متعارفہ کتاب ”مرآة الاحوال جہاں نما“ مصنفہ آقا  
سہمانی کے؛ میں ہیں۔ بیہتی کہانی مصنفہ شہر بانو حکیم کے ایک کردار مرزا ایوب حکیم کے ذیل میں۔

## تحقیقی مقالے جو نجم الاسلام کی نگرانی میں لکھے گئے :

ڈاکٹر اعجاز حسین (اعجاز راہی)	اردو افسانے میں علامت نگاری
ڈاکٹر نسیم آرا سعید (سعدیہ نسیم)	اردو کے صرئی و نحوی تغیرات
ڈاکٹر امین فاروق	سندھ میں اردو کی ادبی صحافت
ڈاکٹر رحیم بخش شاہین	مکاتیب اقبال کا تنقیدی جائزہ
ڈاکٹر فردا حسین انصاری	نواب محبت خاں محبت : احوال و آثار
جاپانی اسکالر کین ساکوما میا ایم فل (شریک نگران ڈاکٹر عبدالجبار جونجو)	اردو لور سندھی میں مستعار انگریزی کے الفاظ کے ارکان تنجی کی ساخت میں تغیرات کا تقابلی مطالعہ
محترمہ شوکت چغتائی	اردو نعت میں جدید رجحانات
سید جاوید اقبال،	اردو میں تبصرہ نگاری
(مقالہ برائے پی ایچ ڈی) زیر تحریر	مرزا فرحت اللہ بیگ : شخصیت اور فن
عدنان محمود صدیقی،	
(مقالہ برائے ایم فل)	
شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کی مجالس تحقیق و مذاکرے میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے پیش کیے جانے والے مقالے :	
۱۹۸۷ء	اردو زبان و لوب کی تاریخیں
۱۹۸۸ء	سحر البیان کا ایک قدیم قلمی نسخہ
۱۹۸۹ء	لطف اللہ مہندس کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی
۱۹۹۰ء	بیاض دولت رائے سندھی
۱۹۹۲ء	بیاض عاجز
۱۹۹۳ء	لب لہجہ ارنج میں سائنس کی تشریحی اصطلاحات اور تشریحات
۱۹۹۵ء	رسائل سن پانی پتی کی شرح انتخاب کلام سودا
۱۹۹۵ء	رسالہ تنقید و کلام شہید کا مصنف کون ہے؟

ڈاکٹر نجم الاسلام کے خطوط  
غزالی کالج

لطیف آباد۔ حیدرآباد، پاکستان

۲۷/۵/۶۶

محترم و مکرم ڈاکٹر صاحب سلام و آداب

قومی زبان کراچی کے تازہ شمارہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے لور مالک رام صاحب نے وہ مجلس فضلی کا کوئی نسخہ کیمرے سے حاصل کر کے ایڈٹ کیا ہے اور چھپوایا ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں کہیں دستیاب نہیں، مجھے اس کو دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ دہلی کو کئی خط لکھ کر کتاب منگانے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ اگر آپ ایک جلد تحفتاً (جس کی اجازت ہے) اس عاجز کے پتے پر روانہ کرا سکیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ ورنہ اس قدر ضرور مطلع فرمائیں کہ نسخہ آپ کو کہاں سے دستیاب ہو اور کیا اس پر فضلی کے نام کی صراحت موجود ہے۔ یا قیاساً سے فضلی کی تصنیف ٹھہرایا گیا ہے۔

خاکسار  
نجم الاسلام

یکم جون ۱۹۸۷ء

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب، عید مبارک گرامی نامہ مورخہ ۵ مئی موصول ہوا۔ ممنون ہوں کہ خط لکھ کر آپ نے عزت افزائی فرمائی۔ آپ یہاں تشریف لائے۔ افسوس کہ میں شرف نیاز حاصل نہ کر سکا جس کی ایک مدت سے تمنا ہے۔ آپ کی بلند پایہ اور مفید علمی خدمات سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے۔ مجھے بھی گلشن ہند حیدری پر آپ کے ایک حاشیے نے دسمبر ۱۹۸۰ء میں خدا بخش لائبریری پٹنہ پہنچایا اور اس واسطے سے قاضی عبدالودود کی خدمت میں بھی۔

یہاں میرا تعلق سندھ یونیورسٹی سے ہے جس کے شعبہ اردو کی کلاس صبح کے اوقات میں نیو کیمپس جام شورولور شام کی کلاسیں لوڈ کیمپس حیدرآباد میں ہوتی ہیں، ملاقات ان ہی دونوں جگہ ہو سکتی تھی۔



خوش خبری جس کا ذکر آپ کے خط میں ہے، میرے علم میں نہیں تھی، ویسے آپ کا ذریعہ اطلاع معتبر ہے۔ مل رہے گی، اگر خدا نے چاہا۔ تاہم، آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس حوالے سے آپ نے خط تحریر فرمایا اور کلمات خیر سے نوازا۔

مجموعہ مضامین ابھی نہیں چھپا۔ شعبے کا مجلہ حال ہی میں چھپا ہے، اس کا ایک نسخہ رجسٹری ڈاک سے ارسال ہے۔

سید حمید الدین بھاری پر آپ کا مضمون دیکھنا چاہتا ہوں، رسالہ ندیم (کیا) تو یہاں دستیاب نہیں۔ ازراہ کرم عکسی نقل عنایت فرمائیے۔ جب بھی موقع ہو۔  
محترمی ڈاکٹر ہاشمی صاحب! جو باسلام لکھواتے ہیں، عذرا و عافیت ہیں اور مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب بھی۔

آپ کا مخلص  
نجم الاسلام

۱۰/۰۱/۲۰۰۱

محترم ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب

آف پرنٹ تیار ہو کر آگئے، بچے جانے کے لیے تیار ہیں اور محصول ڈاک کی رقم کی سہولت بھی مل گئی ہے، عنقریب رجسٹرڈ بک پوسٹ سے آپ کو اور ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کو بھیجے جائیں گے، اور شمارہ مشترکہ ۱۲-۱۳ کے مزید کچھ نسخے بھی۔ اسی طرح ہندوستان کے دیگر فضلاء کو رسالے کا تازہ شمارہ بھی۔

یہاں پاکستان میں جن احباب کو آف پرنٹ بھجوانا چاہیں ان کی فہرست چوں کے ساتھ مہیا فرمادیں۔ فی الحال تیس میں سے ۱۵ آف پرنٹ آپ کو بھجوانے کا ارادہ ہے (دو بیکنوں میں) باقی آپ کی مہیا کردہ فہرست کے مطابق یہاں تقسیم کیے جاسکتے ہیں، یا پھر آئندہ کسی وقت آپ کی خدمت میں ارسال کیے جاسکتے ہیں۔ علمی مکتوبات کے آف پرنٹ میری خواہش کے مطابق ہیڈ بائٹرز نے ہارڈ کور کے ساتھ جلد کرائے ہیں جس سے ایک جداگانہ کتاب کی شکل نکل آتی ہے۔

اس خط کے ساتھ آپ کے دو مقالات کے سیکنڈ پروف بھجواتا ہوں۔ ازراہ کرم ان کے لیے کچھ وقت نکالنے اور جوش کے رسالہ قافیہ کے متن کا عکس بھی عنایت فرمادیجئے جس کا ذکر آپ نے

اپنے انومبر والے ایروگرام میں کیا تھا۔

اس ایروگرام میں یہ اطلاع بھی تھی کہ ایک رجسٹرڈ پیکٹ میں آپ نے سید زین الدین علی پر اپنے مضمون کے آف پرنٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے روانہ کیے ہیں، ایک میرے لیے دوسرا مشفق خواجہ صاحب کے لیے ۰۰۰ یہ پیکٹ اب تک نہیں ملا۔ ظاہر اضائع ہوا، اور اس پر لگے ہوئے ٹکٹ بھی۔ اب کیا ملے گا؟

میرے علم میں نہیں کہ غالب لائبریری کار سالہ غالب حال میں چھپا ہے یا چھپنے والا ہے۔ اب تو رسالہ اردو کراچی بھی دیکھنے میں نہیں آتا، شاید اشاعت موقوف ہے۔ البتہ قومی زبان پابندی سے چھپتا ہے۔ اس کی ستمبر ۲۰۰۰ء والی اشاعت میں آپ کا مقالہ ”دو پلٹی برادران“ چھپا تھا، متعلقہ لوراق کا عکس آپ کی خواہش کے مطابق بھیجتا ہوں۔

ابھی یہ خط پوسٹ نہیں ہوا تھا کہ آج کی ڈاک سے آپ کا لفافہ مرسلہ ۴ جنوری ملا جس میں سے میرے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب اور جناب مختار مسعود صاحب کے نام کے مکتوبات کے علاوہ تین پوسٹ کارڈ بھی نکلے۔ میرے نام کے مکتوب (مورخہ یکم جنوری) میں آپ نے بہت دنوں سے خط نہ لکھنے کی وجہ دریافت کی ہے اور خیریت پوچھی ہے۔ شکریہ، پچھلے دنوں مجھے سانس پھولنے اور دل بڑھ جانے کی تکلیف رہی۔ اب تو دل اپنی سابقہ حالت پر آگیا ہے لیکن سانس کے پھولنے کی تکلیف پوری طرح نہیں گئی۔ دعائے صحت کی درخواست ہے۔

خدا بخش لائبریری کو یہاں سے دو نسخے رسالہ ”تحقیق“ کے تازہ شمارے کے ۷ دسمبر کو بھیجے گئے تھے، شاید اب تک پیکٹ مل چکا ہو۔ اسی طرح رسالہ معارف اعظم گڑھ کو رسالہ بھیجا ہے۔ اب مزید حضرات اور لوگوں کو بھی بھیجا جائے گا۔

محترم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی خدمت گرامی میں میرا سلام پہنچا کر مجھے ممنون کیجئے اور زیر ترتیب شمارے کے لیے کوئی مقالہ بھجوا کر شکریے کا موقع دیجیے۔ اگر وہ دیوانہ و قاری ایڈٹ کر چکے ہوں اور مسودہ طباعت کے لیے تیار ہو تو بھجوائیں۔ سندھی ادبی بورڈ جام شورو چھاپ دے گا، صورت دیگر ہم رسالہ ”تحقیق“ میں چھاپ دیں گے یا سندھ یونیورسٹی چھاپے گی یہ والی سندھ بہ زبان اکبر و جاناگیر کا فارسی دیوان ہے۔

نیاز مند

مجم الاسلام

خدمت قاضل گرامی ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب، علی گڑھ  
محترم ڈاکٹر صاحب!  
سلام و آداب

لغافہ مرسلہ ۱۳ جنوری کو موصول ہوا۔ ملفوف پوسٹ کارڈ (بنام ڈاکٹر ہاشمی) اور خط (بنام محمد راشد شیخ) پوسٹ کر دیے گئے۔

اس خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے تھانے پر پڑھنے والوں میں گشت کا بوجھ زیادہ پڑ رہا ہے مجھے احساس ہے، ۲۴ جنوری کو یہاں سے تحقیق شمارہ ۱۲-۱۳ کے پانچ نسخے رجسٹرڈ بک پوسٹ سے بھیجے گئے ہیں۔ مزید پانچ عنقریب پوسٹ کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

قبلاً، ایک رجسٹرڈ لغافہ بھی ارسال کر چکا ہوں۔ اس میں میرے خط کے علاوہ آپ کے دو مقالات کے سیکنڈ پروف بھی ملفوف ہیں۔ دیکھنے کے بعد واپس فرما دیجئے اور رسالہ قافیہ کے متن کی عکسی نقل بھی۔ محترم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی خدمت گرامی میں سلام پیش کرتا ہوں۔ ان کی طرف سے دونوں مقالات کا انتظار رہے گا جس کا ذکر آپ نے ۱۳ جنوری والے مکتوب میں کیا ہے مزید یہ کہ دیوان وقاری (دیوان فارسی غازی بیگ ترخان، والی سندھ و قندھار بومان جہانگیر) کے مسودے کا بھی انتظار ہے۔ یہاں سے انہیں آف پرنٹس کا ایک پیکٹ وسط جنوری میں رجسٹری ڈاک سے بھیجا ہے۔ محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی خدمت میں ہفتے عشرے قبل حاضری دی تھی کمزور تو ہیں ہی، پھر لوگوں کا ہجوم، تاہم ایک عالم کو فیض پہنچ رہا ہے۔

خط میں آپ نے جن مکتوبات اختر کا ذکر کیا ہے، غالباً خوشتر مانگروولی کے نام ہیں جو مطبوعہ ہیں۔ یہ ہم دوبارہ نہ چھاپ سکیں گے۔ البتہ کسی اور رسالے میں چھپوائے جاسکتے ہیں، اگر آپ حواشی لکھ چکے ہوں تو کسی اور رسالے میں اشاعت کے لیے بھجوا دیں، ہم شائع کر دیں گے۔ مکتوب کا آخری پیرا سردی کے موسم پر آپ کا عمدہ انشائیہ ہے، اس کو چھپنا چاہیے، سو چھاپیں گے، اگلے شمارے میں لیزر کمپوزنگ میں ہے۔

نیاز مند  
عجم الاسلام

(بہ شکر یہ قومی زبان، کراچی)

## ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے چند ملاقاتیں

اب یاد نہیں پڑتا کہ نجم الاسلام صاحب سے میری ملاقات کب، کیسے اور کہاں ہوئی تھی، ان غالب ہے کہ ان کی حیدر آباد آمد کے بعد استاد اختر انصاری اکبر آبادی کے ہاں ان کی ادبی نشستوں میں ملاقات ہوئی ہوگی جہاں وہ کبھی کبھی آجایا کرتے تھے۔ وہ کم گو تھے مگر کسی ادبی موضوع پر بات رتی تو اس میں بھر ضرورت حصہ لیتے، لیے دیے رہنے کے باوجود خلیق لور منکسر المزاج تھے۔ مجھ سے اس لیے گفتگو کر لیتے تھے کہ میں کوئی بات چھیڑ دیتا تھا تو وہ اپنی اپنی تلی رائے کا اظہار کم سے کم قاطع میں کرتے اور کوشش کر کے اپنی گفتگو کو مختصر رکھتے۔ میں کم گو آدمیوں سے گھبراتا ہوں مگر ان میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ دو ایک ملاقاتوں کے بعد مجھے ان سے گھبراہٹ نہ ہوتی تھی۔ ان کا جہان نثر کی طرف زیادہ تھا لور وہ بھی اس زمانے میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ چند موضوعات تک محدود ہے وہ مجھے تحقیق کے آدمی لگتے تھے لور یہ میری دلچسپی کا موضوع نہیں ہے۔ اتفاق سے مجھے چند بڑے محققین کی خدمت میں بیٹھنے کا موقع ملا جن میں مرحوم شیرانی صاحب، ڈاکٹر محمد شفیع لور لور نیٹل کالج لاہور کے مرحوم ڈاکٹر محمد اقبال لور قاضی احمد میاں اختر جو ناگڑھی جیسے بزرگ شامل تھے۔ اس کے بعد پھر کوئی محقق نظر میں کم ہی جچتا تھا۔ ان کے بعد والے لوگوں میں سلیمان ندوی، ڈاکٹر نذیر احمد اور ہمارے استاد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے بعد تو پھر کسی لور کی تحقیق کی طرف نظر جاتی ہی نہ تھی۔ اس لیے میری نجم الاسلام صاحب سے چھیڑ چھاڑ محض اس لیے تھی کہ شاید وہ مجھ سے کھل کر گفتگو کرنے لگیں مگر مجھے اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی اتنا ضرور ہوا کہ وہ مجھ سے بلا جھجک گفتگو کرنے لگے تھے۔

وہ حیدر آباد میں پہلے کسی ہائی اسکول میں لور اس کے بعد اسی ادارے کے کالج میں ملازم ہو گئے۔ حیدر آباد ایک ایسی جگہ تھی جہاں لوگوں کو اپنی تعلیمی استعداد بڑھانے کے مواقع حاصل

ہو جاتے تھے، ایک دن مجھے نجم الاسلام صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ اردو میں پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے مل چکے ہیں۔ بڑے محنتی آدمی تھے پہلے انہوں نے مذہبی مخطوطات پر کچھ کام کیا جو بعد میں چھپ بھی گیا۔ یہ ان کی ایک قسم کی مشق جس سے وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ پی ایچ ڈی کا مقالہ جس طرح چاہتے ہیں یا جس طرح ان کے چاہتے ہیں لکھ سکیں گے یا نہیں؟ یہ ان کی احتیاط تھی ورنہ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں تھی کہ کوئی بھی تحقیق کا مقالہ خاطر خواہ معیار پر لکھ سکتے تھے۔ انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی آسانی سے کر لیا اور اس کا آنا بانا شعبہ اردو میں شروع ہو گیا۔ کچھ ہی دنوں میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اردو شعبہ میں جگہ دے دی اور وہ ایک صحیح جگہ پہنچ گئے۔ میں چوں کہ اپنے فرائض منصبی کی ضرورتوں کے اعتبار سے یونیورسٹی میں کافی وقت گزارتا تھا اور اکثر شعبہ اردو میں کچھ دیر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی خدمت میں بیٹھنے کے بعد ڈاکٹر خان رشید صاحب سے کافی ملاقات رہتی تھی اب ان ملاقاتوں میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب بھی شریک ہونے لگے وہ ایک محنتی اور اچھے استاد تھے اور ان کے فرائض منصبی کو خاطر خواہ طریقے پر انجام دیتے تھے اور ان کے طالب علم ان سے مطمئن ہی نہ رہتے بلکہ ان کی عزت بھی کرتے تھے۔

بد قسمتی سے اردو کے اکثر شعبوں سے متعلق میری رائے کچھ اچھی نہ تھی اس لیے کہ ادب میں نے کچھ بہت اچھے اساتذہ سے پڑھا تھا جو پاکستان کے حصے میں بہت کم آئے تھے وہ اپنے دور کے اخیر بڑے اساتذہ تھے جو ادب کو ساری زندگی کا ترجمان سمجھتے تھے اس لیے ان کا طریقہ تدریس صرف اردو فارسی تک محدود نہ تھا وہ انگریزی ادب کو اس لیے ضروری سمجھتے تھے کہ وہ یورپ کی کئی زبانوں کے ادب سے روشناس کراتی تھی اور فارسی اور عربی کی طرح وہ ہندی زبان کی ضروری تعلیم کو بھی اردو زبان و ادب کے لیے لازمی سمجھتے تھے آج بھی مجھے نہیں معلوم کہ کراچی اور لاہور کے چند اساتذہ کے علاوہ کسی اور یونیورسٹی کے شعبہ ہائے اردو میں تدریس ادب کا ایسا سلسلہ موجود ہے یا نہیں؟ حیدرآباد کے شعبہ اردو میں بھی یہی صورت حال تھی اور اب بھی ہے لیکن اس زمانے میں ڈاکٹر محمد احسن فاروقی اور پروفیسر جمیل واسطی جیسے لوگ انگریزی ادب کے شعبوں میں موجود تھے۔ جن سے ذہین طلباء جو ادب کو دور حاضر کی ضروریات کے مطابق پڑھنا چاہتے تھے، ان کے لیے ان اساتذہ سے براہ راست فیض حاصل کرنا ممکن تھا۔ لیکن ایسے چند ہی طلباء ہوں گے۔ اس زمانے میں بعض ادبی انجمنیں بھی ایسی تھیں جو جدید ادبی موضوعات پر عالمی ادب کے تناظر میں مباحثے اور سیمینار

منعقد کرتی تھیں، جن سے طلباء کو بھی استفادے کے مواقع مل جاتے تھے پھر یک سر حیدر آباد کی اولیٰ فضا بدل گئی، یونیورسٹی میں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ طالب علموں نے اساتذہ کی عزت کرنا چھوڑ دی اور ان کی دلچسپیاں تعلیم سے زیادہ سیاست کی جانب مڑ گئیں۔ لیکن شعبہ اردو ان آفتوں سے بڑی حد تک محفوظ رہا اس کی وجہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کی شخصیت، اور طلباء سے ان کی شفقت تھی۔ اب ڈاکٹر صاحب نے ایک دوسری جانب اپنی توجہ کو مبذول کیا اور انہوں نے اپنے ذہین طالب علموں کو تحقیق کی طرف متوجہ کیا اور دو تین سال میں ان کے تین چار شاگردوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی جب ایسے لوگوں کی تعداد شعبہ اردو میں بڑھی تو یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی سے قبل ایم۔ فل کی قید لگادی۔ اب ڈاکٹر صاحب نے شعبہ اردو کے ایم۔ اے فائنل کے امتحان میں ذہین طلباء کے لیے کسی خاص موضوع پر مقالے کو ضروری قرار دیا۔ گویا ایم فل کی تیار تھی، اس سے انہیں طالب علم کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا تھا اور طالب علموں میں اپنے آئندہ امتحان کے لیے اعتماد پیدا ہو جاتا تھا ڈاکٹر صاحب کی اس مدرسے اور تحقیقی مہم میں ڈاکٹر خان رشید نے اس کے لواٹلی دور میں ڈاکٹر صاحب کی بڑی مدد کی لیکن جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا اور ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے اس جگہ کو پر کیا اور ڈاکٹر صاحب سے جتنا استفادہ کر سکتے تھے کیا جو ڈاکٹر صاحب کے دو تین تونیفات کے بعد ریٹائرمنٹ اور پروفیسر ایمر طیس بن جانے کے بعد ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی سرکردگی میں شعبہ اردو نے ایک پالیسی کے طور پر اس روش کو اختیار کیا اور اس طرح آئیہ شعبہ اردو نے اتنے ایم۔ فل لور اتنے پی۔ ایچ۔ ڈی پیدا کیے کہ سندھ یونیورسٹی کے دوسرے تمام شعبوں نے مل کر بھی نہ کیے ہوں گے۔ لیکن اس سے لوب کے شعبے کو جو نقصان پہنچا اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ ادب صرف تحقیق ہی کا نام نہیں ہے، اس شعبے کے اساتذہ نے ادب کو اس کے اصل تناظر میں دیکھنا، حاصل کرنا اور پڑھانا یک سر ضروری نہ سمجھا۔ اس لیے میرے خیال میں اردو لوب کا بہترین طالب علم بھی لوب سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کر سکا۔ میرا مقصد یہ کہنے سے صرف اتنا ہے کہ لوب کو اس کی انتہائی سطحیت میں اردو اور اس سے کم فارسی ادب تک محدود سمجھا جانے لگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے دور میں جو لوگ ادب کی انتہائی ڈگری ایم۔ اے یا پی۔ ایچ۔ ڈی حاصل کر کے نکلتے ہیں وہ ادب کی حقیقی وسعتوں، اس کی گیرائی اور گہرائی اور اس سے حاصل کی ہوئی دانش سے یک سر محروم نظر آتے ہیں۔ یہ میری اپنی ذاتی رائے ہے اور اس پر میں مصر بھی نہیں ہوں اور میرے نزدیک یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب اور ڈاکٹر

رضی الدین صدیقی صاحب نے زبردستی میرا انرول منٹ پی۔ ایچ۔ ڈی میں کرادیا اور مجھ سے کہا کہ چند موضوع ایسے بتاؤں کہ جن میں سے ایک کو میرے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کے لیے منظور کر لیا جائے تو میں نے جو موضوع بتایا وہ اردو شاعری پر مغرب کے اثرات تھا۔ اس طریقے سے میں یہ چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ بھی شاید اسی قسم کے موضوعات اختیار کرنے لگیں جو اردو ادب کی محدود تحقیقات سے ایک قدم آگے ہوں۔ کچھ عرصے کے بعد میں نے تحقیق کا خیال چھوڑ دیا۔ ایسی صورت حال میں استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی مشفقانہ تہدید نے مجھے پھر اس مقالے کی تکمیل کے لیے آمادہ کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ اگر تم کام کرنا نہیں چاہتے تو جتنا کام تم کر چکے ہو اور مجھے دکھا چکے ہو، اس کو نقل کر کے پیش کر دو، میرے نزدیک پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے وہ کافی ہے، میں یہ چاہتا تھا کہ تم اس کام کو آگے بڑھاؤ اور جو بلیو پرنٹ تم نے دیا ہے اسے تم مکمل کر لو لیکن اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو میرے نزدیک جو کام تم کر چکے ہو اسے ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ میرے پی۔ ایچ۔ ڈی کے اس انرول منٹ کے بعد سے استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے اس ارشاد تک ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب ہمیشہ مجھے اپنے کام کی تکمیل کے لیے راغب کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن جب استاد محترم نے میرے نامکمل کام کو پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مناسب خیال کیا تو بڑی شفقت سے مجھے تحقیق کے کام پر لگا دیا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں اپنا مقالہ مکمل کر لوں گا اور خاطر خواہ حد تک نہ سہی لیکن کسی نہ کسی طرح میں نے اپنے مقالے کو منصوبہ بندی کے مطابق مکمل کر لیا۔ میرے ایک دوست نے اسے نقل کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اب تم وائس چانسلر کے نام ایک لیٹر لکھو اور اس مقالے کی تجدید کی اجازت چاہو، میں اسے وائس چانسلر کو اپنے ریمارکس کے ساتھ بھیج دوں گا، وائس چانسلر صاحب تمہارے دوست ہیں اور تمہیں کھڑے کھڑے تجدید مقالہ کی اجازت دلوا دیں گے۔ میں شیخ ایاز صاحب کے پاس گیا اور انہوں نے پرانے کاغذات پیش کرنے کی ہدایت کی تو معلوم ہوا کہ میرے پی۔ ایچ۔ ڈی کے سلسلے میں کوئی فائل ہی موجود نہیں ہے وہ شعبہ متعلقہ کی کارگزاری پر بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے یہ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ ان کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی اجازت دی گئی تھی اور فوراً اس کی تجدید کا حکم نامہ تیار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے اس طرح انہوں نے تجدید کی اجازت دے دی اور ڈاکٹر صاحب نے ممتحنوں میں خاص طور سے ڈاکٹر ابو الیث صدیقی کو مقرر کیا اور مجھے کچھ دنوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری مل گئی۔ میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی اس مستقل مزاجی کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا کہ انہوں نے کوئی لمحہ

ایسا فروگزاشت نہیں کیا جب انہوں نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کو مکمل کرنے کے لیے مجھے آمادہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ حالاں کہ ان کی اس کوشش میں، میری طرف سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوتا تھا، اس لیے کہ میں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کو مکمل کرنے کا ارادہ ہی ترک کر لیا تھا۔ لیکن آج میں سوچتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ استاد محترم ڈاکٹر رضی الدین صاحب کی ناخوشنودی کے مقابلے میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی مسلسل یاد دہانیوں کو میرے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کی تکمیل میں کوئی کم اہمیت حاصل نہیں ہے۔

میری ڈاکٹر نجم الاسلام سے قربت کا ایک نیا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے شعبہ اردو سے ایک رسالہ ”تحقیق“ کے عنوان سے جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اب میں ان کی خدمت میں خاصا گستاخ ہو چکا تھا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے یہ فیصلہ سنا رہے ہیں یا مجھے اس قابل سمجھ رہے ہیں کہ آپ کو اس بارے میں کچھ رائے دے سکوں تو انہوں نے فرمایا کہ دونوں باتیں سمجھ لیجئے تو میں نے اپنی عادت کے مطابق ان سے یہ کہا کہ آپ ”تحقیق“ کو چھوڑیے اور جو رسالہ نکالیں وہ تخلیق سے متعلق ہونا چاہیے اور اگر آپ اسے تحقیق سے قریب رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا نام تنقید رکھ دیجئے بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ تحقیق ذہین سے ذہین طالب علم کو ٹھس بنادیتی ہے۔ اور تخلیق و تنقید کے دروازے اس پر بند کر دیتی ہے تو وہ حسب عادت زیر لب مسکرائے اور انہوں نے میرا منہ بند کرنے کے لیے فرمایا کہ اس بات پر غور کیا جاسکتا تھا لیکن اب تو میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی منظوری لے چکا ہوں اور اس کے خلاف ان سے گفتگو کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا۔ میں خاموش ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ڈاکٹر صاحب اردو کے مذہبی ادب کے متعلق اپنا ایک مفصل مقالہ کتابلی صورت میں چھپوا چکے تھے اور انہوں نے سندھی کے ایک مشہور شاعر اور بزرگ لواری والے خواجہ محمد زمان کے ابیات کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا تھا اور منتخب فارسی اشعار کا اردو میں منظوم ترجمہ دو آہنگ کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ یہ دونوں کتابیں انہوں نے مجھے مرحمت فرمائی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے شاہ عبداللطیف بھٹائی ”کے بزرگ بلوچی والے شاہ کریم کے سندھی ابیات کا منظوم ترجمہ کیا اور وہ شائع ہوا تو وہ بھی انہوں نے مجھے مرحمت کیا اور یہ لڑاکا اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کتابوں پر تبصرہ کر دیں۔ میں نے وعدہ کر لیا اور تینوں کتابوں پر تبصرہ کر کے ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ترجموں کے محاسن کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کو دہرانے کی ضرورت تو



نہیں ہے البتہ چند باتیں ایسی تھیں جن کو میں یہاں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ ترجمے اور اس سے متعلقہ دوسری خصوصیات سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً میں نے لکھا تھا کہ شاہ لطیف اور ان بزرگوں کی شاعری ابیات کی صورت میں ہے، اور اگر اردو میں انہیں ابیات کی بحر اور ابیات کے اسلوب میں اردو نظم میں پیش نہ کیا جائے تو اس میں کوئی اثر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال میں نے اس وقت کے شاہ عبداللطیف کے کلام کے اردو منظوم ترجموں کو مثال میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے اکثر ترجمے بہ ظاہر ٹھیک معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں اصل کی تاثیر مفقود ہے۔ میں نے خود شاہ عبداللطیف کے بعض ابیات کا اردو ابیات میں ترجمہ کیا ہے تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ سندھی شعراء کے ابیات کا ترجمہ اگر اردو ابیات میں نہ ہوگا تو اس میں کوئی تاثیر پیدا نہ ہوگی۔ اس کی وجہ ایک تو ابیات کا مخصوص وزن ہے اور دوسرے اس کا وہ اسلوب ہے جو اصل کے بحر اور وزن سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اگر کوئی شاعر خواجہ محمد زمان اور شاہ عبدالکریم کے سندھی ابیات کا ترجمہ اردو ابیات میں کرے گا تو وہ مقابلتہ زیادہ کامیاب ہوگا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ نجم الاسلام صاحب کے ترجمے اقل کے قریب ترین ترجمے ہونے کے باوجود ذاتی طور پر مجھے بہت کامیاب ترجمے معلوم نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ جو دوسری بات میں نے کہی تھی وہ یہ تھی کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے خواجہ محمد زمان اور بلدی والے شاہ عبدالکریم کے تین مصرعوں کے ابیات کو مثلث کہا تھا جو میرے نزدیک نہ صرف یہ کہ درست نہیں تھا بلکہ اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مترجم کے ذہن میں اردو نظم میں تین مصرعوں کی اصناف کا تصور واضح نہیں ہے جب میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے یہ کہا کہ آپ تین مصرعوں کے ابیات کو مثلث کیسے کہہ سکتے ہیں تو انہوں نے ایک عجیب استدلال پیش کیا فرمانے لگے کہ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی بیوہ نے تین مصرعے کی نظم کو مثلث ہی کہا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ اگر غلط بات مسعود حسن رضوی ادیب بھی کہیں تو اس کو بھی نہیں مانا جاسکتا اور آپ ان کی تنقید کی سند پیش کر رہے ہیں، جن کا ادب میں کوئی مقام نہیں ہے تو میں نے محسوس کیا کہ انہیں میری یہ بات پسند نہیں آئی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کبیدہ خاطر ہوں تو میں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ عالم و فاضل میں، استاد ہیں۔ ادبی مسائل کو شاید مجھ سے بہتر سمجھتے ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شاید آپ نے اس موضوع پر غور نہیں کیا کہ اردو شاعری میں تین تین مصرعے کی کئی اصناف موجود ہیں ان میں سے چند ایسی ہیں جو دوسری زبانوں کی شاعری سے مستعار لی گئی ہیں۔ بیت کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی صنف ہے جس کے لیے رباعی کی

رح وزن کی بھی قید ہے ایک اور صنف ہے جس کو ماہیا کہتے ہیں جو پنجابی شاعری سے مستعار ہے یہ  
ی تین مصرعوں کی صنف ہے اس کا بھی ایک مخصوص وزن ہے۔ اس کے علاوہ اس کا درمیانی  
مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرع کے مقابلے میں تھوڑا سا طویل ہوتا ہے۔ اس میں پہلے اور تیسرے  
مصرع میں قافیہ ہوتا ہے۔ یہ ایک لوک گیتوں کی موسیقی کی صنف بھی ہے۔ اور موسیقی کی ایک  
قبول صنف ہے۔ ایک اور صنف جو اب اردو میں عام ہوتی جا رہی ہے وہ جاپانی شاعری کی ہائیکو ہے جو  
مصرعوں کی ایک خاص ترتیب رکھتی ہے۔ جس کو ہم الف ب الف کہہ سکتے ہیں۔ یعنی پہلے اور  
تیسرے مصرعے کا قافیہ ایک ہو اور درمیان کا مصرع آزاد ہو۔

بعض شعراء دوسرے مصرع میں ایک یا دو رکن بڑھا بھی دیتے ہیں۔ تین مصرعوں کی  
یک اور صنف ہے جس کے متعلق تفصیلی گفتگو بہ وجوہ یہاں نہیں کی جاتی اور جس کے متعلق ڈاکٹر  
نجم الاسلام صاحب نے کافی گفتگو کی اور جس کو سمجھنے کی کوشش کے باوجود انہوں نے سند چاہی تو میں  
نے ان کی خدمت میں ایک کتاب پیش کر دی تو وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے مجھ سے اجازت چاہی  
کہ اس کتاب کی فوٹو کاپی اپنے پاس رکھ لیں۔ مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں نے مثلث کے  
سلسلے میں ایک بار پھر بڑی جسارت کر کے گفتگو کا آغاز کیا اور اپنے اس شبہ کا اظہار کیا کہ شاید انہوں  
نے مثلث پر بہ حیثیت صنف غور نہیں کیا ہے اور میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں  
تو اصناف کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں، ان کے متعلق کچھ عرض کروں، میں  
نے محسوس کیا کہ وہ میری اس جسارت پر کسی حد تک کبیدہ خاطر ہوئے مگر بہت مہذب اور نرم  
مزاج انسان تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ کہیں، میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں، مجھے ایک استاد کے  
سامنے ایک نہایت معمولی موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے کسی حد تک شرمندگی بھی تھی مگر میں  
نے عرض کیا کہ حضرت یہ اصناف کا سلسلہ ہمارے یہاں عربی سے فارسی میں ہوتا ہوا آیا ہے اور  
ایرانی اساتذہ نے موجودہ دور کے مزاج کے مطابق اور عربی زبان کی خصوصیات کے مد نظر یہ بیان  
کیا ہے کہ ہماری اصناف دو قسموں پر مشتمل ہیں۔ شاعری کی سب سے مختصر صنف مصرع ہے اور  
صرف کھل مصرع بہت کم شعراء نے کہے ہیں۔ دو مصرعوں کی صنف مثنوی ہے جو کسی ایک بحر  
میں دونوں مصرعوں میں قافیہ کی قید سے مصرعوں کی تعداد میں بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس  
میں طویل قصے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ اس میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ دو مصرعوں کی ایک  
اور صنف ہے جس کو دوہا کہتے ہیں۔ جو پنگل یعنی ہندوستانی عروض کے وزن کے مطابق ہوتی ہے۔

کچھ عرصے سے جمیل الدین عالی صاحب نے ایک دوسری بحر میں دوہے لکھے ہیں جس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ میری گزارش یہ تھی کہ نہ ایک صنف کے دو نام ہو سکتے ہیں اور نہ دو صنفوں کا ایک ہو سکتا ہے۔ اگر اصناف علیحدہ ہیں تو ان کے نام بھی علیحدہ ہونے چاہئیں۔ عالی جی نے اپنے دو ہوں کو عالی چال کہا ہے، جس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پہلے میرا یہ خیال تھا کہ عالی جی کے دو ہوں کو دو ہروں کا نام دیا جاسکتا ہے جو دوہے کا ہی ایک قدیم نام تھا جو اب مستعمل نہیں ہے۔ یہی صنف دو ہر اسندھی شاعری میں ان کے اپنے لہجے اور زبان کے مطابق ”ڈوہیڑو“ کہلاتا ہے۔ لیکن اب میں نے اس میں تھوڑی سی ترمیم کر لی ہے اور میں اسے ”عالی چند“ کہنا پسند کرتا ہوں اور چند کے معنی پنگل کے مطابق بحر یا وزن کے ہیں۔ باقی جو اصناف ہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ایرانی اساتذہ قواعد نے ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ ایک عام عنوان اصناف کا مقرر کیا ہے جس کو وہ مسطہ کہتے ہیں۔ جس کے معنی ایک سے زیادہ مصرعوں کے بندوں (Stanzas) کا سلسلہ ہے۔ اس میں پہلی صنف مثلث ہے، جو تین مصرعوں کی ہے۔ چار مصرعوں کی صنف کو مربع کہتے ہیں۔ پانچ مصرعوں کی صنف کو مخمس اور چھ مصرعوں کی صنف کو مسدس کہتے ہیں۔ یہ سب مسطہ کی قسمیں ہیں۔ ان اصناف کے بندوں میں چھ سے زیادہ مصرعے بھی ہو سکتے ہیں، یہاں تک کہ لوگوں نے معر یعنی دس مصرعوں کی اصناف تک کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے کو مختصر کرنے کے لیے دو اور صنفیں مقرر کی گئی ہیں، جن میں سے ایک کو ترکیب بند کہتے ہیں اور دوسری کو ترجیع بند کہتے ہیں جن میں مذکورہ بالا اصناف کی طرح قافیہ دو تین چار پانچ چھ یا اس سے زیادہ مصرعوں میں آتا ہے۔ اور اخیر کا شعر مختلف ردیف و قافیے میں ہوتا ہے، جس کو شیپ کا مصرع کہتے ہیں۔ اور ترجیع بند میں شیپ کا شعر ہر بند میں دوہرایا جاتا ہے۔ میں نے اس طول کلام کی معذرت چاہتے ہوئے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے دریافت کیا کہ کیا میں اب آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سلسلہ اصناف میں دو مصرعوں کی صنف میں غزل اور قصیدہ بھی شمار کی جاسکتی ہے، جن میں اور اصناف کی طرح مطلع اور مقطع بھی ہو سکتا ہے۔ میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا آپ غزل کے ایک شعر کو غزل اور قصیدے کے ایک شعر کو قصیدہ کہہ سکتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں، میں نے ان سے کہا کہ پھر آپ مثلث کے ایک بند کو مثلث کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ مثلث تو صنف کا نام ہے۔ پھر آپ اسے مثلث کیسے کہہ سکتے ہیں۔ میں نے یہ رام کہانی اس لیے بیان کی کہ میں آپ سے یہ عرض کر سکوں کہ تین مصرعوں کی صنف مثلث میں

کئی بند ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے کسی ایک بند کو مثلث نہیں کہا جاسکتا۔ مجھے یہ خیال تھا کہ شاید ڈاکٹر صاحب کی کبیدہ خاطری میں اضافہ ہو جائے گا مگر انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ واقعی اس سلسلے میں میرا ذہن صاف ہو گیا ہے تو میں نے ایک اور جسارت کی اور معذرت کرتے ہوئے ان سے عرض کیا کہ جب موقع آہی گیا ہے تو ایک اور عام مغلطے کا ذکر کر دیا جائے۔ میں نے ایک مشہور استاد کو غزل کے انداز میں کہی ہوئی نعت کو نعت اور مسدس میں کہے ہوئے مرثیے کو مرثیہ کہتے ہوئے سنا تو میں نے ان سے سوال کیا کہ صاحب کیا آپ ان کو غزل اور مرثیے کے اصناف سمجھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے۔ میں نے کہا میرے اعتراض سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن اصناف کی نوعیت کو جاننے والے لوگ آپ سے اتفاق نہیں کریں گے اور وہ یہ کہیں گے کہ یہ اصناف نہیں موضوعات ہیں۔ نعت ایک موضوع ہے جو غزل میں بھی کہا جاسکتا ہے اور دوسری اصناف میں بھی۔ مثلاً محسن کا کوروی نے نعت مثنوی میں کہی ہے، مولانا حالی نے نعت مسدس میں کہی ہے میر اور سودا کے عہد میں مرثیہ مثلث اور مخمس میں بھی لکھا گیا ہے اور غزل کی صنف میں بھی۔ علامہ اقبال نے شکوہ لور جو اب شکوہ مسدس میں لکھا ہے۔ میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اصناف اور موضوعات میں فرق کرنا سیکھ جائیں۔ میری بات کی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے تصدیق کی لیکن اس کے باوجود ان کے منظوم ترجموں پر فرمائش کے طور پر لکھوایا ہوا میرا مضمون نہ تحقیق میں چھپا لور نہ کسی اور رسالے میں۔ غالباً انہوں نے اس طویل گفتگو کو شکایت پر محمول کیا ہوگا۔ فرمایا کہ ایک دوست مجھ سے وہ مضمون لے گئے تھے کہ میں اپنے رسالے میں چھاپوں گا لیکن وہ مضمون نہ ان کے رسالے میں چھپا اور نہ انہوں نے مجھے واپس کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا یہ تبصرہ ضائع ہو گیا۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ میرا قطعاً یہ مقصد نہیں تھا کہ میں اکثر دوستوں کی فرمائش پر ہی لکھتا ہوں اور چوں کہ میں خود کو شاعر یا انشا پرداز نہیں سمجھتا اس لیے مجھے اپنے مضمون اور اپنی منظومات کے نہ چھپنے اور ضائع ہو جانے کا رنج بھی نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کو یہ معلوم تھا کہ میں ہفتے میں دو دن رات کے آٹھ بجے اپنے دوست محمود صدیقی صاحب سے ملنے جاتا ہوں کچھ اور لوگ بھی آجاتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کو یہ معلوم تھا اور وہ مجھ سے پندرہ بیس دن میں ایک بار آکر وہیں مل لیتے تھے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب مہینے میں ایک دو بار ضرور ملتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ہفتے میں ایک دو دن اپنے دوست محمود صدیقی صاحب کے یہاں جاتا تھا، ڈاکٹر صاحب ان کے مکان کے

قریب ہی رہتے تھے مہینے میں کم از کم دو بار ضرور ملتے تھے۔ تقریب ملاقات، رسالہ ”تحقیق“ ہوتا تھا وہ اکثر مجھے کوئی کتاب تبصرے کے لیے دے دیتے تھے، یا رسالہ ”تحقیق“ کا کوئی نمبر۔ میں ان کی فرمائش پوری کر دیا کرتا تھا۔ خود ان کی کتابوں پر بھی میں نے تبصرے کیے۔ جو اکثر ”قومی زبان“ میں شائع ہوئے۔ اور ایک آدھ مضمون اسلام آباد سے شائع ہونے والے فارسی رسالے ”دانش“ کے حصہ اردو میں شائع ہوا۔ یہ مضمون دانش کے غالباً دو شماروں سے متعلق تھا۔ اس کی نہایت ہی خستہ اور تقریباً قابل فہم ٹائپ کاپی میرے پاس بھیجی گئی میں نے وہ دیکھ کر انھیں واپس کر دی کہ آپ میرے حوالے سے اسے رسالہ دانش کے مدیر مرحوم ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی کو بھیج دیں۔ درمیان میں نامعلوم ان کاغذات کے ساتھ کیا ہوا کہ ان کے صفحات گڈ ہو گئے۔ میری طرف سے جو مضمون دانش کے لیے جاتا تھا، وہ اسے آنکھ بند کر کے چھاپ دیتے تھے۔ چنانچہ یہ مضمون جس طرح انھیں ملا تھا، شائع ہو گیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر صفحہ ایک کے بعد صفحہ تین اور صفحہ تین کے بعد پانچ اور اسی طرح سے بے ترتیب صفحات چھاپ دیے جائیں تو مضمون کا کیا حال ہوگا۔ بہر حال وہ مضمون جیسا تھا، چھپ گیا، میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ خدا جانے ڈاکٹر صاحب نے مطبوعہ مضمون پڑھایا نہیں؟ لیکن جیسا بھی تھا اس مضمون کی ایک اہمیت یہ تھی کہ اس میں ڈاکٹر صاحب کے ایک تحقیقی مضمون کا حوالہ آگیا تھا۔ یہ مضمون دولت رائے کی ایک بیاض سے متعلق تھا جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں تھا۔ اس میں کہیں لکھا تھا کہ فلاں کھوڑا سردار نے کسی کو یہ لکھا تھا کہ فلاں ڈو کر اکیس گیا ہے یا کوئی اسی قسم کی بات تھی جس میں لفظ ڈو کرا آیا تھا۔ یہ میرے نزدیک سندھ کی تاریخ کا ایک اہم حوالہ تھا اور ہے جس کے متعلق تحقیق ضروری ہے۔ میں نے کبھی سندھ کے اور بہاول پور کے دلود پوٹوں اور دلود پوتروں کے متعلق کسی ضرورت کے تحت تاریخی معلومات حاصل کی تھیں تو مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ دلود پوٹو کا یہ خاندان ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان سے ہوتے ہوئے بہاول پور اور سندھ کی طرف آیا تھا اور یہاں انھوں نے حکمرانوں کی صورت اختیار کر لی تھی اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انھوں نے خود کو عباسی کہنا شروع کر دیا تھا آج یہ دونوں خاندان عباسی ہی کہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہاول پور کے حکمرانوں نے تو اپنے آپ کو عباسی خلفاء کا جانشین سمجھ لیا تھا اور بہاول پور میں ایک شہر ”بغداد الجدید“ بھی آباد کیا تھا۔ سندھ کے عباسیوں کے متعلق میری معلومات کچھ اس سبب سے بہتر تھیں کہ سندھ کی تاریخ سے میرا تعلق قریب کا تھا۔ میں نے اپنے تبصرے میں لکھا تھا کہ ڈو کر کا لفظ دراصل ”ڈوگرے“ کے معنی میں لکھا گیا ہے، جو ایک قوم ہے اور

آج تک پنجاب کے اس حصے میں موجود ہے جو کشمیر کے اس حصے میں موجود ہے جو جموں کہلاتا ہے۔ بلکہ کشمیر کا آخری حکمران بھی ”ڈوگرا“ تھا۔ اور قیاس کہتا ہے کہ یہ لوگ ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ البتہ میں اس وقت یہ لکھنا بھول گیا تھا کہ اردو اور فارسی املا میں ک اور گ کا کوئی فرق ظاہر نہیں کیا جاتا تھا اور اب میرا یہ خیال ہے کہ اسی وجہ سے لکھنے والے کا مقصد ڈوگرا نہیں ڈوگرا تھا۔ البتہ میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے گفتگو کے دوران یہ کہا تھا کہ سندھ میں ایک قصبہ ڈوگری بھی ہے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ ڈوگری کو سندھ میں ڈوگرا کہا جاتا ہو گا یا نہ کو رہ عباسی شخص نے ڈوگری کو ڈوگرا ہی لکھا ہو گا۔ میں نے اس میں جادو نا تھ سرکار کا حوالہ بھی دیا تھا کہ وہ بھی ڈوگری سے مراد ڈوگرا ہی لیتا ہے۔

میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ داؤد پوٹے جب سندھ میں آئے تو وہ Mendicants یعنی فقیر (مانگنے کھانے والے) تھے۔ جب میرا یہ مضمون چھپا تو مجھے حیرت ہوئی کہ جہاں ڈوگری کا ذکر تھا، وہاں ڈاکٹر صاحب نے پاورق میں ادارے کی طرف سے یہ لکھا تھا کہ سندھ میں ایک مقام ڈوگری بھی ہے۔ جس پر مجھے کچھ تعجب بھی ہوا تھا۔ اس لیے کہ میں نے خود اس کا ذکر ڈاکٹر صاحب سے کیا تھا اور مضمون میں لکھنا ضروری نہ سمجھا تھا۔ کافی عرصے کے بعد سندھ ہی کے ایک پروفیسر کا بہت غصے میں بھرا ہوا ایک خط مجھے ملا اور انہوں نے میرے متعلق ایسے سخت اور گریے ہوئے الفاظ لکھے تھے کہ میں ان کو دہرانا مناسب نہیں سمجھتا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ میرا خاص مضمون سندھ کے عباسی خاندان پر ”تحقیقات“ ہے اور میں نے کہیں یہ بات نہیں پڑھی جو آپ نے لکھی ہے۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ میں نے تنگ نظری اور تعصب سے عباسی خاندان کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میرے پاس کوئی ثبوت ہو تو پیش کروں۔ ان کے خط کا لب و لہجہ اتنا گرا ہوا اور غیر ادبی تھا کہ پہلے میں نے سوچا کہ اس کا جواب نہ دوں پھر خیال آیا کہ یہ تو ایسی ہی بات ہوگی کہ گویا کہ میں نے بھی علمی موضوع سے متعلق وہی رویہ اختیار کیا ہے جو ان کا ہے۔ چنانچہ میں نے ان کو لکھا کہ حضرت آپ پروفیسر ہیں اور میں ایک شاگرد قسم کا آدمی ہوں، آپ نے جس لہجے میں مجھے خط لکھا ہے، جی تو چاہتا تھا کہ اس کا جواب نہ دوں لیکن ایک پروفیسر کے احترام نے مجھے باز رکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ کیسے محقق ہیں کہ آپ کو بیاد دی باتیں بھی معلوم نہیں ہیں اور اس کے باوجود اس موضوع پر خود کو محقق سمجھتے ہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں عام منابع کا مطالعہ فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو علمی موضوعات پر غیر علمی لب و لہجہ اختیار نہ فرمائیں۔ آگے آپ

جیسا مناسب سمجھیں۔

کچھ عرصے کے بعد مجھے ان کا خط ملا جس میں انہوں نے رسماً کچھ ایسے جملے جن کو معذرت تو نہیں کہا جاسکتا مگر درخواست کی تھی اگر آپ میری رہ نمائی کرنا چاہیں تو مجھے کچھ حوالے بتادیں تاکہ میں اپنی معلومات کو اگر وہ درست نہیں ہیں تو وہ درست کر لوں۔ میں نے لکھا کہ تمام منابع کا حوالہ دینا تو فی الحال ممکن نہیں ہے نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ البتہ آپ کی یا کسی بھی شخص کی تفسی کے لیے اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ ہی نے کیا بڑے بڑے لوگوں نے جو خود کو محقق کہتے ہیں ابھی تو سورلے کی کتاب ”شاہ عبداللطیف آف بھٹ“ کا مطالعہ بھی نہیں کیا ہے اور مجھے تو اس کا بھی یقین نہیں ہے کہ یہ کتاب آپ کے پاس موجود ہوگی۔ اس لیے اس کا حوالہ میں مع صفحہ نمبر کے آپ کو لکھتا ہوں کہ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کھوڑے سندھ میں مانگتے کھاتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد کسی بزرگ کے مریدوں میں داخل ہوئے اور اپنا کاروبار چکا لیا اور سیاسی اثر حاصل کرتے چلے گئے تا آنکہ اورنگ زیب کے عہد میں انہوں نے مغلیہ سلطنت کی مہربانی سے سندھ میں حکومت کی اجازت حاصل کر لی۔ میں نے احتیاطاً اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ میں تاریخ کا طالب علم نہیں ہوں، اس لیے سندھ کے ماہرین تاریخ سے درخواست ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی تحقیقات پیش کریں۔ پروفیسر مذکور نے چوں کہ سندھی میں خط لکھا تھا اس لیے ان خطوط کے جواب میں نے سندھی میں دیے تھے اور ان کی نقل اپنے پاس رکھ لی تھی۔ بہر حال اب یہ معاملہ ماضی کی امانت ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے مجھ سے تاریخی حوالے دریافت کیے جو میں نے جتہ جتہ عرض کیے اور ان سے کہا کہ میں چوں کہ لسانیات کا طالب علم ہوں، اس لیے ڈوگروں سے متعلق میری معلومات فی الحال History of Dogri Language and Literature سے ماخوذ ہیں۔ وہ اکثر مجھ سے حوالے کی کتابیں لے کر پڑھ لیا کرتے تھے۔ لیکن اس کتاب کے متعلق مجھ سے کہا کہ میں کسی وقت آپ سے کتاب لے کر پڑھ لوں گا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے گفتگو میں کسی قدر آزادی بھی اختیار کر لیا کرتا تھا۔ اس لیے میں نے ان سے کہا کہ حضرت! میں ہمیشہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں لیکن آپ اگر مجھے حیثیت تبصرہ نگار پیش نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے آپ سے ”دوہے“ سے متعلق آپ کا مفصل مضمون لیا تھا اگر آپ اجازت دیں تو جس سیاق و سباق میں وہ مضمون لکھا گیا ہے اسے نظر انداز کر کے میں ایک مضمون کی صورت دے لوں اور اسے

”تحقیق“ میں شائع کر دوں۔ میں نے کہا کہ حضرت! میں تو خود کو سرے سے لکھنے والا ہی نہیں سمجھتا اور جو مضمون لکھا گیا اور وہ میرے پاس سے نکل گیا وہ جس کے پاس ہے اس کی امانت ہے تو وہ اپنی ذمہ داری سے جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔ یہ مضمون انہوں نے شائع کیا لیکن اس میں خاصی اغلاط رہ گئیں، خاص طور سے ان دو ہوں میں جو دوہے کے وزن اور تکنیک سے متعلق لکھے گئے ہیں۔ ان میں بعض ایسی غلطیاں رہ گئی ہیں کہ معاملہ (غتر بود) ہو گیا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر نجم الاسلام نے مجھے ڈاکٹر منظر محمود شیرانی کے ڈاکٹریٹ کے تھیسس کا پہلا حصہ دیا جو انہوں نے اپنے دادا حافظ محمود شیرانی کے تحقیقی کام کے جائزے کے سلسلے میں دو جلدوں میں مرتب کیا ہے اور جس پر انہیں پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ یقیناً یہ کتاب ڈاکٹر منظر محمود شیرانی کی تحقیق کا ایک اعلیٰ نمونہ اور ان کے دادا مہتمم بالشان کی تحقیق کے شایان شان ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اس پر کوئی مسبوط مضمون چاہتے تھے مگر میں نے اردو زبان کے سلسلے میں صوتیاتی تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے حافظ محمود شیرانی اور ڈاکٹر گریسن سے اس مختصر مضمون میں اختلاف کیا جو تحقیق میں شائع ہوا۔ میں نے اپنے مختصر تبصرے میں لکھا کہ بلاشبہ حافظ محمود شیرانی جیسا محقق اردو زبان میں اب تک پیدا نہیں ہوا اور کسی بھی معیار کو سامنے رکھا جائے تو حافظ محمود شیرانی کو ایک عظیم محقق ہی قرار دیا جائے گا، ان کی نظر ایسے غیر اہم معاملات کی طرف جاتی تھی، جن کو بڑے بڑے محققین نظر انداز کر دیتے تھے اور جو انہوں کی تحقیق کو ایک بلند مقام دیتے ہیں۔ مثلاً کتاب کے پہلے حصے میں جو زیر تبصرہ تھی، انہوں نے لکھا تھا کہ حافظ محمود شیرانی نے اردو کے قدیم ترین مکتبوں کا ذکر کیا ہے، جن کا حوالہ ان کے علاوہ کہیں نہیں ملتا۔

وہ لکھتے ہیں کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب اردو زبان کو گوجری، یا گجری کہا جاتا تھا اور صوفیاء اپنے رسالے اس زبان میں مرتب کرتے تھے، ان صوفیاء میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو، جون پور کے ان بزرگ کے پیروں میں سے تھے جو خود کو مہدی کہتے تھے۔ انہوں نے دو مکتبوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک ان مہدوی مصنفین و شعراء کی تحریروں پر مشتمل ہے جو ریاست جے پور میں دائرے کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ ان لوگوں کی زندگی دعویٰ مہدویت کی وجہ سے مفلوک ہو گئی تھی اور لوگ ان سے بدظن تھے اور یہ دور افتادہ مقامات پر سکونت اختیار کرتے تھے اور آپس میں اس دور کی اردو زبان میں نظم و نثر کا جاولہ کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ جہاں آباد ہوتے تھے یا قصبے کا نام دائرہ رکھتے تھے۔ پاکستان میں بھی ڈیرہ غازی خان کے قریب ”دائرہ دیں پناہ“ انہیں



لوگوں نے آباد کیا تھا جو آج تک موجود ہے۔ ریاست بے پور میں دائرے کے مقام پر ان کی خان قاہ ہے، اس میں ان کی کچھ مثنویاں اور نظمیں جو اس دور کی گوجری یا اردو زبان میں ہیں، قیام پاکستان تک موجود تھیں اور امکان ہے کہ اب بھی وہاں موجود ہوں، یہ اردو کی قدیم ترین تحریری دستاویز ہیں جنہیں محمود شیرانی صاحب نے اردو کا ایک قدیم ترین مکتبہ قرار دیا ہے۔ دوسرا مکتبہ انہوں نے ہریانے کے علاقے میں دستیاب اردو کی تحریروں کی وجہ سے اس علاقے کو قرار دیا ہے یہ یقیناً کسی بھی محقق کے لیے مفید اور تعجب انگیز معلومات ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اکثر مجھ سے کرید کرید کر کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتے تھے، ایسی صورت میں اپنی عادت کے خلاف کچھ زیادہ ہی گفتگو کرتے تھے۔ ایک بار دلی کے مولوی عبدالسلام نیازی کے متعلق بہت سے لوگوں کے مضامین کا انہوں نے ذکر کیا، جن میں مولوی صاحب کی عجیب و غریب عادات اور روش زندگی کا بیان کیا گیا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب کو قریب سے جاننے والا ان مضمون نگاروں میں کون ہوگا؟ میں نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ جتنے قریب سے میں نے مولوی عبدالسلام نیازی کو دیکھا ہے، بہت کم لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ محسن سے پچیس چھبیس سال کی عمر یعنی قیام پاکستان تک میں ان کی صحبتوں میں شریک رہا اور ہر چند کے محسن کا زیادہ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ میں بہت پابندی سے ان کی محفلوں میں شریک نہیں ہوتا تھا پھر بھی حاضری ضرور ہوتی تھی۔ سب سے پہلا مضمون میرے دوست مرحوم اخلاق احمد دہلوی نے لکھا تھا جو، مولوی عبدالسلام نیازی سے متعلق میری دو تین طویل نشستوں کے بعد لکھا گیا تھا۔ یہ پہلا مضمون تھا اس کے بعد تو ان گنت مضامین لکھے گئے، جن میں واقعات کا اعادہ زیادہ ہے اور ایسے کم لوگوں کے مضامین ہیں جن کو مولوی صاحب کی خدمت میں باریابی حاصل تھی۔ میری دانست میں، میرے دوست سید مسعود حسن شہاب دہلوی جو بہاول پور میں مقیم ہیں اور رسالہ ”الزمیر“ کے مدیر تھے وہ مولوی عبدالسلام نیازی کے شاگرد رہے ہیں۔ لیکن ان کی تعلیم درسیات تک محدود ہے۔ مولوی صاحب کی گفتگو ایسی نہ ہوتی تھی جو علمی نہ ہو۔ میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے یہ کہا کہ جو لوگ مولوی عبدالسلام صاحب کو قریب سے جانتے ہیں ان میں سے کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ ان کے متعلق مضمون لکھے۔ چنانچہ میں نے خود کوئی مضمون نہیں لکھا اور میری گفتگو کو میری مرضی کے خلاف اخلاق احمد دہلوی صاحب نے مضمون کی صورت دے کر پہلے کسی رسالے میں اور پھر اپنی کتاب ”پھر وہی میاں اپنا“ بھی شائع کر دیا۔ میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے کہا کہ یہ مضامین، مولوی صاحب کی

روزانہ زندگی اور انداز گفتگو اور مزاجی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن ان سے مولانا کے علمی مرتبے کا کوئی اظہار نہیں ہوتا۔ یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے آج کل کوئی اسرار الحق مجاز کی شاعری پر گفتگو نہیں کرتا سب اس کے لطیفے بیان کرتے ہیں۔ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر آپ کے ذہن میں ایسی کچھ باتیں ہوں تو بتائیے تاکہ معلوم ہو کہ وہ کیسے تبحر عالم تھے۔ میں نے چند واقعات اور چند نکتے جو اس وقت میرے ذہن میں آئے بیان کر دیے اس پر انہوں نے کہا کہ اب تو آپ کے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ مولانا عبدالسلام نیازی کی شخصیت کے علمی پہلو پر ایک سیر حاصل مضمون لکھیں اور اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو لوگ مولوی صاحب کے لطائف ہی بیان کرتے رہیں گے اور ان کے علمی کمالات ہمیشہ کے لیے پردہ خفا میں چلے جائیں گے، اسکے بعد وہ مجھ سے جب ملتے مولوی صاحب کی علمی شخصیت کے بارے میں مضمون لکھنے کی فرمائش کرتے۔ آخر ایک دن میں نے ایک متوسط ضخامت کا مضمون لکھ کر انہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب میں تحقیق میں ایک گوشہ مولوی صاحب کے علمی مقام و مرتبے کے متعلق مخصوص کروں گا۔ اور اگر زیادہ مواد ملا تو ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب کے متعلق ایک نمبر نکالوں۔ یہ مضمون تقریباً ڈیڑھ سال ان کے پاس رہا اور وہ کہتے رہے کہ اسے ایک گوشے کی صورت دینے کی کوشش کر رہا ہوں، خاص طور سے یہ چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کے جن دور سالوں کا آپ نے ذکر کیا ہے اور جو اب نایاب ہیں وہ آپ سے لے کر اس گوشے میں شائع کر دوں تاکہ محفوظ ہو جائیں اسی طرح آپ نے مولوی صاحب کی ایک نثری تحریر اور ان کی شاعری کے جو نمونے دیے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ جب کافی عرصہ گزر گیا اور گوشے کی اشاعت کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو کسی طرح میرے ایک دوست کو جو ریاست بہاول پور کے رہنے والے اور حسب سرائیکی اردو ادیب ہیں، یہ معلوم ہوا کہ میں نے مولوی صاحب کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے کہ اس نے مجھے لکھا کہ میں نے، مولوی عبدالسلام دہلوی کے متعلق جتنے مضمون لکھے گئے ہیں، سب کو جمع کیا ہے، اور میرے خیال میں ایک ضخیم نمبر کسی رسالے کا مولوی صاحب کے متعلق شائع ہو سکتا ہے۔ آپ وہ مضمون فوراً بھیج دیں۔ میں نے ان کو لکھا کہ وہ ایک دوست کی فرمائش پر لکھا گیا تھا اور وہ ان کے پاس ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے مضمون واپس لینے کا سوال ہی نہیں تو انہوں نے کہا کہ مجھے ان صاحب کا پتہ لکھے میں ان سے وہ مضمون حاصل کر لوں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ڈاکٹر مجمل الاسلام صاحب بھی ان سے واقف ہیں اور انہوں نے مجھ سے دو تین کتابیں حاصل کر کے ان کی فوٹو کاپی ان صاحب کو بھیجی تھیں۔ لیکن ادلی خط

و کتات میں ان کا لوجہ سخت اور تلخ ہو جاتا تھا۔ اس لیے میں نے ڈاکٹر صاحب کا پتہ ان کو نہیں بھیجا۔ اب ان کے خط میرے نام آنے شروع ہوئے اور ایک خط میں انہوں نے یہاں تک لکھا کہ آپ کے مضمون کی وجہ سے میرے رسالے کی کتات رکی ہوئی ہے فوراً مضمون بھیجے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ بات درست نہیں ہے لیکن میں نے طے کر لیا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے وہ مضمون لے کر انہیں بھیج دوں گا۔ کیوں کہ ڈیڑھ دو سال کی مدت میں جو کام نہ ہو سکا، اس کے جلد تکمیل کو پہنچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دن میں نے ہمت کر کے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ وہ مضمون مجھے واپس کر دیجیے اس لیے کہ اب اس کے شائع ہونے کا امکان نظر نہیں آتا اور اب میرے ذہن میں بہت سی باتیں آرہی ہیں جو اس مضمون میں شامل ہونی چاہیں آپ اگر وہ مضمون مجھے واپس کر دیں گے تو شاید اس کی تکمیل کی کوئی صورت بن جائے۔ ڈاکٹر صاحب کا چہرہ یہ سنتے ہی فق ہو گیا اور رانہوں نے کہا کہ جیسی آپ کی مرضی، مضمون آپ کی ملکیت ہے۔ یہ بات ان کے دولت کدے پر ہو رہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک فائل لاکر مجھے دیا جس میں، میرا مضمون اور ترتیب سے متعلق چند حوالے اور مولانا عبدالرحمن جاتی کی کتاب ”لوائح“ کے ایک حصے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی موجود تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ اور اس کے علاوہ ایک اور نسخہ ”لوائح جاتی“ کا جو پاکستان کے قیام کے بعد شائع ہوا ہے۔ اور لوائح جاتی جو آپ نے منتخب کی ہے وہ (Winfield) کے انگریزی منظوم ترجمے کے ساتھ ہے۔ میرے پاس بھی موجود ہے اور اس کے علاوہ میرے دوست ڈاکٹر محمد حسین نسیمی نے بھی اس کا ایک بہت اچھا نسخہ شائع کیا ہے لیکن بہت سی کلاسیکی کتابوں کی طرح اس میں بھی اس کی عبارتوں اور ابواب کی تقسیم میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں مولانا عبدالسلام تیزی کے سلسلے میں یہ کتابیں مفید نہیں ہیں۔ اس لیے میں نے اسی نسخے کا حوالہ دیا ہے جو مولانا تیزی کے زمانے میں عام تھا اور میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس لیے مولانا سے متعلق میرے اس مضمون میں گنجائش تو بہت ہیں لیکن مجھے ساری باتیں بیک وقت یاد نہیں آتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی بات یاد آجائے تو اس کا لکھ لینا مناسب ہوگا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ مضمون آہستہ آہستہ مکمل ہوتا رہے گا اور میرے ایک دوسرے دوست کی فرمائش بھی پوری ہو جائے گی جو مولانا تیزی کے متعلق ایک کتاب جلدی شائع کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے یہ بات کرتے ہوئے مجھے بھی کچھ عجیب سا معلوم ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ ان کو بھی یہ خیال ہوا ہوگا کہ ڈیڑھ دو سال انتظار کرنے والا شخص پانچ سات مہینے اور انتظار نہ کر سکا۔ بہر حال مضمون انہوں نے مجھے دے دیا اور میں نے

پنے دوست کو جو ریاست بھاول پور میں رہتے ہیں، بچ دیا۔ وہاں بھی اس کا وہی حشر ہوا لیکن انہوں نے متواتر یاد دہانیاں کرا کے وہ مضمون مجھ سے کھل کر دیا ہے جو مولانا مرحوم کی علمی شخصیت کے متعلق اب تک پہلا اور آخری مضمون ہے۔ اور اس کے شائع ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اب وہ سارا مواد جو کافی محنت سے جمع کیا گیا ہے اور جس میں رتب و پائس بھی کچھ ہے ایک مشہور رسالے کے مدیر کی تحویل میں ہے اور شاید شائع بھی ہو جائے۔

میری ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے آخری ملاقات ان کے انتقال سے کوئی چند روز ہی پہلے ہوئی تھی وہ محمود صدیقی صاحب کے یہاں تشریف لائے اور خلاف معمول کافی گفتگو کرنے کے موڈ میں تھے۔ میں نے بھی مناسب جان کر کچھ باتیں جو ان سے کہنا چاہتا تھا وہ کہیں۔ آہستہ آہستہ ماحول پیدا کر کے میں نے ان سے کہا کہ حضرت آپ کا خاگر کام میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ ایسے شاگرد پیدا کرتے جو اردو زبان کی موجودہ ضروریات کے متعلق ادب، زبان اور تاریخ و ادب کے ایسے گوشوں میں کام کرتے جو اردو ادب کے دائرے سے باہر بھی اس زبان کو نہ صرف متعارف کراتے بلکہ اس کی وسعت ہمہ گیری اور اس کے امکانات کی طرف علماء و فضلاء کو متوجہ کر سکتے تاکہ یہ زبان اپنی حقیقی صورت حال میں دوسری زبانوں کے ساتھ مل کر اپنی افادیت کے دائرے میں محققین، ناقدین اور علمائے زبان کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی۔

اپنے خیال میں کچھ اپنی حدود سے شاید تجاوز ہی کر گیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ حضرت آپ نے خود بھی وہ کام کیا ہے جو دنیا میں اچھے کتاب دار (لائبریرین) کرتے ہیں اور مختلف کتب خانوں میں کتابوں کی فہرستیں جمع کر دی ہیں اور اپنے ذہین طالب علموں کو بھی اسی طرف لگا دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ذہین طالب علموں کے قتل کے برابر ہے جب کہ آپ کو چاہیے تھا کہ وہ آج کی دنیا میں اردو زبان کو ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان کی صورت میں پیش کریں اور اس کے آئندہ امکانات کے متعلق غلط فہمیاں دور کریں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ نے کیا اردو کے شاید ہی کسی شعبے نے تدریس اردو کے سلسلے میں مناسب رویہ اختیار کیا ہوگا؟ مجھے بہت افسوس ہوا کہ جب آپ کے ایک ذہین طالب علم کا وہ مضمون پڑھا جسے آپ شاید کوئی بڑا حقیقی کارنامہ سمجھیں، وہ مضمون ایک مشہور رسالے کے متعلق تھا، جس میں اقبال کے متعلق تمام شائع شدہ مضامین کی فہرست جمع کی گئی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں اس رسالے کو مسلسل پڑھتا رہا ہوں، چنانچہ میں نے آپ کے طالب علم کے مضمون میں اس چیز کی تلاش شروع کی جو میرے نزدیک واقعی تحقیق کے زمرے میں آتی ہے مگر

مجھے انتہائی تعجب ہوا کہ طالب علم تو خیر اس مقام سے سرسری گزر گیا تھا مگر آپ نے بھی یا اس توجہ نہ کی یا جو تحقیقی مقام میری نظر میں تھا وہ آپ کے علم میں نہ تھا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اس مضمون میں اقبال کے متعلق ایک حوالہ تو آیا ہے لیکن جس تحقیق کی طرف اس مضمون میں اشارہ ہے اس پر کسی کی نظر نہیں گئی۔

کچھ سال قبل جب مجھ سے مدیر "دانش" نے پاکستان کے کسی فارسی شاعر پر مضمون لکھنے کی فرمائش کی تو میں نے استاد ملتانى پر ایک مضمون لکھا جس میں یہ ثابت کیا کہ محمود شبستری کی کتاب "گلشن راز" تصوف کے متعلق چند منظوم سوالات کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ یہ سوالات حضرت امیر الحسینی نے اپنے شیخ حضرت غوث بہاء الحق ذکر یا ملتانى کی خدمت میں پیش کیے تھے اور انہوں نے انہیں محمود شبستری کی خدمت میں بھیج دیا تھا اسی طرح یہ کتاب وجود میں آئی۔ دوسری بات جو اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اسی مضمون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے گلشن راز اپنی مشہور طویل نظم گلشن راز جدید کیوں لکھی ہے اور یہ بات میرے خیال میں کسی اقبال شناس کے ذہن میں اس وقت تک نہ آئی تھی اگر آپ کو اپنے شاگردوں کو حقیقتاً تحقیق کی طرف متوجہ کرنا تھا تو ان کو یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ ایسے مضامین میں بعض اوقات ایسے مقامات آجاتے ہیں جب محقق واقع میں کوئی ایسی بات دریافت کر لیتا ہے جسے تحقیق کہا جاسکتا ہے۔ مجھے تحقیق کے سلسلے میں نہ کوئی دعویٰ ہے اور نہ میں تحقیق کو تخلیق سے بہتر سمجھتا ہوں، اس لیے اپنی رائے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا البتہ آپ سے یہ توقع ضرور وابستہ رکھتا ہوں کہ اپنے ان شاگردوں کو جنہیں آپ تحقیق کی راہ پر لگاتے ہیں، انہیں راستے کے مقامات آہ و فغان سے بھی ضرور روشناس کراتے ہوں گے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ مثال میں ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے، اس کی تفصیل میرے اس مضمون میں ہے جو استاد ملتانى کی فارسی شاعری کے موضوع پر ہے اور "دانش" کے حصہ اردو میں شائع ہوا ہے۔

اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ڈاکٹر مظہر محمود کی کتاب کا دوسرا حصہ بھی شائع ہو گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس پر بھی آپ تبصرہ لکھیں اور ڈاکٹر مظہر محمود بھی یہی چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے کہا ہے تو میں کوشش کروں گا لیکن مجھے یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ مجھے ایک تبصرہ نگار کی صورت میں پیش کرتے ہیں جو میری طبیعت اور میرے رجحان کے خلاف ہے۔ میں آج کے ان تمام تبصرہ نگاروں کی فرست میں شامل نہیں ہونا چاہتا جو تحقیق و تنقید کی کسی تعریف میں نہیں آتے بلکہ تحسین باہمی کے ایک طوفان میں گھرے

ہوئے ہیں۔ جس سے رفتہ رفتہ لوب میں ایک ایسی فضا پیدا ہو رہی ہے۔ جو ہماری زبان کو بے توجہی اور  
 پرواہی کی وجہ سے ایک ایسے مقام تک لے آئی ہے جہاں اس کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ میرے  
 نزدیک یہ صورت حاصل ان لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جو اس زبان کے نام پر قائم ہیں اور اپنا  
 مرض اس وجہ سے لوانہیں کر رہے ہیں کہ وہ پوری طرح اس کے اہل نہیں ہیں۔ وہ اردو اور فارسی  
 زبان کی بھول بھلیوں ہی میں راستہ گم کر چکے ہیں، اور اس سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں جانتے تو پھر دنیا  
 کے لوب سے کیسے روشیاں ہوں گے اور اپنی زبان و لوب کو بین الاقوامی لوب کے تناظر میں کس طرح  
 پیش کر سکیں گے اس لیے کہ آج کی دنیا میں کوئی زبان اپنے ہی دائرے میں گھوم کر راستہ تلاش نہیں  
 کر سکتی یہ صورت حال ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے اور اردو کے ذہین طالب علموں کو تحقیق،  
 تحقیق اور تنقید کے ایسے گوشوں کی طرف متوجہ کرنا چاہیے جو اعلیٰ درجے کی صلاحیتوں کے اہل نقد و  
 نظر کے منتظر ہیں اگر ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف تحقیق کے سلسلے میں لگے رہے تو تحقیق بھول گئے  
 ایک ایسی مشق کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگی کہ محقق کسی بھی مردہ شاعر اور لویب کی قبر سے کوئی ایسی چیز  
 برآمد کر کے لوب سے بے بہرہ شخص کو حیرت میں ڈال دیتا ہے جو اس لویب و شاعر تو کیا اس کی سات  
 پشتوں کے علم میں بھی نہیں ہوتی۔ یہ تو خیر ایک جملہ معترضہ تھا جو مہمانائے تفسیر طبع کہا اور نقل کیا  
 گیا لیکن یہ سوال اپنی جگہ اب بھی جواب کا منتظر ہے کہ اردو لوب کے اساتذہ اور شعبہ ہائے لوب کو اپنے  
 نصاب میں کیا تبدیلیاں کرنی ہیں جو ایسے عالم و قاضی تیار کر سکیں جو زبان اردو کے تقاضوں کو نہ  
 صرف پورا کریں بلکہ اس کے امکانات کو روشن کر کے ایک شاندار مستقبل کی عمارت دے سکیں۔

چند دن کے بعد ہی میں نے سنا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام انتقال کر گئے ہیں تو مجھے یہ خیال آیا کہ  
 ان سے میری آخری ملاقات اگر ہر ملاقات کی طرح مفصل نہ ہوتی اور میں ان سے وہ تمام باتیں نہ کرتا  
 جو گفتگو کی رو میں کر گیا تھا تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔ ہر چند کہ جو کچھ میں نے کہا وہ نیک نیتی پر مبنی تھا لیکن  
 ایک ایسے مرنجان کی مرنج اور نفیس طبع انسان کے ایسی باتوں کے لیے غالباً یہ موقع نہ تھا۔ ڈاکٹر  
 صاحب سے اگر میرا تعلق صرف کتابوں کے لینے دینے تک محدود ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ بہر حال وہ  
 اپنی طبیعت سے مجبور تھے اور میں بھی اپنی عادتیں نہ بدل سکا پھر بھی جہاں تک سوچتا ہوں میرے اور  
 ان کے تعلقات دوستانہ جولوہ خیال تک محدود رہے اور ان میں دانستہ کوئی ایسی بات پیدا نہیں کی گئی جو  
 ان کے مزاج کے خلاف ہوتی اور جیسے میری جانب سے گستاخی پر محمول کیا جاتا، پھر بھی میں سوچتا  
 ہوں تو میرے اور مرحوم ڈاکٹر نجم الاسلام کے تعلقات لوب کے دائرے ہی میں رہے۔ اور ان میں

ذاتیات کا کوئی عنصر پیدا نہیں ہوا۔ میں ان کے علم و افضل کا معترف تھا، ہوں اور رہوں گا، مگر آج کی تنقید کی طرح ان تعلقات کے دائروں کو اس کی حقیقی وسعتوں سے بڑھا کر پیش نہیں کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر نجم الاسلام سے میرے ذاتی تعلقات جس حد تک تھے میں نے انہیں بلا کم و کاست پیش کر دیا ہے اور میرا مقصد مرحوم و مغفور کی یا ان کے معتقدین کی دل آزادی ہرگز نہ تھا اور اگر میری گذارشات سے کہیں اس کا شائبہ بھی ظاہر ہو تو مجھے اس کا بڑا افسوس ہو گا اس لیے کہ اس کا مجھے ذہن میں کہیں دور دور تک امکان نظر نہیں آتا۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طیت را۔ + (محترم ڈاکٹر الیاس عشقی نے یہ کمال عنایت یہ مضمون تین نشستوں میں لکھوایا)۔



## حیرے کرم فرما! ڈاکٹر نجم الاسلام

ڈاکٹر نجم الاسلام ماہ فروری ۲۰۰۱ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور صدمہ باقی رہا۔ ان کی وفات کے دن میں حیدرآباد سے باہر تھا اور آخری ملاقات نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میرا رابطہ رسالہ تحقیق کی اشاعت کے بعد ہوا۔ ان کو جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (دام حیات) کے تلمیذ رشید ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اور بعد میں وہ علم و فضل کے اعتبار سے شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے صحیح معنوں میں جانشین بنے۔ یہ ان کے لیے دوسرا ایذا اعزاز تھا۔ رسالہ تحقیق کی تخلیق سے انہوں نے اپنے لیے تیسرا اعزاز حاصل کر لیا۔

جب سے جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے بطور پروفیسر اور صدر کے شعبہ اردو کو سنبھالا تو ان کے علم و فضل کی روشنی میں شعبہ اردو کے حالات سامنے رہے ہیں۔ میں جب وائس چانسلر ہوا (۱۹۷۳ء-۱۹۷۶ء) تو بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے میری نیاز مندی باقی رہی۔ لیکن نجم الاسلام صاحب سے متعارف نہ ہو سکا۔ حالاں کہ وہ اس سے پیشتر ڈاکٹر صاحب موصوف کے حسن انتخاب کی بنا پر شعبہ اردو میں بطور لیکچرار مقرر ہو چکے تھے۔ جنوری ۱۹۷۶ء میں میری خدمات وائس چانسلر کے عہدے سے وفاقی وزارت تعلیم کو ختم ہوئیں۔ پندرہ برس کے طویل عرصے کے بعد ۱۹۹۰ء میں جب میں (حیثیت پروفیسر 'امیر انٹس' اور اعزازی پروفیسر علامہ آئی آئی قاضی حیر) واپس سندھ یونیورسٹی آیا تو نجم الاسلام صاحب سے ملنے کا موقع ملا۔ مگر افسوس یہ کہ اس سے پہلے برسوں تک ان سے آشنائی نہیں ہوئی تھی حالاں کہ وہ سندھ یونیورسٹی میں موجود تھے۔

رسالہ تحقیق صلۃ الوصل بنا۔ ۱۹۹۱ء میں ان کی طرف سے پہلا رسمی قرطاس موصول ہوا



لور رسالہ تحقیق کے لیے مشورے طلب فرمائے۔ وہ اس رسالے کو علمی تحقیق کے بلند معیاروں آئینہ بنانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے معلوم ہوا کہ ”رسالہ تحقیق نجم الاسلام“ نے شروع کیا تھا۔ اس کا نام بھی انہوں نے تجویز کیا تھا۔ جب میں نے ایک شمارے کا مطالعہ کیا فوری طور پر محسوس ہوا کہ یہ کوئی رسمی ”ڈپارٹمنٹل جرنل“ نہیں بلکہ ایک معیاری مجلہ ہے۔ تعجب نہ ہو کہ نجم الاسلام صاحب کتنی محنت و عرق ریزی سے حیدرآباد میں جو ذخائر کتب تھے ان کا مطالعہ کر کے رسالے کے لیے اہم اردو مواد مہیا کر رہے تھے، چنانچہ جامعہ سندھ کے کتاب خانے میں محفوظ استاذ عبدالعزیز المیمنی کے ذخیرے کو، سندھی ادبی بورڈ کے کتاب خانے کو اور سندھ میوزیم میں محفوظ مخطوطات کو انہوں نے دیکھا اور غیر مطبوعہ اردو مواد کو عالمانہ انداز میں اخذ کر کے تحقیق میں منتقل کر دیا۔ ان کی اس ہمت اور بے لوث علمی خدمت سے میں بے حد متاثر ہوا۔ گویا عاقبتاً طور پر انہوں نے مجھے اپنی طرف راغب کر لیا تھا اور اب ان سے ملنے کا اشتیاق اور بوجھ۔

اتفاق سے عین اس وقت ”خبر ماوراء النہر“ والی صورت پیدا ہوئی۔ یونیورسٹی کی طرف سے رسالہ ”تحقیق“ کی طباعت و اشاعت کلنی پہلے منظور ہو چکی تھی اور مزید یہ کہ یہ رسالہ سندھ یونیورسٹی کی پریس میں ہی چھپ رہا تھا۔ تاہم دفتری آداب کلی طور پر مانع تھے کہ وقت پر کاغذ کی خریداری اور وقت پر چھپائی اور جلد بندی ہو، تاکہ رسالہ وقت پر شائع ہو سکے۔ پہلی بار ڈاکٹر صاحب میرے ہاں خاص طور پر اس لیے تشریف لائے کہ میں مدد کروں کیوں کہ نئے شمارے کے لیے کاغذ کی خریداری میں کافی تاخیر ہو چکی تھی۔ خیر یہ تو ایک مسئلہ تھا لیکن جب مزید باتیں ہوئیں تو میں نے ڈاکٹر صاحب کو سرتاپا علم و حلم پایا۔ شدید احساس ہوا کہ اپنے ملک میں صحیح علم رکھنے والوں کو علم کی خدمت کے لیے کتنی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بہر حال ایک بہانہ بنا کہ میں ڈاکٹر نجم الاسلام کو سرتاپا علم اور ان کے فضل و اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ فوری طور پر وائس چانسلر صاحب تک پہنچ کر کاغذ کی خریداری کا معاملہ تو طے کروا دیا، لیکن اشتیاق باقی رہا کہ ڈاکٹر صاحب سے مزید ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

’دل رابدل رہیست‘ ڈاکٹر صاحب نے اپنے طور پر قدم بڑھایا اور بعد میں ان سے قریبی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو آخر تک قائم رہا۔ علم کی خدمت اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ کم گو، تکلفات سے بالاتر اور تواضع سے آراستہ۔ کچھ ایسا لگتا تھا کہ رات دن مجلہ ’تحقیق‘ کے لیے معیاری علمی مواد کی دستیابی اور مجلے کی مزید ترقی و کامیابی کا سوچتے رہتے تھے۔

اس سلسلے میں انہوں نے پاکستان اور پاکستان سے باہر کے ادیبوں اور محققوں سے رابطے

قائم کیے۔ میرے ہاں جب تشریف لاتے تو اکثر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دو نامور پروفیسر صاحبان جناب ڈاکٹر نذیر صاحب اور ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب سے اپنی غلط و کلمت کا ذکر فرماتے، چوں کہ دونوں صاحبان سے میری بھی نیاز مندی تھی، میں ان سے موصول ہوئے مراسلوں اور مقالوں کے متعلق پوچھتا رہتا تھا۔ کبھی ڈاکٹر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں میرے قیام کو راستہ عبدالعزیز المیمنی کے متعلق دریافت فرماتے۔

اس طرح کی باتیں ہوتی رہتی تھیں کہ ایک دن فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو اردو میں آپ کے لکھے ہوئے مضامین کو تحقیق کے آئندہ شمارے میں شائع کر دیا جائے۔ یہ سن کر میں نے البتہ معذرت کی کیوں کہ میں سمجھ نہیں پارہا تھا کہ تھوڑا سا جو کچھ میں نے اردو میں لکھا ہے وہ اتنا قابل توجہ ہے۔ میں نے ان سے مخاطب ہو کے کہا کہ: بھائی! میں نے بہ وقت ضرورت اردو میں تھوڑا کچھ لکھا ہے اور بڑے اشتیاق سے لکھا ہے، لیکن وہ اتنا معیاری ہے بھی کہ آپ کے معیاری مجلہ 'تحقیق' کی زیب و زینت بن سکے؟ جواب میں میری تحریروں کی نشاندہی کرتے ہوئے مجھے بڑی محبت سے مطمئن کرنے لگے۔ میں ان کی علمی صداقت سے بہت متاثر ہوا اور جواب میں کہا کہ: ڈاکٹر صاحب جو آپ کی رضا! آپ کو کلی طور پر اختیار ہے کہ جو چاہیں شائع کر دیں، لور یہ بھی کہ جہاں جہاں ضروری سمجھیں اصلاح فرمادیں۔

چنانچہ انہوں نے کافی مولود جمع کر کے اس کو بڑے سلیقے سے ترتیب دے کر تحقیق کے شمارے میں "گوشہ بلوچ" کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ ان کی علم لوازی تھی کہ اس طرح مجھے اردو لکھنے والے بزرگوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ ان کا یہ احسان میرے لیے ہمیشہ کے لیے باعث افتخار رہے گا۔ اس کے بعد رسالہ تحقیق کے دوسرے شمارے (۱۲-۱۳) کے لیے میں نے خود خود مزید مولو ان کے حوالے کر دیا اور جب وہ شمارہ شائع ہوا تو انہوں نے "آف پرنٹ" بجوائے اور ساتھ ہی ایک خط لکھا جو میں نے سنبھال کر رکھا یہ اب تک میرے پاس ڈاکٹر مجتم الاسلام مرحوم کی محبتوں کی ایک یادگار ہے۔ رحمہ اللہ۔

## ڈاکٹر نجم الاسلام

۱۹۷۶ء میں جامعہ سندھ سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی سبک دوشی کے بعد پروفیسر ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی صدر شعبہ اردو کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب صدر نشین ہیں یہ دونوں اساتذہ مکرم بھی ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کے فیض رسالہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے علم، نیکی، شرافت، شریعت، اخلاص، محنت، محبت، تہذیب، شانگلی ذوق و تحقیق و جستجو کی جس روایت کی داغ بیل ڈالی تھی اسے ڈاکٹر نجم الاسلام نے نہ صرف آگے بڑھایا ہے بلکہ تعلیم و تدریس، طلبہ کے ذہنی ارتقاء اور کردار کی تعمیر و تکمیل میں جدید سائنسی تقاضوں اور عصری مقاصد و مسائل کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ یہ بات نہایت خوش آئند اور نئی نسلوں کے لیے روشن امکانات کا پیش خیمہ ہے کہ نجم الاسلام صاحب کے زیر تربیت طلبہ خود جامعہ میں اساتذہ کے منصب پر فائز ہی نہیں حقیقی معنوں میں لائق اور فعال رفقاءئے کار بھی ثابت ہوئے ہیں جس کا زندہ ثبوت شعبہ اردو کا مثالی مجلہ تحقیق ہے۔

ممتاز محقق و نقاد ڈاکٹر نجم الاسلام جامعہ سندھ کے شعبہ جاتی مجلہ تحقیق کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ تحقیق کا ہر شمارہ پاکستان اور ہندوستان میں جدید تحقیق اور فن تحقیق کے موضوع پر نہایت معلوماتی اور کارآمد صحیفہ ہوتا ہے۔ ملک و بیرون ملک کے مقتدر و معتبر محققین کے علمی و تحقیقی مقالات کی شمولیت بالعموم اور اساتذہ جامعہ سندھ کی نگارشات کی اشاعت بالخصوص رسالہ تحقیق کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے معیار و مقدار کی ضمانت ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ڈاکٹر نجم الاسلام نہایت خاموشی سے، لگن اور انہماک کے ساتھ علمی، لٹری، تعلیمی اور تحقیقی کاموں میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کی شخصیت اور خدمات کے لیے دیکھئے راقم الحروف کے مضامین بلور حوالے۔

(۱) دو آہنگ ۰۰۰ ماہی اردو کراچی انجمن ترقی اردو پاکستان جنوری مارچ ۱۹۰ء

(۲) ڈاکٹر نجم الاسلام اور ان کے تراجم روزنامہ نوائے وقت کراچی ۱۰ مئی ۱۹۷۰ء

(۳) اردو اور سندھی کا تہذیبی رشتہ ماہنامہ الولی (شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد۔ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۳ء)

ڈاکٹر نجم الاسلام جیسے نیک نفس و نیک طبع رفیق مکرّم کی قدر و منزلت میرے دل میں اس لیے بھی زیادہ ہے کہ انھوں نے میرے مقالے (پی، ایچ، ڈی) کی تیاری میں اول تا آخر دلچسپی لی۔ بعض اہم اور انتہائی ضروری کتب و رسائل اور ماخذ کے حصول میں دشواریاں پیش آئیں تو فقط نجم الاسلام صاحب کی بروقت مدد اور مشوروں سے آسان ہو گئیں۔ میں ان کا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا۔

کراچی میں میری سکونت کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب سے اخلاص اور اپنائیت کا رشتہ استوار رہا۔ علمی ادبی و تحقیقی معاملات میں تبادلوں کا خیال بھی ہوتا رہا۔ وقتاً فوقتاً ہم ایک دوسرے کو خط بھی لکھتے رہے۔ ایک خط کا اقتباس۔

۶-۱۱-۷۸ء

سندھ یونیورسٹی شعبہ اردو جام شورو

محترمی و مکرمی! سلام و آداب

دوسری ضروری بات: بیوی خوشی ہوئی کہ آپ کا مقالہ آخری مراحل میں ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب پر جو Monograph لکھا گیا اسے دیکھنے کے لیے آپ خط کے ذریعے مطلع فرمائیں کہ کب پہنچیں گے تاکہ مقالہ یقینی طور سے موجود ہو۔ اتنی عمر میں ہے کہ اسی وقت دیکھ کر چند چیزیں نوٹ فرمائیں یا نشان دہی فرمادیں۔ ان حصوں کی نقل بعد میں کرا کے پیش کر دی جائے گی۔

نجم الاسلام

فقط والسلام

یہ اللہ کا کرم اور ڈاکٹر نجم الاسلام کی عقلمندی ہے کہ سوں گزرنے کے بعد بھی ان کی وضع داری، و قانونازی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ میرے ایک عریضے کے جواب میں رقم طراز ہیں۔

شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی جام شورو

محترمی ڈاکٹر و فاراشدی صاحب! سلام و آداب

۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء

گرامی نامہ مورخہ ۱۲ ستمبر موصول ہوا۔ شکریہ۔۔۔ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ آپ اپنے علمی کاموں میں برابر منہمک ہیں، داستان وفا کی نو قسطیں، میرے بزرگ میرے ہم عصر، کا زیر اشاعت ہونا، دائرہ علم و ادب پاکستان کا قیام، ریسرچ لائبریری دارالمطالعہ ۰۰۰ یہ سب آپ کے اشہاک اور شوق و شغف کی آئینہ داری کر رہے ہیں۔ خدا صحت مند تو انا اور سلامت باکرامت رکھے۔

سید جاوید اقبال صاحب کل ملے تھے ان کو آپ کا مکتوب میں نے دکھایا اس موقع پر انہوں نے بتایا کہ ایک مضمون آپ کی علمی خدمات پر رسالہ انشاء میں چھپوانے کا خیال ہے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا ایک مختصر سا کتابچہ ”میرا اعلیٰ گڑھ“ یہاں حیدرآباد میں بھی چھپا ہے۔ عند الملاقات اور نیاز حاصل ہونے پر ڈاکٹر صاحب کی خدمت گرامی میں اور حضور احمد سلیم صاحب کی خدمت میں آپ کا سلام پہنچایا جائے گا۔

رسالہ تحقیق کا شمارہ بلکہ شمارے انجمن کو براہِ مہجے جاتے ہیں اگر آپ تفصیلی تبصرہ بصورت مضمون (ریویو آرٹیکل) لکھ کر چھپوائیں گے تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔  
 . آپ کی صحت و سلامتی اور ہمتوں کی بلندی کی مخلصانہ دعاؤں اور تمنائوں کے ساتھ، میں اور سب رفقاء شعبہ سلام پیش کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کی قائم کردہ ریسرچ لائبریری میں آپ کے جمع کردہ نو اور کون کون سے ہیں۔

قومی زبان کے اشاریے میں تحقیق کے مضمولات شمارہ ہفتم شامل کرنے کا شکریہ۔  
 نیاز مند

انجم الاسلام  
 اقتباس از ”داستان وفا“، ڈاکٹر وفاراشدی، کراچی، مکتبہ اشاعت اردو، طبع اول ۱۹۹۷ء



## ڈاکٹر نجم الاسلام

چند یادیں۔۔۔۔۔ چند باتیں

قدرت نے مجھے جن اعلیٰ انسانوں کی زیارت اور میل ملاقات کی سعادت نصیب کی ڈاکٹر نجم الاسلام ان میں منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ یوں تو وہ ہمہ صفت انسان تھے۔ وہ خلوت پسند تھے۔ خاموش مزاج کے تھے۔ اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ سعدی نے سوچ سمجھ کر کہا تھا کہ ”جمال ہم نشیں“ کے اثر سے تو مٹی بھی مٹک بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سے فیض حاصل کیا تھا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام سے میری ملاقات کی صورت اس طرح پیدا ہوئی کہ میں سندھی ادبی بورڈ کا سیکریٹری تھا اور آپ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پروفیسر تھے۔ سندھی ادبی بورڈ کے کتب خانے میں عربی اور فارسی زبان کے تقریباً چار سو پیش ہیا قلمی نسخے سوں سے محفوظ تھے، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ کس کے لکھے ہوئے ہیں، کب لکھے گئے تھے، اور علم کے کیا کیا خزانے ان کے لوراق میں پوشیدہ ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی محقق اور ماہر برٹش میوزیم میں رکھے ہوئے قلمی نسخوں کے کیٹلاگ کی طرز پر ان کا بھی کیٹلاگ بنائے۔ اس مقصد کے لیے سندھ کے دو عالم میری نگاہ میں تھے۔ ایک ڈاکٹر محمد علی صاحب جو سندھ یونیورسٹی کے لائبریرین تھے اور ایک مرصے سے ریٹائر ہو کر فراغت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دوسرے سندھ کے ممتاز عالم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب۔ میں نے دونوں سے بالوب باری باری گزارش کی لیکن دونوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

میں دل شکستہ تو ضرور ہوا لیکن ناامید نہیں ہوا۔ ایک دن سوچ سمجھ کر ڈاکٹر مصطفیٰ خاں

کے پاس چلا گیا وہ بھی شعبہ اردو سے کب کے ریٹائر ہو چکے تھے، لیکن علمی اور فنی کاموں میں پہلے کی طرح دلچسپی لیتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان سے میرا ایک ذاتی تعلق بھی تھا اور وہ یہ کہ ہم دونوں علامہ آئی آئی قاضی کے عقیدت مند تھے اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ اس کام کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے۔ میں نے ان کی رہائش گاہ پر جا کر مدعا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ آپ کے ارشاد کی تعمیل ہوگی۔

موسم گرما میں جامشور کے پہاڑ دوپہر کو اپنی گرمی کا ٹھیک ٹھاک جلوہ دکھاتے ہیں۔ ایک ایسی دوپہر تھی کہ بورڈ کے دفتر کی عمارت کے سامنے ایک موٹر رکشا آکر رکا اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اوپر کی منزل پر میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ چہرہ اسی نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو ضرور ہو گا لیکن وہ ان کو پہچان نہیں سکا لہذا مجھے اطلاع بھی نہیں دی اور مجھے ندامت ہوئی کہ میں نے نیچے جا کر ان کا استقبال نہیں کیا۔ غرض کہ ہم دونوں لائبریری میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ مخطوطات بہ غور دیکھے اور بہت خوش ہوئے کہ بورڈ کے پاس اتنے قیمتی لعل و گوہر جمع ہیں۔ آدھے پونے گھنٹے کے بعد آپ تشریف لے گئے۔

دوسرے دن ڈاکٹر نجم الاسلام اور صغیر صاحب (ڈاکٹر ابوالفتح، صغیر الدین، صدر الدین، صدر شعبہ اسلامیات، جامعہ سندھ) تشریف لائے اور بتایا کہ ہم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے حکم پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ برٹش میوزیم کے علاوہ اور اداروں کے کینا لاگ بھی لے آئے تھے۔ ہم نے ان کی ورق گردانی کے بعد ایک خاص کینا لاگ کو نمونے کے طور پر پسند کیا۔ ویسا کینا لاگ بنانا خاصا مشکل کام تھا۔ لیکن نہ انہوں نے معاوضے کے متعلق کوئی بات کی اور نہ میں نے مناسب سمجھا۔ روزانہ دونوں صاحبان اپنے اپنے شعبوں میں ڈیوٹی دینے کے بعد سندھی اولیٰ بورڈ تشریف لے آتے۔ لائبریری میں ایسی خاموشی سے کام کرتے کہ مجھے بھی پتہ نہ چلا۔ ایک دن جب پوچھ گچھ کی تو لائبریرین نے بتایا کہ وہ تو کئی دنوں سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔

میں نے انہی دنوں بورڈ کے چیئرمین مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ کے لیے دفتر کے ایک کمرے میں ایئر کنڈیشن لگوایا تھا، لیکن، وہ کوئی دو تین ماہ کے بعد گھنٹے دو گھنٹے تشریف لاتے تھے۔ ورنہ کمرہ خالی رہتا تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ سو میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام اور صغیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ اس کمرے میں اپنا کام کریں۔ اول تو وہ مانتے نہیں تھے، لیکن پھر راضی ہو گئے۔

تقریباً دو تین برس انہوں نے کام کیا لیکن اس عرصے میں ایسا موقع کبھی نہیں آیا کہ

انہوں نے ہفتہ دو ہفتہ کا ناغہ کیا ہو۔ ہمیشہ اپنے کام پر مستعد رہے۔

ایک انگریز دوست نے ایک بار مجھ سے کہا کہ مسٹر اگر وہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی عزت کریں؟ میں نے کہا کہ جی میری یہی خواہش ہے۔

اس نے کہا کہ پھر ایک اصول بناؤ۔ یہ کہ کسی سے کوئی وعدہ نہ کرو۔ یہ کہو کہ ہاں میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر کسی سے وعدہ کرو تو طوفان آئے، بارش ہو یا زلزلہ ہر صورت میں اپنا وعدہ پورا کرو۔ لوگ آپ کی عزت کریں گے۔

آج میں کہہ سکتا ہوں کہ جامشورو میں موسم گرما کی قیامت کی گرمی پڑ رہی ہو یا موسم بادوباراں ہو یا موسلا دھار بارش ہو رہی ہو ڈاکٹر نجم الاسلام اور صغیر صاحب بعد از دوپہر سندھی ادبی بورڈ کے دفتر میں تشریف لے آتے اور پانچ بجے شام تک خاموشی سے اپنا کام کرتے رہتے۔

میں نے یہ بھی نوٹ کیا کہ اس طویل عرصے کے اندر نہ تو انہوں نے مجھ سے کبھی ٹرانسپورٹ طلب کی نہ کبھی چائے کا کپ قبول فرمایا۔ دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ لے آتے۔ کھا کر اپنے کام میں لگ جاتے۔

دو تین برس کے بعد انہوں نے تمام کے تمام قلمی نسخوں کا ماڈرن طور طریقے پر ایک شاندار کیٹالاگ تیار کیا جو کئی سو صفحات پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اس کو دیکھا۔ منظور فرمایا اور میرے حوالے کیا۔ میرے پاس ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔

لوہر حکومت سندھ نے پہلے مجھے چار سال کے لیے سندھ یونیورسٹی کا پرووائس چانسلر مقرر کیا اور پھر ۱۹۸۴ء سے اسلام آباد میں پہلے اکادمی ادبیات پاکستان کا ڈائریکٹر جنرل اور پھر چیئرمین مقرر کیا، یوں پندرہ سال کا عرصہ سندھ سے باہر رہا۔

مخدوم صاحب بورڈ کے دوبارہ چیئرمین مقرر ہوئے تو آپ نے مجھ سے سندھی ادبی بورڈ کے بارے میں مشورہ کیا اور مجھے بتائے بغیر بورڈ کا ممبر نامزد کیا۔ بورڈ کی لوہین میٹنگ ہوئی تو میں نے ہاں کیا کہ کیٹالاگ کا کیا ہوا؟

جواب ملا کہ وہ تو ویسے کا ویسا کھا ہوا ہے۔

میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام اور صغیر صاحب کو کچھ نذر نہ دیا؟

جواب ملا کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں۔

یہ سن کر بہت دکھ ہوا۔ میں نے مخدوم صاحب کو پوری صورت حال سے واقف کیا۔ آپ



نے افسوس کا اظہار کیا اور فوراً دونوں حضرات کو (اس زمانے میں) دس ہزار روپے کا چیک ارسال کرنے کا حکم دیا۔

میں اسلام آباد میں ہی تھا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام کا شکر یہ کا خط موصول ہوا، ساتھ آپ نے کچھ تصانیف ارسال کی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ آپ نے سندھی زبان پر اتنا عبور حاصل کر لیا تھا کہ کلاسیکی شعرا کے کلام کا اردو میں منثور اور منظوم ترجمہ کیا تھا اور کسی سے ایک پیسہ لے بغیر اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام فرمایا تھا۔

جب میں اسلام آباد سے حیدرآباد واپس آیا تو ڈاکٹر نجم الاسلام مجھ سے آکر ملے۔ وہ شعبہ اردو سے ریٹائر کر چکے تھے۔ لیکن اپنے علمی اور ادبی مشغلوں میں مصروف تھے۔

ایک دوست لاہور سے تشریف لائے۔ میرے مہمان تھے اور ڈاکٹر نجم الاسلام سے ملاقات کی آرزو کی۔ میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام کو ڈنر پر مدعو کیا۔ وہ تشریف لائے لیکن ڈنر میں شریک نہیں ہوئے۔ صحت کمزور ہو گئی تھی۔ اس لیے پرہیزی کھانا کھاتے تھے۔ دو تین گھنٹے مجلس ہوئی۔ کتابوں، عالموں اور ادیبوں کی باتیں ہوئیں۔ روح کی کثافت دور ہو گئی۔ زندگی میں ایمان پھر سے تازہ ہو گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک یادگار محفل تھی۔

کچھ عرصہ پہلے مجھے شاہ ولی اللہ دہلوی کے خطوط کی ایک کتاب ملی جس میں غالباً آٹھ خطوط مخدوم معین ٹھٹوی کے نام تھے جو سندھ کے سدا بہار شاعر عبداللطیف بھٹائی کے عزیز ترین دوست تھے۔ میں سہ ماہی ”مہراں“ رسالے کے لیے ان پر ایک تحقیقی نو عیت کا مضمون لکھ رہا تھا کہ عالم غیب سے غیر متوقع آمد لو نصیب ہوئی۔ وہ یوں کہ ایک دن ڈاک سے ایک فل سائز لٹافہ وصول ہوا۔ کھولا تو اندر سے مخدوم معین کا ز میں کے مسئلے پر کسی شخص سے قلمی دستاویز نکلا جس پر مخدوم معین کی مہر لگی ہوئی تھی۔ دستاویز فارسی شکستہ خط میں لکھا ہوا تھا۔ میں جب کراچی گیا تو اس افسر سے ملا اور دستاویز کا ذکر کیا۔ اس نے کہا جناب یہ تو آپ نے ہمیں ارسال کیا تھا جو ہم نے آپ کو واپس بھیجا ہے۔ یہ سن کر میں حیران ہوا لیکن خاموش رہا۔

حیدرآباد واپس آیا تو ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کو فون کیا اور ان سے استدعا کی کہ آپ اس تاریخی دستاویز کا ترجمہ کریں۔ آپ نے میری گزارش قبول فرمائی اور ترجمہ بھیج دیا جو میں نے مضمون میں شامل کیا۔ سہ ماہی ”مہراں“ کا وہ پرچہ شائع ہوا تو ڈاکٹر صاحب کو کاپی بھیجی۔ فون پر ہنس کر کہنے لگے کہ میں نے مضمون پڑھا ہے۔ خوشی ہے کہ آپ تخلیقی ادب کے ساتھ اب تحقیق سے بھی لطف

اندوز ہو رہے ہیں سو، میں آپ کو ”تحقیق“ کے چند شمارے ارسال کر رہا ہوں۔  
دوسرے دن مجھے وہ مل گئے۔ جریدے کا نام ”تحقیق“ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ جریدہ  
علمی و لسانی مسائل پر تحقیق کے ایک شاہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد مجھے ڈاکٹر نجم الاسلام کی زیارت صرف ایک دفعہ نصیب ہوئی۔ وہ میرے پاس  
کسی کینالاگ کی طباعت کے سلسلے میں تشریف لائے تھے۔ میں نے ان کو پچاس صفحوں کے پروف  
دیے۔ صحت بہت کم زور ہو گئی تھی۔

انسان کی زندگی میں سب سے بڑی علالت لالچ ہے۔ سب سے بڑے کام کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔  
یہ جانتے ہوئے بھی انسان تمام بڑے کام محض لالچ کی وجہ سے کرتا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام ماہر تعلیم  
تھے۔ محقق تھے۔ عالم تھے۔ لویب تھے۔ لیکن میری نگاہ میں ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر  
قسم کی لالچ سے دور تھے۔

میرے ایک دوست ہیں مظہر یوسف، لویب لورڈ انشور ہیں۔ کراچی میں سندھی کتاب  
گھر کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا ہے۔ انہوں نے سندھ کی تاریخ پر کچھ فارسی کتابیں اردو میں  
ترجمہ کروائی ہے۔ مجھ سے کہا کہ کسی سے نظر ثانی کروا کے دیں۔ میں نے کہا کہ بھائی حیدر آباد میں تو  
ایک ہی عالم لورڈ محقق ہیں ڈاکٹر نجم الاسلام۔ اگر مان گئے تو مجھے خوشی ہوگی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے اس  
شرط پر ترجمے کا مسودہ دیکھنا قبول کیا کہ وہ مالی معاوضہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد  
مسودہ واپس کیا کہ بھائی اس پر جو میں اپنا وقت صرف کروں وہ ضائع ہوگا اس لیے کہ ترجمہ صحیح نہیں  
ہے۔ لورڈ ترجمے کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ میں اصل فارسی کتاب سے خود اردو ترجمہ کروں  
جس کے لیے میرے پاس وقت ہے نہ صحت۔

ہماری یہ گفتگو فون پر ہوئی لورڈ اس کے تیسرے یا چوتھے دن اطلاع ملی کہ ڈاکٹر نجم الاسلام  
آج اس جہاں میں تشریف لے گئے جو ایسے اعلیٰ انسان کے لیے یہاں سے بہتر جگہ ہے۔



## محترم ڈاکٹر نجم الاسلام کی یاد میں

پروفیسر نجم الاسلام ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جو ان سے ملنا ان کے علم اور ذہانت کی داد دینے بغیر نہ رہتا۔ آپ ایک پر خلوص انسان تھے۔ میرا ساتھ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ سندھ یونیورسٹی کی استادوں کی بس سے شروع ہوا اور یہ تعلق بڑھتا ہی گیا۔ آپ ایک بہت ہمدرد اور پر خلوص شخصیت تھے۔ ایک دفعہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے گزارش کی کہ میرے بچے کو جو انٹرنیشنلس کا طالب علم تھا۔ کچھ اشعار سمجھنے میں دقت پیش آرہی ہے۔ فوراً تیار ہو گئے کہ آپ کو جب بھی وقت ملے بچے کو گھر لے آئیں یا میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ محبت اور خلوص نہیں تو اور کیا ہے۔ مجھے ایک بات اور حیران کن معلوم ہوئی کہ وہ سائنس کے طالب علم تھے۔ اور صرف ایم۔ اے اردو میں کیا اور اس کو کس عروج پر پہنچایا۔ ہم دونوں تقریباً ایک ہی عمر کے تھے اور ہندوستان میں بھی ایک ہی شہر سے تعلق تھا یعنی میرٹھ سے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے ایک ایسا رسالہ نکالنے کا خیال ظاہر کیا جو آدہی اور سائنسی معلومات پر مبنی ہو۔ ڈاکٹر صاحب، میں اور پروفیسر ڈاکٹر رئیس صاحب جو شعبہ ارضیات کے سربراہی سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ہم نے دو یا تین نشستیں بھی کیں، لیکن سائنس کے مضامین سے متعلق مشوروں سے معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ مگر وہ ایک ادبی تحقیقی مجلہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کی صحت نے ان کے جوش اور ولولہ کا ساتھ نہ دیا۔ اور وہ ہم سے رخصت ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب حیثیت معلم بہت مقبول تھے۔ نہایت سنجیدہ لیکن ہم عمروں کی محفل میں بہت پر مذاق انداز بھی ہوتا تھا۔ ایک زبردست کارنامہ ڈاکٹر صاحب کا تحقیق رسالہ نکالنا تھا جس نے پورے جنوبی ایشیا کے ان ممالک میں جہاں اردو پڑھی اور سمجھی جاتی ہے ایک اونچا مقام حاصل کیا یہ سب ان کی کاوشوں کا نتیجہ تھا اس میں ان کے رفقاء کار بھی شامل ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں جامعہ سندھ کے ارباب حل و عقد کا بھی کافی تعاون ہے۔ دنیائے ادب میں اس رسالہ نے نہ صرف ڈاکٹر صاحب کو ساری دنیا سے متعارف کرایا بلکہ جامعہ سندھ کو بھی اس کاوش پر خاصی شہرت ملی۔

عیقیت صدر شعبہ کے ان کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ بہتر اساتذہ کا تقرر ہو اور لاہور کے لیے مالی امداد ملتی رہے۔ سندھی ادبی بورڈ میں ڈاکٹر صاحب اور مولانا ابو الفتح صغیر الدین نے قاری اور عربی کے نادر قلمی نسخوں کا جدید طرز پر کیٹلاگ تیار کیا جو سندھی ادبی بورڈ کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔

اکثر سلیکشن بورڈ میں ان کی علمی قابلیت اور پرکھ کا اندازہ ہوا۔ ایسے لوگوں کو شعبے میں نئے جواب رفتہ رفتہ اردو زبان و ادب میں اپنا مقام بنانا ہے۔

آخر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر نجم الاسلام جیسے شریف النفس، روشن دماغ اور وسیع علم رکھنے والے اساتذہ اب کہاں؟

اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔



## ایک باوقار محقق

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی شخصیت کچھ مخفی سی رہی۔ جامعہ حیدرآباد (جام شورو) سے متعلق ہونے کے باوصف جامعہ کراچی کو کلی طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ گوہر نایاب کن دبیز پردوں میں پوشیدہ ہے! ”تحقیق“ کے مدیر اور سابق صدر شعبہ اردو کے حوالے تو سماعت تک پہنچے وہ بھی مکمل طور پر نہیں کیوں کہ جامعہ کراچی شعبہ اردو کے تمام اساتذہ و طلبہ بھی یہ نہیں جانتے کہ مرحوم صدر شعبہ اردو، مد ”تحقیق“۔ بزان چند حضرات کے جو ”تحقیق“ کے قاری ہیں یا کتاب سے کچھ دل چسپی رکھتے ہیں۔

یہ ہماری علمی، ادبی اور تعلیمی دنیا کا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم صرف پروپیگنڈے کا شکار ہیں تعلیم تدریس اور ادب کے حوالے بھی صرف انھی حضرات کے ہم تک پہنچتے ہیں جو مشاعروں، اخبارات، رسل و رسائل کے ذریعے اپنی شہرت خود عوام الناس تک پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ذوق مطالعہ کا فقدان ہے۔ جامعات تک کا یہ عالم ہے کہ درسی ادب بلکہ مقررہ نصاب تک (بہ مشکل) اساتذہ و طلبہ نے خود کو محدود کر رکھا ہے یہ ذکر بھی ان طلبہ و اساتذہ کا ہے جو پڑھنے پڑھانے کو فرض کے طور پر ادا کرتے ہیں وگرنہ ایسے بھی ہیں (اور بہ کثرت ہیں) کہ اس کی بھی زحمت نہیں کرتے۔

نجم الاسلام صاحب جامعہ حیدرآباد شعبہ اردو کے استاد تھے۔ صدر شعبہ بھی رہے ”تحقیق“ کے مدیر تھے۔ شاعر بھی تھے۔ صاحب علم اور صاحب قلم بھی۔ مدیر ہونے کے ناطے صحافی بھی ہوئے اور بھی کئی رخ ان کی زندگی کے تھے لیکن یہاں صرف ان کی محققانہ حیثیت زیر بحث ہے۔

تحقیق کا موصوف نے ایک ایسا معیار پیش کیا جو بہت کم یاب ہے۔

”اقبال کا ایک مکتوب اور اس کا ماخذ“ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خط مطبوعہ لیکن غیر مندرجہ ہے۔ انجمن رقی اردو کے سلسلہ تراجم کا پہلا کارنامہ ہر مڈٹ اسپر کی مشہور کتاب ایجوکیشن کا اردو ترجمہ تھا جس کے مترجم مولانا حالی کے نواسے خواجہ غلام الحسنین پانی پتی تھے۔ ۱۹۳۰ میں چھپی تھی اس کتاب میں غلام الحسنین کے نام اقبال کا ایک تقریظی خط جو انگریزی میں ہے۔ تقریظ کا اردو ترجمہ بھی درج ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس چھوٹی سی دستاویز سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ بے حد مفید و معلومات افزا ہیں۔

نمبر ۱ ”اقبال کی منظومات کی شہرت مخزن کے ذریعے ہو چکی تھی اور اقبال کی علم الاقتصاد نے بھی اسی حلقوں کو متاثر کیا ہوگا۔ ان تقاریظ میں وہ ذکاء اللہ، حالی، نذیر احمد اور وحید الدین سلیم جیسے محسنین اردو اور تازا رباب علم کی صف میں نظر آتے ہیں“ ”تحقیق“ شمارہ خاص ۱۰، ۱۱، (۱۹۹۶-۹۷) ص نمبر ۳۸۵

نمبر ۲ ”اس میں مولانا شبلی کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن ترقی اردو اور اردو کے سلسلے میں اقبال سے شبلی کی خط کتابت رہی ہے اور انجمن سے اقبال کا تعلق باباے اردو مولوی عبدالحق کے دور نظامت کا نہیں بلکہ پہلے کا ہے“ (ص نمبر ۲۸۷)

نمبر ۳ ”اب چند ضمنی تصریحات کتاب کے دوسرے اور عمومی پہلوؤں سے متعلق پیش کی جاتی ہیں۔ یہ مطبوعہ کتاب انجمن کے ابتدائی دور کی کتابوں میں سے ہے جب کہ رموز اوقاف اور املا وغیرہ کے وہ اصول انجمن نے مقرر نہیں کیے تھے جو بعد کو مولوی عبدالحق کے دور نظامت میں ڈاکٹر عبدالستار مدنی وغیرہ کی مدد سے طے پائے“ (ص ۳۸۹)

مذکورہ بالا خط میں تحقیقی موشگافیاں یہ ہیں کہ غیر مطبوعہ (غیر مدون) مکتوب ہے یعنی مصوف نے پہلی بار سراغ لگایا کہ اقبال کا ایک ایسا خط بھی ہے جو کسی کتاب کی تقریظ پر مشتمل ہے۔ غیر مدون ہونے کے ثبوت اس جامعیت سے دیے ہیں کہ اقبال کے تمام مطبوعہ مکاتیب کی چھان بین کے بعد ثابت کیا کہ یہ خط ہوز منظر عام پر نہیں آیا۔

محقق حقیقت کو کسی قسم کی رنگ آمیزی کے بغیر بلا کم و کاست بیان کرنے پر قادر ہو تو یہ مصروفی انداز کہلاتا ہے اور معروضیت تحقیق کا جوہر ہے۔ اسی طرح تحقیق کی زبان افسانوی ادب کی زبان سے مختلف بلکہ ماورا ہوتی ہے۔ یہاں رموز و علامت، رنگینی و سحر انگیزی کا دخل نہیں بلکہ کسی حد تک سہاٹ لہجہ قابل ترجیح ہو گا لیکن اخذ نتائج میں علمی فراست سے کام لیا جائے تو زبان کی دل کشی خود بہ خود نمود کرتی ہے۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے دل چسپ، مفید اور نتیجہ خیز نظریات سے تحریر کے حسن کو جلا نشین کیا ہے اور اسی سے تحریر کی پختگی و متانت کا عالم بے پناہ پیدا کر دیا ہے

اس طرح ”دو قرآن“ (۱۶۰۵ھ) کی دریافت میں حق تحقیق اور روایات۔ شاہ مہد القادر دہلوی کی اردو نثر ”قرآن“ (اسم تاریخی ۱۲۰۵ھ) کے مختلف متن پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک نو منسوب بتایا گیا ہے۔ نجم الاسلام صاحب نے نہایت جاں فشانی کے بعد ثابت کیا ہے کہ اصل نسخہ کون سا ہے (ص ۷۰) مصوف نے اصل نسخہ مخطوط کتب خانہ آصفیہ کو قرار دیا ہے جو ۱۲۲۳ھ کا مکتوب ہے) یہ مخطوطہ اگرچہ مصنف (شاہ مہد القادر) کی دیات کا نہیں لیکن شاہ مہد اعزیزی کی دیات کا ہے۔

تحقیق کے لیے علمائے تحقیق نے جو معیارات قائم کیے ہیں، ان کی روشنی میں نجم الاسلام صاحب کی تحقیقی کاوشوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو موصوف ان صفِ اول کے محققین میں نظر آتے ہیں۔ جو کا تعلق سرسید، شبلی، مولوی عبدالحق، محمود خاں شیرانی، قاضی عبدالودود، قاضی احمد میاں اختر جو ناگزیر غلام مصطفیٰ خاں صاحب گوپی چند نازنگ، گیان چند جین، مالک رام، رشید حسن خاں اور معین الدین عقیل تک پھیلا ہوا ہے۔

پاک و ہند کے بہت کم (اردو) محققین ایسے ہیں جنہیں واقعتاً تحقیق کی تمام تر مویشکافیوں سے عمدہ برآہونے کی صلاحیت سے متصف کہا جاسکے۔ دراصل یہ شعبہ ہی ایسا دقیق، کم سواد اور غیر منافع بخش ہے کہ عمر خضر بھی یہاں کچھ ناکافی سی رہتی ہے۔ گھنٹوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی یہاں کوئی حیثیت نہیں بہ جز نگاہِ نکتہ رس کے۔ نگاہِ نکتہ رس کی بہ دولت ہی محدودے چند دماغ کامیاب ہوتے ہیں وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ذوق، تنہائی، بیگانگی عالم، بیزاری شہرت کے علاوہ حصولِ زر بھی مقصود نہ ہو۔ حقائق کی جستجو یوں بھی ایسا عمل ہے جو بہ نظر غائر اگر نہ تو کارِ لا حاصل ہی رہتا ہے۔ تحقیق کے اس دشوار پہلو نے ہمارے دور کو اس سے اور بھی بیگانہ بنا دیا ہے اس لیے کہ ہمارا موجود معاشرہ محنت پسند نہیں، سہل انگاری کی وجہ سے فریب دہی عام و طیرہ بن گیا ہے لہذا کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ ادبی تحقیق کے نام پر موجود مواد (انٹرویوز، سرسری جائزے اور غیر مصدقہ معلومات) کو اکٹھا کر کے تحقیق کے زمرے میں ڈال دیا جاتا ہے، بسا اوقات اس پر ڈگریاں بھی مل جاتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے ان روایات کی نفی کر کے تحقیقی رویوں کو بدلنے کی سعیِ بلیغ کی ہے ”کیا نعتیہ قطعہ یا صاحب الجمال ویاسید ابشر شاہ عبدالعزیز کی تصنیف ہے“ میں ڈاکٹر صاحب نے ایسی بے تحقیق کا نمونہ پیش کیا ہے جسے باکمال اندازِ تحقیق قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ متنی حوالے اور عصری تاریخی اخذ نتائج سے جو کام لیا گیا ہے وہ تحقیق کی جان ہے۔ یہ قطعہ عام طور پر جائی سے منسوب ہے۔ لکھتے ہیں:

”ان بے مثل اشعار کا ناظم کون ہے؟ یہ امر تحقیق طلب ہے۔ عام طور پر جائی سے ان اشعار کو منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ چوں کہ یہ اشعار کلیاتِ جابی میں شامل نہیں ہیں، اس لیے بعض حضرات کے نزدیک جابی سے ان اشعار کا انتساب تحقیق طلب ہے، لیکن یہی صورت جابی کی بعض دوسری نہایت مقبول اور مشہور عام نعتوں کی بھی ہے اور نعت مذکورہ ہاں کے علاوہ یہ نعتیں بھی بالعموم جابی ہی کی طرف منسوب کی جاتی رہی ہیں کہ نعت گوئی میں جابی کا درجہ مسلم ہے۔“ تحقیق ”شمارہ خاص (۱۱-۱۰) سندھ یونیورسٹی جامشورو، (۹۷-۱۹۹۶ء) ص ۹۰۲۔

مزید لکھا کہ :-

”مگر حال ہی میں ایک فاضل محترم کی کتاب نظر سے گزری جس میں مذکورہ بالا نعتیہ قطعے کو ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز کے حوالے سے شاہ عبدالعزیز دہلوی تصنیف بتایا گیا ہے۔..... کمالاتِ عزیزی میں مذکورہ نعتیہ قطعے کا جسے مؤلف نواب مبارک علی خان میرٹھی نے ’رباعی‘ سمجھا ہے، ذکر یوں آیا ہے ایک روز حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ عمر شباب میں مجھ کو ساٹھ ستر ہزار شعر عربی و فارسی و ہندی کے یاد تھے، اب بھی دس گیارہ ہزار یاد ہوں گے۔ پھر آپ نے ایک رباعی (کذا) جو سرورِ کائنات ﷺ کی شان مبارک میں تصنیف فرمائی تھی پڑھی۔ رباعی : یا صاحب الجہال و یا سید البشر..... اس روایت کے حق میں یہ بات ہے کہ راوی شاہ عبدالعزیز کے مریدین میں ہیں مگر یہ امور قابلِ غور بھی ہیں :۔ ۱۔ نواب مبارک علی خان نے شاہ عبدالعزیز کی وفات (۱۲۳۹ھ) کے تقریباً پچاس سال بعد یہ کتاب لکھی تھی..... روایت کے بارے میں یہ صراحت نہیں کی کہ کس کے رو بہ رو یہ بات شاہ عبدالعزیز نے فرمائی تھی۔ اگر یہ قیاس کیا جائے کہ یہ بات شاہ عبدالعزیز نے مؤلف کے رو بہ رو فرمائی تھی تو بھی غور طلب ہے کہ شاہ عبدالعزیز کا ارشاد اپنے حافظے کے متعلق تھا نہ کہ اپنی شعر گوئی کے بارے میں مگر راوی نے یاد کیے ہوئے اشعار کے ذکر میں تصنیف کردہ، اشعار کا ذکر اپنی طرف سے ملا دیا ہے جب ربطِ کلام کا تقاضا یہ ہے کہ بیان ان اشعار کا ہو جو صاحبِ ملفوظات (شاہ عبدالعزیز) کو یاد تھے..... جو قطعہ پڑھا تھا، اس کے بارے میں مؤلف کمالاتِ عزیزی کا یہ خیال کرنا کہ وہ شاہ عبدالعزیز کی تصنیف کردہ رباعی تھی، محض مؤلف کا گمان اور قیاس ہے۔ ص نمبر ۹۰۲۔

نہایت واضح دلائل کے باوصف بھی ڈاکٹر صاحب حکم نہیں لگاتے کہ محقق کا یہ کام نہیں بلکہ مزید وضاحت کے لیے لکھتے ہیں۔

”آخر میں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ اس مضمون کا اصل مقصد زیر بحث نعتیہ قطعے کا جائی لی تصنیف ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق نہیں ہے کیوں کہ اس سلسلے میں کوئی قابلِ نتیجہ مواد یا کوئی قابلِ ذکر شہادت ہم دست نہیں..... مقصد صرف یہ ہے کہ محض کمالاتِ عزیزی کی بنیاد پر اس قطعے کو شاہ عبدالعزیز کی تصنیف قرار نہیں دینا چاہئے جبکہ خود شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر فتحِ العزیز میں اسے و نعم ما قیل (کسی نے کیا خوب کہا ہے) کہہ کر نقل کرتے ہیں“ (ص ۹۰۹)



محقق نہ تخیل سے کام لیتا ہے نہ گمان سے۔ وہ کوائف سے حقائق کی تلاش میں سرگرداں ہے اور اخذ نتائج میں بھی دلائل و براہین کو ماخذ بناتا ہے۔ تحریر کی دل کشی و زیبائی سے زیادہ دلائل و قطعہ اس کے ہتھیار ہوتے ہیں محقق کا کام اس لیے بھی دشوار تر ہے کہ کسی ایک زبان کا علم یہاں کافی نہیں متعلقہ لسانی علم بھی اس کے لیے لازمی ہے۔ مثلاً اردو کے کسی قدیم نسخے پر کام کرنے کے لیے فارسی، ہندی اور پراکرتی مقامی زبانوں سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ قدیم مخطوطے کے اصل خدو خال واضح ہو سکیں۔ متن کی تحقیق بہ غیر اس کے ممکن ہی نہیں۔ انتساب متن کا حق بھی بہ غیر اس کے ادا نہیں ہو سکتا کیوں تحقیق کا اہم کام گم شدہ دفتروں کو دریافت کرنا ہے۔ تاکہ ماضی کی دھند سے روشنی کی برآء کھل طور پر ہو سکے۔

”غلام علی آزاد بلگرامی سے منسوب گربہ نامہ اور اس کا اصل مصنف“ میں ڈاکٹر صاحب داؤد تحقیق دیتے ہوئے لکھا:

”ایک اور قدیم نثری قصہ جو نوحہ طرز مرصع کی تحریک پر لکھا گیا گربہ نامہ ہے۔ یہ قصہ گزشتہ صدی میں بھی اور موجودہ صدی میں بھی کئی بار چھپا ہے مخطوطات بھی ملتے ہیں لیکن قدامت کے لحاظ سے اردو نثر کی تاریخ میں اسے جو مقام حاصل ہونا چاہیے تھا، اس سے محروم رہا ہے..... بعض حضرات نے گربہ نامہ کو بارہویں صدی ہجری کے مشہور ہندوستانی عالم اور تذکرہ نگار حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۲۰۰ھ) کی تصنیف بتایا ہے..... آزاد بلگرامی اپنے زمانے کے مشہور مصنفوں میں سے تھے ان کی شہرت و ناموری کو دیکھتے ہوئے کسی اور غلام علی کی نثری تحریر یا آزاد تخلص کے کسی شاعر کی غزل ان کی طرف منسوب ہو جانا بعید نہیں..... آزاد بلگرامی نے اپنی کئی تصانیف میں اپنے حالات تفصیلاً درج کیے ہیں لیکن جہاں تک راقم کو علم ہے، اپنی ادو نگاری کا ذکر نہیں کیا“..... (ص ۱۲-۹۱۳)

ہر چند کہ تحقیق میں تخیل کی کار فرمائی کم ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس کا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے لیکن بعض حالات میں تخیل ہی سے مسئلے کا اصل حال سامنے آتا ہے۔ اس کی بہترین مثال سید غلام علی امرتساری کی دریافت ہے یہاں تخیل ہی کی بدولت اس وقت نظر میں کام یاب ہوئے ہیں کہ اصل حقائق کا انکشاف ہو سکا ہے۔ کیوں کہ حقائق معلوم کرنے کے بعد جب تک محقق ان کی تعبیر پیش نہیں کرتا، تحقیق کا کردار ادھورا رہتا ہے اور تحقیق بصیرت سے محروم رہتی ہے۔ اسی طرح محقق جب تک تنقیدی

شعور کے اس مقام پر نہ ہو جو اس شعبے میں لازم ہے، اس وقت تک بھی تحقیق کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیوں کہ تحقیق منطقی اور معروضی معیارات رکھتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے سید غلام علی امر وہوی کے سلسلے میں اس قدر وقت نظر سے کام لیا ہے کہ ہر معیار سے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور بالا آخر یہ ڈھونڈ نکالا ہے کہ مذکورہ بالا قصہ غلام علی بلعرازی کا نہیں بلکہ سید غلام علی امر وہوی کا لکھا ہوا ہے اور یہ کہ کئی اور قصے بھی ان کے لکھے ہوئے ہیں جن میں قصہ ”اصحاب کھف“ بھی شامل ہے اور یہ صاحب شاعر بھی تھے، ولی تخلص کرتے تھے۔

”ولی تخلص سید غلام علی نام امر وہی کے باشندے، مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کس محلے کے رہنے والے تھے، ان کی ایک تصنیف ”خالق باری“ نام کی ہے۔ (حوالہ توارخ واسطیہ مصنف سید رحیم بخش امر وہوی، طبع اول ۱۳۲۲ھ، مطبع گلزار احمدی، مراد آباد، ص نمبر) تحقیق ۹۳۳

ایک اور حیثیت مرحوم کی ”مدیر“ کی بھی ہے جو ان کی وسعت علم اور تنقیح و ترتیب کی اعلیٰ صلاحیتوں کی شہادت دیتی ہے۔ کسی بھی رسالے میگزین یا مجلے کی ادارت ایک انتہائی دشوار اور پیچیدہ مسئلہ ہے اس لیے کہ لکھنے والے کے بعد سب سے زیادہ جواب دہ مدیر ہی ہوتا ہے اور اگر وہ جواب دہی کی ذمہ دار نہ حیثیت سے واقف نہیں تو ادارت کا فرض کما حقہ، ادا نہ ہو سکے گا۔ بالخصوص ایک ایسا مجلہ جو ”تحقیق“ کے نام سے منسوب ہو، ایک بہت بڑے تعلیمی ادارے (سندھ یونیورسٹی) سے متعلق ہو، اس کی مجلس مشاورت میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب جیسا نام شامل ہو اور اس کے لکھنے والے تمام نام ایسے معتبر ہوں جو ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے شروع ہو کر ڈاکٹر عبد الجبار جو نیجو، ڈاکٹر ہدایت اللہ، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر معین الدین عقیل جیسے جید علمائے ادب و تحقیق سے بھرے ہوں اور جس مجلے کی تحقیق کا معیار یہ ہو کہ کوئی مقالہ / مضمون یاد گیر اصناف غیر معیاری اس میں شامل نہ ہو سکیں، ایسے مجلے کی ادارت اہل نظر و صاحبِ بصیرت فرد سے ہی ممکن ہے۔

اس کے علاوہ مرحوم مبصر بھی تھے، نقاد بھی شاعر بھی اور ادیب بھی دراصل ایک ایسی شخصیت جو سرتاپا علم، ادب، آگہی، فرزانگی اور بصیرت کا پیکر ہو، جس کے شب و روز قلم، اور کتابت و استہ ہوں، جو حقیقت کا ستلاشی ہو، وہ جب اس دار فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو ایک ایسا فلا چھوڑ جاتا ہے جو کبھی ہند نہیں ہوتا اور علمی و ادبی دنیا ہمیشہ اس خلا کو محسوس کرتی رہتی ہے تا آن کہ وقت کی تیز رفتاری گرد و غبار کی تہوں کو دبیز کر دے۔

## ڈاکٹر نجم الاسلام، چند یادیں

مرحوم نجم الاسلام کی رحلت کی خبر ۴ جون کو ڈاکٹر سید معین الرحمن کے ذریعے ملی تھی۔ جب ان سے ملنے گورنمنٹ کالج لاہور گیا۔ ۶ جون کو ڈاکٹر نجم الاسلام اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کو تعزیتی خطوط لکھے۔ منظور حسن نے جواب دیا، غل سے کام نہیں لیا۔ ان کے پر خلوص جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی رحلت کا سن کر دل کو ایک دھچکا سا لگا تھا۔ انتہائی قلق ہوں۔ مرحوم ایک پر خلوص اور شریف طبع انسان تھے۔ کم گو تھے، تحقیق کا صاف ستمراذوق رکھتے تھے۔ ۶ جنوری ۱۹۷۲ء کو جب مجھے محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے ڈاکٹریٹ کے لیے موضوع ”خطبات گارنٹین و تاسی۔ ترتیب و تفکیقات“ دیا تو شعبے کے پروفیسر صاحبان شعبے کے برآمدے میں مشرقی جانب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بعد میں ڈاکٹر نجم صاحب سے علاحدگی میں اس موضوع پر بات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ گارنٹین و تاسی پر پہلے کام ہو چکا ہے۔ ایک اٹلیا میں اور دوسرا کراچی میں۔ ان کے کہنے پر میں دوبارہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں اس کا بتایا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ کا کام ان سے مختلف ہوگا۔ تحقیق مکمل کر کے جب میں مقالہ یونیورسٹی میں جمع کرانے کے لیے ۹ جون ۱۹۷۵ء کو شعبہ اردو میں گیا تو ڈاکٹر نجم صاحب نے مقالے کے دیباچے میں اضافے کے لیے چند مفید مشورے دیے، ۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے دولت کدے لوڈ کیمپس میں وائے واہوا تو ملاقات ہوئی۔ شعبہ اردو میں پی ایچ ڈی کے حامل اصحاب کے نام پتھر سے لکھوانے کے لیے کچھ رقم آپ نے مجھ سے لی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس روز ایک پر تکلف ظہرانے کا قیام بھی کیا تھا۔ ریلوے کی ملازمت چھوڑ کر جب میں نے کیشن کے ذریعے منتخب ہو کر ۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء کو گورنمنٹ ڈگری کالج پسرور (ضلع سیالکوٹ) میں ہلور لیکچرار ڈیوٹی لی تو مرحوم سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا، گا ہے بگا ہے اپنی تحقیقی کتب کی اشاعت پر خطوط لکھتا رہتا تھا۔ مرحوم نے ہمیشہ کتب کی اشاعت پر خوشی کا اظہار کیا۔ ہمیشہ کھلے دل سے تعریف کی۔

## نجم الاسلام صاحب \_\_\_\_\_ چند یادیں چند خطوط

اسلامیہ کالج سکھر کسی زمانے میں بالائی سندھ کا سب سے بڑا کالج تھا۔ یہاں سائنس، کامرس اور آرٹس میں ڈگری اور پانچ مضامین میں ایم۔ اے کی سطح تک تعلیمی سہولیات موجود تھیں۔ کالج کے شعبہ اردو کا یونیورسٹی کے شعبے سے براہ راست تعلق تھا۔ قبلہ و کعبہ استاد اقدس مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سربراہ تھے اور ایم۔ اے اردو کے زبانی امتحان کے سلسلے میں ہر سال سکھر تشریف لایا کرتے تھے اور اپنے ساتھ مرحوم ڈاکٹر ابو الیث صدیقی صاحب صدر شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی کو بھی لایا کرتے تھے۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں غالباً ۱۹۶۳ء یا ۱۹۶۵ء کے سالانہ زبانی امتحان سے فارغ ہو کر کالج سے باہر نکلے تو آں حضور ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ نجم الاسلام صاحب کہاں ملیں گے؟ میں نے عرض کی سامنے ماڈرن ہائی اسکول ہے وہاں ضرور مل جائیں گے۔ چنانچہ جیسا کہ حضور عالی نے اپنی تحریر مطبوعہ انشاء حیدرآباد شمارہ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے ”نجم الاسلام سے ملاقات ہوئی“۔ غالباً نجم الاسلام صاحب کا پہلے سے رابطہ تھا اور اسی باعث قبلہ و کعبہ ان سے ملنے گئے تھے۔

سکھر اس زمانے میں پرسکون اور خاموش شہر تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے سے واقف ہوتا تھا۔ میں بھی نجم الاسلام صاحب کو جانتا تھا لیکن مراسم زیادہ نہ تھے۔ وہ کم آمیز، میں بھی گوشہ نشین، کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ وہ حیدرآباد چلے گئے اور غزالی کالج سے واپس ہو گئے۔ اس زمانے میں پی۔ ایچ ڈی کے لیے یونیورسٹی میں حاضری ضروری ہو کر تھی اور اسی تعلیمی مقصد سے نجم الاسلام صاحب حیدرآباد نکل ہو گئے تھے۔ میرے لیے سکھر چھوڑنا ممکن نہ تھا اس لیے میں داخلے سے محروم رہا۔ لیکن شفیع، کریم، اور مہربان استاد اپنے شاگردوں کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہتے۔ قبلہ و کعبہ ڈاکٹر صاحب نے یونیورسٹی کے قوانین میں نرمی کر دیا کہ مخصوص شرائط پر مجھے بھی داخلہ دے

دیا لیکن حکم یہ تھا کہ دو سال کے اندر کام مکمل ہو جانا چاہیے۔

۱۹۷۱ء کے موسم سرما کے ابتدائی مہینوں کا ذکر ہے جب میں تیار شدہ مقالے کی جلدیں یونیورسٹی کے شعبہ امتحانات میں جمع کرانے حیدرآباد گیا، پرانی یونیورسٹی کے گیٹ پر تانگے سے اترا تو نجم صاحب یونیورسٹی آتے ہوئے مل گئے۔ آٹھ ضخیم جلدوں کے بیڈل دیکھ کر بولے کام ہو گیا؟ میں نے کہا جی ہاں! آگے بڑھ کر انہوں نے چار جلدیں اٹھالیں چار میں نے سنبھالیں پندرہ بیس سیر کا وزن دونوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس وقت نجم صاحب کے چہرے پر جو مسکراہٹ تھی وہ بیان نہیں کی جاسکتی یہ ایک صاحب علم کی شادمانی تھی جو دوسرے کے علمی کام کو دیکھ کر آسودگی اور طمانیت محسوس کر رہا تھا۔ اس زمانے میں ظہور احمد صاحب شعبہ امتحانات کے انچارج تھے نہایت خلیق اور منسار۔ معلوم نہیں اب کہاں ہیں۔ مقالے کی جلدیں ان کے پاس جمع کرا کر ہم شعبہ اردو کی طرف چل دیے راستے بھر نجم صاحب مجھے مبارکباد دیتے رہے اور مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ دوسروں کی علمی کاوشوں کو سراہنا اور خوش ہونا صرف نجم صاحب کی علم پروری کا ظرف تھا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ عام طور پر ”پڑھے لکھے“ طبقے میں یہ وصف شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

جب صدر شعبہ نے تو زبانی امتحان کی غرض سے تشریف لائے، لڑکے تو بہت دور کی خبریں رکھتے ہیں۔ موصوف کو دیکھ کر خوفزدہ ہوئے کیوں کہ ان کا طلباء کی جانچ پر کھ کار عب بہت مشہور تھا۔ میرا بھی یہ پہلا سابقہ تھا۔ اس پیشہ دارانہ کاروبار میں میرا ان کا کچھ ”لینا دینا نہ تھا“ صرف یہ عرض کیا کہ نجم صاحب آج کل طلباء انگریزی معاشیات اور سیاسیات کی طرف زیادہ مائل ہیں بہت مشکل سے اردو میں بیس فیئس لڑکے ہو پاتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا وہ سب سمجھ گئے۔ امتحان شروع ہوا۔ موصوف نے صرف اتنا فرمایا کہ ہم نے یونیورسٹی میں زیادہ سے زیادہ پچھتر نمبر دیے ہیں۔ پھر وہ دلاؤ دیز <sup>کھٹنگلی</sup> سے امیدواروں سے تفریح لیتے رہے۔ ان کے سوالات زیادہ تر لغات، معانی، قواعد، صنائع بدائع اور دیگر لسانی موضوعات سے متعلق ہوتے تھے۔ یہ میری ان سے سال بہ سال کی ملاقاتیں تھیں اور یادگار کے بہ طور وہ گروپ فوٹو تھے جو ہر سال ملتے تھے ۱۹۷۷ء کے شروع مہینوں میں تین چار ماہ کے لخت جگر عزیزی ابراہیم احمد خان کا ایک سر جن سے ختنہ کر لیا، شوی قسمت سے تین رگیں کٹ گئیں خون غیر معمولی طور پر بہت ضائع ہوا اور برین ڈیمج (Brain Damage) ہو گیا، اعصابی نظام جامد ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ علاج کی غرض سے ۱۹۹۵ء میں کراچی آگیا اور انسانوں کے سمندر میں ڈوب گیا ہر طرف سے منہ موڑ کر جگر گوشہ کی خدمت گزار

کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ ایک دن مجھے یہ ٹیلی گرام ملا:

X-NIL AP 127 HYDERABAD IND 29 30

PROFESOR SRDAR AHEDKHAN

2/A/15/202 BUFEZONE KARACHI

CONTACT ME ON PHONE 863102 AFTER 9.00 PM 02 INTIMATE

YOUR NO TELEPHONE CALLY

DR.NAJMUL ISLAM LATIFABAD

LN 14 AH 127 B 511=

میں نے رابطہ قائم کیا، رسالہ تحقیق کی بہت گفتگوری۔ پھر ۱۵ نومبر ۱۹۹۳ء کا یہ خط

موصول ہوا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام

پروفیسر شعبہ اردو

Dated.....

شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو

محترم ڈاکٹر سردار صاحب! سلام و آداب

گرامی نامہ مورخہ (تاریخ درج نہیں) بہت مقالہ موصول ہوا۔ اس سلسلے میں مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا مکتوب گرامی آپ کو ملا تھا۔ تجویز یہ ہے کہ آپ کے مقالے کا کوئی باب جو تحقیقی لحاظ سے زیادہ پرکشش ہو تحقیق کے زیر ترتیب شمارے میں شامل کیا جائے اور اس کے آخر میں کتابیات بھی ہو۔

اس سلسلے میں سردست تو ایک یادِ باب کا عکس مع کتابیات عنایت ہو۔ اس کے بعد حسب

موقع مزید اجزاء بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔

یہ باب یا جزو مشینی کلمات کے ذریعے لیزر کیپوز کیا جائے گا، جس کا ٹریس مہیا کیا جاسکتا ہے۔  
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے لیے آسانیاں بہم فرمائے۔

نیاز مند

محمد الاسلام

خدمت گرامی ڈاکٹر سردار احمد خاں صاحب

202/15-A/2

بفرزون، کراچی

یہاں پر میں قارئین کی توجہ اس طرف دلاؤں گا کہ موصوف اپنے علمی اور فنی طریقہ کار کے ایسے خوگر تھے کہ انہوں نے میرے خط پر تاریخ نہ ہونے کی فروگذاشت کو محسوس کیا اور اس طرف توجہ دلائی۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن اچانک میرے غریب خانے پر تشریف لائے غالباً کراچی کسی تقریب میں آئے تھے۔ اس دن مجھے بہت اچھے لگے۔ سوٹ پر ایک کھلتے رنگ کی ٹائی۔ ہشاش بھاش چہرہ روشن و خوش و خرم۔ میں نے کہا نجم صاحب آج ماشاء اللہ بہت ”چم“ رہے ہیں۔ میری شوخی پر ان کے چہرے پر ایک حیا آمیز مسکراہٹ آگئی۔ فرمایا شکر (شوگر) نے بہت تنگ کیا تھا۔ آج کل انسولین کے انپھنٹھوں پر چل رہا ہوں۔ تم بھی انپھنٹھ لگانا سیکھ لو۔ آرام سے رہو گے۔ کہنے لگے میں نے شعبے میں تمہارا مقالہ بہت تلاش کیا مگر ملا نہیں لہذا اس کی جلد جو آپ کے پاس ہو دے دیں میں خود انتخاب کر لوں گا۔ میں نے کہا شعبے کی جلد بھی قبلہ ڈاکٹر صاحب نے مجھے دے دی تھی۔ کافی دیر مزے مزے کی باتیں ہوتی رہیں پھر وہ مقالہ لے کر چلے گئے۔

خیر پور یونیورسٹی نے مجھے ریسرچ گائیڈ بنایا ہوا ہے۔ عزیز فی ثار احمد سومرون نے میرے پاس کام کیا اور ”اردو میں سندھی لغات“ کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ یونیورسٹی نے نجم الاسلام صاحب سے رجوع کیا۔ موصوف نے اپنی مصروفیات کے باعث ممتحن ہونے سے معذرت کی اور مشورہ دیا کہ کسی اور کو ممتحن مقرر کرالوں۔ میرے پاس قبلہ استاذی ڈاکٹر صاحب کے خطوط ہیں ان کی اشاعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ۱۵-۳-۱۹۹۵ء کو لکھا:

ڈاکٹر نجم الاسلام

پروفیسر شعبہ اردو

Dated:- 15-03-1995

محی ڈاکٹر سردار احمد صاحب اسلام مستون

گرامی نامہ مورخہ ۱۴ مارچ موصول ہوا۔ اطلاع درست ہے، وہ مقالہ میں نے وصول نہیں کیا تھا۔ میری اپنی مصروفیات ایسی تھیں، اور اب بھی ہیں، جن کی بناء پر معذرت کیے ہی بنی۔ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں، کوئی اور حل نکالیں، معذرت خواہ ہوں۔

یہ معلوم کر کے تشویش ہے کہ کراچی میں آپ کی صحت خراب رہنے لگی ہے، خدا صحت عطا فرمائے اور برقرار رکھے۔ مخدومی ڈاکٹر صاحب کے مرتبہ خطوط کی ایک عکسی نقل عنایت فرمائیں۔ یہ علمی نکات پر مشتمل ہیں یا نجی نوعیت کے؟ بہر کیف چھپنے چاہیں۔ دیکھ کر مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ کہاں شایع ہونا بہتر ہوگا۔ اشاعت کی کوئی نہ کوئی بہتر صورت نکل ہی آئے گی۔

نیاز مند

نجم الاسلام

خدمت گرامی:

ڈاکٹر سردار احمد خاں

R-202 / 15 / A / 2، ہلز زون، کراچی۔

تحقیق کے مجلہ ۱۲ میں انہوں نے میرے مقالے کا ایک حصہ شامل کیا۔ میں نے ان کو لکھا کہ اگر اس کا ٹریس مل جائے تو اصل کتاب چھاپنے میں کفایت ہو جائے گی اس کے جواب میں انہوں نے نثار احمد سومرو کا ممتحن منے سے پھر معذرت کی اور مجھے مشورہ دیا کہ قبلہ استاذی سے خط و کتابت سے تعلق رکھوں ان سے ملنا جلنا اس لیے بہتر نہیں کہ اب بہت نحیف ہو گئے ہیں میں نے ان سے کہا کہ مقالے کی جلد میں کسی ذمہ دار شخص سے منگوالوں کا آپ ڈاک سے نہ بھیجیں اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:



ڈاکٹر نجم الاسلام  
پروفیسر شعبہ اردو

Dated:- 15-10-1998

محترم ڈاکٹر سردار صاحب!

سلام و آداب

گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ کے مطبوعہ مقالے کا ٹریس اب نہیں مل سکتا۔ کچھ عرصے تک کمپیوٹر میں کتابت کو محفوظ رکھا جاتا ہے پھر نکال دیا جاتا ہے۔ یوں بھی یہ مشینی کتابت باریک فونڈ پر تھی اور کتابی شکل کے لیے موزوں نہیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ نسبتاً جلی فونڈ پر اس کی دوبارہ کتابت ہو۔ اگر کفایت ہی منظور ہے تو پھر مطبوعہ مقالے کے لور ابق سے عکسی نقل فوٹوکاپی مشین سے نکلوائیں، بٹر پیپر یا ٹریسنگ پیپر پر عکسی نقل عمدہ طور سے نکل آتی ہے اور اس کی کاپیاں پریس میں چھپائی کے لیے بن جاتی ہیں۔ از سر نو مشینی کتابت کے مقابلے میں ٹریس پر خرچ کم ہوتا ہے، بٹر پر اس سے بھی کم۔ لیکن خوبی از سر نو مشینی کتابت کرانے میں ہے۔

کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آپ ”فضلی سنز اردو بازار کراچی“ سے اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں بات کریں۔ شاید وہ چھاپنے پر آمادہ ہو جائیں۔ وہ ایک بڑے ناشر ہیں اور چھاپ سکتے ہیں۔  
مخلص

نجم الاسلام

مزید: (۱) ایم۔ اے، سال دوم کے پرچے کے لیے کون سی کتاب آپ کو مطلوب ہے، نام لکھیے تاکہ بھیجی جاسکے۔

(۲) مقالے کا ممتحن بننے سے میں نے معذرت کر لی تھی اور اب بھی یہی صورت ہے۔ اب بھی معذرت ہے۔ ملتمس ہوں کہ میرا نام نہ دیں۔

مخدومی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اب اکثر میرا رابطہ خط کے ذریعے ہوتا ہے۔ آپ بھی یہی کیجئے۔ اسی میں سہولت ہے، آپ کے لیے بھی اور ڈاکٹر صاحب کے لیے بھی۔ بڑھتی ہوئی عمر میں یہی بہتر ہے کہ خط سے رابطہ رہے۔ (نجم الاسلام۔ حاشیے کی عبارت)

غالباً مارچ یا اپریل ۱۹۹۹ء میں، زیر تریب کتاب بہادر شاہ ظفر۔ شخصیت، اور فکر و فن پر چند کلمے قبلہ و کعبہ ڈاکٹر صاحب سے لکھوانے کے لیے حیدر آباد گیا، شام کو ایک صاحب کے ساتھ نجم الاسلام صاحب کا دولت کدہ تلاش کرتا ہوا پہنچا۔ ملاقاتی کمرے میں جو شاید ان کے مطالعے کا کمرہ بھی تھا کام کر رہے تھے۔ میز پر بہت سے کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ اوہر اوہر کتابوں رسالوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کوئی اہم کام کر رہے تھے۔ محبت کے ساتھ ہٹھایا بہت خوشی کا اظہار کیا تو واضح کے لیے اٹھنے لگے میں نے منع کیا اور کہا کہ قبلہ استاذی کے ہاں سے بہت کچھ خاص طور سے مٹھائی کھا کر آیا ہوں۔ فرمایا وہاں پھر پہنچ گئے؟ ان کے اس طرح سے پوچھنے پر ایک لہری دل میں اٹھی میں نے کہا سالہا سال سے قبلہ و کعبہ کے گھر کے کھانے کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ آج بھی بہت سی مٹھائی کھائی چونک کر فرمایا شکر کا مرض ہے اور مٹھائی کھائی ہے؟ میں نے ان کے اضطراب میں اضافہ کرنے کے لیے ایک قصہ سنایا کہ ایک دفعہ قبلہ و کعبہ کے ہاں کھانا کھایا۔ پھر آں حضور مجھے قسم قسم کی مٹھائی دیتے رہے اور میں کھاتا رہا۔ بھلا نجم صاحب آپ ہی بتائیں کہ قبلہ و کعبہ عطا فرمائیں اور میں انکار کروں؟ کوئی پو پھر مٹھائی ضرور کھائی ہوگی بہت لذیذ تھی پھر میں پہلی گاڑی سے سکھر چلا گیا۔ شکر چیک کی مارل نکلی۔ نجم صاحب نے جھجک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ وہ مجھے مٹھوک نظروں سے دیکھنے لگے جیسے میں اصلی سردار احمد نہیں کوئی پراسرار ہیولہ ہوں۔ میرے اندامیان سے ان کے چہرے پر کام کی جو ماندگی تھی کم ہونے لگی اور خود بھی مختلف لوگوں کے لطیفے سنائے۔ میں نے اجازت چاہی۔ باہر تک چھوڑنے آئے گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے۔ ان کا بھولا بھالا معصوم چہرہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہرگز معلوم نہ تھا کہ میری آخری ملاقات ہے۔

انہیں میرا مقالہ واپس کرنے کی بہت فکر تھی۔ میں نے انہیں لکھا کہ آپ ڈاک سے نہ بھیجیں میں کسی ذمے دار شخص سے منگوا لوں گا۔ جواب میں مجھے لکھا:

ڈاکٹر نجم الاسلام

پروفیسر شعبہ اردو

Dated.....

محترم ڈاکٹر سردار صاحب!

سلام و آداب!

گرامی نامہ موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ مقالہ واپس لے جانے کے لیے وہ صاحب

ابھی تک تشریف کیوں نہ لپائے۔

ایک لحاظ سے یہ اچھا ہوا، کیوں کہ ارادہ ہوا ہے آپ کے مقالے کا مزید کچھ حصہ بہ طور قسط دوم زیر ترتیب شمارے میں (رسالہ تحقیق کے شمارہ دو از دوہم میں) شامل کیا جائے۔ شروع کے تین ابواب پہلے چھپ چکے ہیں۔

مخلص

مجموعہ الاسلام

خدمت گرامی :

جناب ڈاکٹر سردار احمد خاں صاحب

202/15-A/2

بغرزون، نار تھہ کراچی،

کراچی۔

مراسلت کے لیے :

ڈاکٹر نجم الاسلام

پروفیسر شعبہ اردو

سی ۲، بلاک سی، یونٹ نمبر ۶،

لطیف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)

تحقیق کا بار ہواں شمارہ مجھے ارسال فرمایا۔ میں نے شکریے کے ساتھ شاید لکھا تھا کہ اس جگر کاوی کو آپ کا جگر ہی جانتا ہوگا۔ اس کے جواب میں ۲۰۰۰-۱۱-۱۱ کا یہ خط موصول ہوا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام

پروفیسر شعبہ اردو

Dated.....

مجی ڈاکٹر سردار صاحب!

سلام و آداب

گرامی نامہ مورخہ ۳۰ اکتوبر موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ رسالہ تحقیق کا تازہ شمارہ

آپ کو مل گیا ہے۔ کلمات تحسین کے لیے تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ گمریلو پریشانیوں میں گمرے ہونے کے باوجود اور صحت کے مسائل کے ہوتے ہوئے بھی بہادر شاہ ظفر پر کام میں منہمک رہنا اور اسے پایہ تکمیل کو پہنچانا آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ اس کتاب کے طبع ہونے کا انتظار رہے گا۔ خدا آپ کو صحت مند اور سلامت رکھے۔

مخلص

نجم الاسلام

خدمت گرامی :

جناب ڈاکٹر سردار احمد خاں صاحب

202/15-A/2

بفرزون، نار تھہ کراچی،

کراچی۔

مراسلت کے لیے :

ڈاکٹر نجم الاسلام

پروفیسر شعبہ اردو

سی ۷، بلاک سی، یونٹ نمبر ۶،

لطیف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)

پس نوشت : محترم آفاق صدیقی صاحب کا، ڈاک کا پتا معلوم ہو تو ازراہ کرم تحریر فرمائیے، ملاقات ہو جاتی ہو تو میرا سلام بھی پہنچائیے اور مجھے ممنون کیجیے۔ میں انہیں رسالہ تحقیق کا ایک نسخہ بھیجنا چاہتا ہوں۔

دست خط۔ 4/11/200

عزیزی محمد یوسف خشک، نجم الاسلام صاحب کے ہونہار شاگرد ہیں اور شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیرپور میں شعبہ اردو کے سربراہ ہیں۔ پہلی ملاقات میں بہت اچھے لگے بالکل جانے

پہنچانے۔ انہوں نے اپنے واجب التعلیم استاد کی شخصیت کو اپنی ذات میں سمولیا ہے۔ وہی کام لگن، وہی انہماک، وہی متانت، وہی استغراق، شائستگی، فلسفہ، کم گوئی، خندہ زیر لبی سب کا سب استاد کا روپ۔ ہر سال شعبہ اردو سے اپنے استاد کی طرح مجلہ ”الماں“ نکالتے ہیں اور اپنی محبت کے باعث مجھے بھی متعارف کرانے کے لیے لکھنے کی فرمائش کرتے ہیں۔ ”الماں“ ۱۹۹۹ء میں انہوں نے میرا مضمون ”میر سوز کے تلامذہ اور مقلدین“ شامل کیا تھا۔ ۲۰۰۰ء کے الماں میں انہوں نے میری زیر طبع کتاب ”بہادر شاہ ظفر۔ شخصیت اور فکر و فن“ سے ایک حصہ لے کر ”ذوق و ظفر“ کے عنوان سے شامل اشاعت کیا۔ اس کی بہت ۴ جنوری ۲۰۰۱ء کے خط میں اس طرح اظہار خیال فرمایا:

ڈاکٹر نجم الاسلام  
پروفیسر شعبہ اردو

Dated.....

محترمی ڈاکٹر سردار صاحب ا

سلام و آداب

عید کارڈ موصول ہوا۔ شکریہ

اسی دن الماں شمارہ دوم خیر پور سے پہنچا، اس میں آپ کے مقالے ”ذوق و ظفر“ کا پہلا حصہ پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ نے عمدہ طور پر لکھا ہے اور ظفر کے ساتھ زیادتی کرنے والے حامیان ذوق کی خوب خبر لی ہے۔ اب اس مقالے کے دوسرے حصے کا انتظار رہے گا۔

آپ کا مقالہ علمیہ، میر سوز پر، میرے پاس آپ کی امانت ہے۔ آپ فرمائیں تو رجسٹرڈ پوسٹ سے واپس کر دیا جائے۔ یا پھر جس طرح آپ چاہیں۔ اس کے دونوں مقالات مطبوعہ تحقیق شمارہ ۱۲-۱۳ کے آف پرٹس بھی پوسٹ کیے جائیں گے، عن قریب، ان شاء اللہ۔

مخلص

نجم الاسلام

لٹر انجمن الاسلام  
ڈیفنسر شعبہ اردو

Dated.....

خدمت گرامی :

اب ڈاکٹر سردار احمد خاں صاحب

202/15-A/

زون، نار تھ کراچی،

اپنی۔

مراسلت کے لیے :

لٹر انجمن الاسلام

ڈیفنسر شعبہ اردو

ٹائٹل ۲، بلاک سی، یونٹ نمبر ۶،

لیف آباد، حیدر آباد سندھ (۷۱۸۰۰)

انجمن الاسلام صاحب کے ہاں ”من ترا حاجی بھویم تو مرا حاجی بھو“ کا چلن نہیں تھا انہوں نے کوئی حلقہ یا بہ قول لوگوں کے اپنی ”لاٹھی“ بنا کی نہ کسی سے اپنے لیے تعریف و توصیف چاہی اور نہ کسی کی خوشنودی کے لیے بے جا تعریف کی۔ وہ اتنے علم پرور تھے اور اتنے قدر شناس کہ از خود تحسین و آفرین کرتے تھے۔ ان کی پسندیدگی سے بہت اطمینان ہوا۔ بہت مسرت ہوئی، جی چاہنے لگا کہ دوسری قسط بھی ان کی نظر سے گذرے۔ ان کا محتاط اور معجز قلم بہت سنبھل سنبھل کر چلا تھا۔

میرے ایک کرم فرما اہوار صاحب ہیں۔ حیدر آباد میں رہتے ہیں کراچی میں ملازمت کرتے ہیں اور حیدر آباد میں گزارتے ہیں۔ میں نے انجمن صاحب کے نام پر چھ دیا کہ مقالے کی جلد حاصل رقم ہذا کو دے دیجئے۔ ۱۱ فروری ۲۰۰۱ء کو اہوار صاحب نے کتاب ان سے لے لی اور ۱۲ فروری کو میرے مقالے کی جلد اور طبع شدہ مضمون کی بہت سی کاپیاں اہوار صاحب نے مجھے

پہنچائیں اور کہا کہ آپ کو بہت بہت سلام کہا ہے۔ کراچی میں گوشہ نشینی کی زندگی ہے۔ میں ہوں میرا جگر گوشہ اور اس کی خدمت گزار۔ اخبار پر اچھتی نظر پڑی یا نہ پڑی۔ ۱۶ فروری کو عزیز یوسف خشک کا فون آیا کہ کل کراچی آپ کے پاس آرہا ہوں۔ ۷ فروری کو وہ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ دل شکستہ آواز سے انہوں نے نجم الاسلام صاحب کی رحلت کی خبر سنائی۔ یہ زندگی بھر کی اچانک اور بری خبروں میں سے ایک بری خبر تھی۔

میرے مقالے کی جو جلد تھی اس کو وہ میری امانت لکھتے رہے اور جلد سے جلد اس کو واپس کرنے کا لکھتے رہے وہ بہت بڑے امانت دار تھے۔ امانت واپس کرنے کے بارہ گھنٹوں میں انہوں نے اپنی جان، آفرین کے سپرد کر دی۔ میری آنکھوں کے سامنے ان کا پاکیزہ چہرہ آگیا۔ اب میرے مضمون کی دوسری قسط کون دیکھے گا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ اپنی تصنیف خود حیدرآباد جا کر پیش کروں گا۔ وہ میری محنت کو اس طرح سراہیں گے جیسے انسان اپنی محنت کو بیان کرتا ہے۔ وہ اتنے بڑے انسان تھے کہ انہوں نے کبھی اپنی بزدلی کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے علم و عمل کا ایک اسلوب قائم کیا۔ اچھی نظیریں اور مثالیں چھوڑیں۔

زندگی ایک فریب ہے۔ اس جہان رنگ و بو میں قدم رکھتے ہی انسان اس فریب کا شکار ہو جاتا ہے حالاں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ”مٹھے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے“ مگر ذہن اس طرف مائل نہیں ہوتا۔ پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے ہیں وہ ہم سے بہت دور جنت کی فضلوں میں مامون و مسرور ہوں گے۔ زندگی اور موت کوئی حیرت انگیز کیفیت نہیں ہے۔ یہ تو کائنات کی تقدیر کے دو نشان ہیں۔ لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جن کے مرے پیچھے زندگی لوگ ان کو اچھے الفاظ سے یاد کریں اور وہ اپنے پیچھے ایسے افراد چھوڑ جائیں جو دیدہ دور ہوں۔ جو انسان زندگی کو علم و دانش سے معمور کر دینے والے ہوں۔

نجم الاسلام صاحب نے اپنی خودی کی بھی تعمیر کی اور اپنے نوجوانوں کو بھی خود آگاہ کیا۔ اہل علم کے ہاتھ کا لکھا ہوا کاغذ کا ایک پرزہ بھی نہ ان کی ملکیت ہوتا ہے اور نہ ان کی جن کے ہاتھ لگ جائے۔ وہ تو طالبان علم کی امانت اور میراث ہوتا ہے۔ بہ قول غالب ”چند حسینوں کے خطوط“ اپنی زندگی ہی میں مشتاقان دید کی نذر کر دوں تاکہ دیانت اور امانت داری کا حق ادا ہو جائے اور مرحوم کے اعلیٰ اوصاف کی تشییر ہو سکے۔

## ڈاکٹر نجم الاسلام۔۔۔۔۔ چند یادیں، چند باتیں

جامعہ سندھ سے ۱۹۵۸ء میں بی، اے آنرز (اردو) کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں، کوٹری سے سکھر چلا گیا تھا، جہاں میرے بہوئی سید محبوب حسن ریلوے میں انجینئر تھے۔ عجب اتفاق کہ ریلوے ہائی اسکول سکھر، میں ایک ٹیچر کی اسامی خالی تھی۔ اس وقت اسکول کے ہیڈ ماسٹر عبدالرب صاحب تھے۔ میں حسن صاحب کو بہ غیر بتائے ان کے پاس پہنچ گیا۔ موصوف نے میری علمی کارکردگی دیکھی اور کوٹری ہائی اسکول میں میرا تین سالہ تدریسی تجربہ دیکھا تو فوراً ہی رکھ لیا۔ اس طرح مجھے اس اسکول اور خاص طور پر اس کمرے میں پڑھانے کا سنہری موقع ملا جہاں میرا جی نے تعلیمی مراحل طے کیے تھے۔

ریلوے اسکول میں سیکنڈ ہیڈ ماسٹر جناب مبارک حسین تھے۔ انھوں نے نام و در نقاد پروفیسر کلیم الدین احمد کے زیر سایہ انگریزی ادب میں بی، اے (آنرز) اور ایم، اے کے کورس کی تکمیل کی تھی۔ اردو کے نام و در غزل گو حضرت شاد عظیم آبادی کے شاگرد رشید حضرت حمید عظیم آبادی، مبارک صاحب کے والد تھے اور ان ہی کے ساتھ رہتے تھے۔

مبارک صاحب مرعجان مرعج طبیعت کے آدمی تھے۔ شاعر بھی تھے، ادیب بھی اور مصنف بھی اچوں کہ میری ان سے گہری دوستی ہو گئی تھی، لہذا ہم دونوں شاعری بازار سے ہوتے ہوئے گھنٹہ گھر پہنچے جہاں کاٹھیادار کے رہنے والے ایک شخص کا پریس تھا۔ وہ مبارک صاحب کی کتابیں شائع کیا کرتا تھا۔ وہاں سے مبارک صاحب مجھے گھر چھوڑنے جایا کرتے (یعنی حسن صاحب کے گھر پر)۔ راستے میں جہاں شمس مرحوم کے روزنامہ ”کلیم“ کا دفتر تھا، وہیں میونسپل لائبریری کے متصل پختہ اور اعلیٰ درجے کے مکانات تھے۔ ہم دونوں ان تمام ملاقے سے بے پروا ڈھلوان میں اتر جاتے۔ میں اپنے گھر چلا جاتا اور وہ تانگے کے ذریعے پرانا سکھر روانہ ہو جاتے۔ ہفتے میں دو ایک دن یہ ”مٹر کشتی“



ضرور انجام پاتی۔

ایک دن ڈھلوان میں اترنے کی بہ جائے مبارک حسین صاحب میونسپل لائبریری  
ملحقہ مکانات کی طرف چلے گئے اور بہ آواز بلند پکارنے لگے۔

”فاروق صاحب! فاروق صاحب!“

میں اس نام سے واقف نہ تھا اور کچھ پوچھنا بھی غیر اخلاقی بات تھی، لہذا خاموش رہا۔ کچھ  
عیسوی بعد دروازہ کھلا۔ دیکھا کہ لائے قد اور بھرے بھرے بدن کے ایک شخص دروازے سے باہر  
رہے ہیں۔ روشن چہرہ، لیوں پر ملکوٹی مسکراہٹ، آنکھوں میں معصوم سی چمک! میں نے سمجھا کہ یہی  
فاروقی صاحب ہیں جنہیں مبارک صاحب آواز دے رہے تھے، مگر وہ تو کوئی اور تھے جو یہ کہہ رہے  
تھے:

”فاروقی صاحب اس وقت گھر میں موجود نہیں ہیں۔ آئیے! اندر تشریف لائیں۔ کوئی  
کام ہو تو بتائیں۔“

”بچم الاسلام صاحب! کوئی خلع بات نہیں! فاروقی صاحب کے اسکول کے متعلق کچھ  
باتیں دریافت کرنی تھیں۔ اور بس! میں چلتا ہوں۔“

یہ کہہ کر مبارک صاحب مڑے، میں بھی انھی کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ البتہ دل میں ایک  
ہوک سی اٹھ رہی تھی۔ یعنی یہ فاروقی صاحب کون ہیں اور یہ صاحب جو ان کی نیابت کر رہے ہیں، آخر  
یہ کون ہیں؟ استفسار کرنے پر پتا چلا کہ فاروقی صاحب سکھر کے ایک بہت اعلیٰ درجے کے انگلش  
میڈیم اسکول میں مدرس ہیں اور یہ بچم الاسلام صاحب ان کے عزیز ہیں۔

لکھنے پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں، ادبی رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی ہیں۔ اس سے  
زیادہ کچھ اور معلوم نہ ہو سکا۔

پھر ان صاحب کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں اس قدیم شہر میں ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء  
تک مقیم رہا۔ اس دوران وہاں بڑے بڑے ادبی اجتماع ہوئے۔ پاک و ہند مشاعرے منعقد ہوتے  
رہے۔ پاکستان رائٹرز گلڈ کے تحت مد اور م پروفیسر آفاق صدیقی پاکستان بھر کے لویوں اور شاعروں کو  
بلواتے رہے۔ خود میرے خاندانی بزرگ پروفیسر ڈاکٹر نعیم ندوی بہ حیثیت پرنسپل، اسلامیہ کالج،  
علمی دہلی قسم کی مجلسوں کا انعقاد کرتے، حتیٰ کہ بلوائے اردو مولوی عبدالحق کو بھی اپنے لوہارنے میں  
مدعو کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ادھر، مران ہال میں شیخ یاز، شیخ عبدالرزاق راز، نکتہ مدنی،

حسن حمیدی اور مظہر جمیل کی مساعی جمیلہ کی بدولت بڑے بڑے سیمینار منعقد ہوتے۔۔۔ مگر عجیب بات کہ ایسی تمام محفلوں، مجلسوں، مذاکروں، مشاعروں اور ادبی سنگتوں میں کبھی نظر آتے، مگر ایک نجم الاسلام دکھائی نہ دیتے۔ نہ وہ کبھی شاہی بازار میں گھومتے نظر آئے نہ گھنٹہ گھر کے آس پاس دکھائی دیے۔ استفادہ پر اتنا پتا چلا کہ وہ کم سخن ہیں، کم آمیز ہیں اور ”ہاؤ ہو“ قسم کی محفلوں میں جانے سے اجتناب برتتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں مرحوم سے قریب نہ ہوسکا، حتیٰ کہ مبارک صاحب کے ساتھ ان کی دہلیز پر جانے کے بعد جو پلٹا تو پھر کبھی نہ گیا۔ اور یوں سکھر میں ان سے یہ پہلی ملاقات وہاں کی آخری ملاقات تھی!

سندھ یونیورسٹی سے پرائیوٹ طور پر ایم اے کرنے کے بعد میں جون جولائی ۱۹۶۱ء میں کراچی آ گیا اور پھر نان جوئس کا جوہانن کر مختلف کالجوں، اداروں، ادبی مجلوں کے دفاتر میں وقت گزارتا رہا، حتیٰ کہ ۱۹۷۲ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن سے وابستگی ہوئی۔ اسی دوران استاذی الحترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ، کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی بہانے سندھ یونیورسٹی جام شورو کے چکر لگتے رہے۔

اب جو شعبہ اردو میں آنا جانا شروع ہوا تو ۱۹۵۸ء کا وہ منظر جو سکھر کے دوران قیام نظر سے گزر چکا تھا، پھر سامنے آ گیا۔ لا باقہ، بھر بدن، روشن چہرہ، لبوں پر ملکوتی مسکراہٹ، آنکھوں میں معصوم سی چمک اور چہرے پر دلآویز واڑھی! یعنی نجم الاسلام صاحب یہاں براجمان ہو چکے تھے۔ اپنی تمام تحقیقی کاوشوں، علمی مشغولیوں اور تدریسی تجربوں کے ساتھ!

میں جب بھی کراچی سے بہ ذریعہ بس جام شورو پہنچتا اور شعبے میں داخل ہوتا تو مرحوم نہایت تپاک سے خیر مقدم کرتے، فوراً ٹھنڈا پانی منگواتے اور پھر چائے بسکٹ سے تواضع کرتے۔ میرے ایم اے کے تحقیقی مقالے ”اردو میں چوں کالوب“ کی بے حد تعریف کرتے۔ (واضح رہے کہ قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ کی نگرانی میں تیار کیا جانے والا یہ ضخیم مقالہ مخدومی ڈاکٹر ممتاز حسن، بانی و صدر نیشنل بینک آف پاکستان کی وساطت سے شائع ہو چکا تھا)۔ اور اب میری یہاں آمد پر ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالے ”جگ آزادی کے اردو شعراء“ کی پیش رفت کی بابت دریافت کرتے، مگر کوئی مشورہ دینا سوائے لوب سمجھنے کے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں قبلہ کی نگرانی میں کام کر رہا تھا اور یوں نجم الاسلام صاحب مجھے اپنا ”ہم کتب“ سمجھتے۔ ویسے میں خود کو اس ”اعزاز“ کا قطعاً حق دار نہیں سمجھتا۔

چہ نسبت خاک ربا عالم پاک!

اگرچہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے میری دو بد و ملاقات بہت ہی کم رہی ہے، لیکن جامعہ سندھ اور خصوصاً قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی کے حوالے سے مرحوم نے میرے نہاں خانہ دل میں اپنی پر خلوص ذات، بے لوث محبت، قابل احترام استاد، اعلیٰ پائے کے محقق اور بھلے انسان کے طور پر جو ایک جگمگاتی جگہ بنالی ہے، اس کی تلمیحاکی زیر لحد بھی میرے خاکسردن میں قائم رہے گی کہ اس ”مرد مومن“ نے کبھی نام لے کر مجھے مخاطب نہیں کیا۔ جب بھی ہم کلام ہوئے، ”شاہجی“ کہہ کر خطاب کیا۔

اس وقت جب موصوف لبدی نیند سوچکے ہیں، میرے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ آخر سکھر کے تین سالہ قیام کے دوران، ڈاکٹر صاحب سے ایک ہی ملاقات کیوں ہوئی اور وہ بھی سر رہا ہے! اور سننے میں یہی آتا رہا کہ وہ کم سخن بھی ہیں اور کم آمیز بھی! اب، تقریباً نصف صدی بعد، پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو موصوف کی یہ ”فطرت“ حق بہ جانب تھی!۔ اس لیے کہ وہ دنیائے تحقیق کے آئینی تھے۔ ادنیٰ تلاش و جستجو ان کا خاص میدان تھا۔ ایسے کام میں ”ہلو ہو“ کا گزر نہیں ہوتا، سیر سپاٹے کی گنجائش نہیں ہوتی، مڑ گشتی کا تصور بھی محال ہے۔ تحقیق کے گہرے سمندر میں غوطہ زنی ہاشما کا کام نہیں۔ یہ تو پتہ مارنے کے مترادف ہے۔ کوہ کنڈن، کاہر آوردن کی مثال ہے۔ رات کی تاریکی میں جب سارا عالم جو خواب ہوتا ہے، محقق اپنے لہو کے چراغ جلا کر اوب کے آثار کا کھوج لگاتا ہے۔

اور ہمارے محترم ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم ایسے ہی محققین میں تھے۔ بھلا، انھیں کہاں فرصت کہ گھنٹہ گھر کی سیر کرتے پھریں، مہران سنٹر میں بیٹھے مشاعرہ ساعت فرماتے رہیں، دوستوں کے ساتھ ہوٹلوں میں بیٹھے چائے کی پیالیاں اٹڈپتے رہیں۔ وہ تو اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ تحقیق کے گنے جنگل میں آبلہ پائل کرتے گزار دینا چاہتے تھے۔ اور انھوں نے زندگی بھر یہی کارنامہ عظیم انجام دیا۔۔۔ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر، محفلوں سے دور رہ کر، خوش فعلیوں سے منہ موڑ کر! جیسی تو نجم الاسلام دنیائے تحقیق کے نجم درخشندہ بنے اور آنے والے محققوں کے لیے راہ اجال گئے۔ اس سعی و کاوش، اس جدوجہد، اس جاں فشانی، اس پتہ ماری اور اس بے آرامی کا حاصل مرحوم کے وہ معرکہ لارا مضامین و مقالات ہیں جو اردو کے بلند پایہ مجلات میں شائع ہو کر بڑے بڑے جغادریوں سے ولو تحسین حاصل کرتے رہے۔ اور پھر ان کی زیر نگرانی ریگ زار سندھ سے خیابان اوب کی صورت

رنے والا رسالہ ”تحقیق“ ان کے گراں قدر کارنامے کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔  
 میونسپل لائبریری سے متصل چھوٹے سے ایک مکان میں سب سے الگ تھلگ رہ کر  
 تحقیق میں سرکھپانے والے لور لطیف آباد کے ایک دور افتادہ مسکن میں مقیم ہو کر اردو ادب کی قرار  
 قعی خدمت سرانجام دینے والے ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کی روح پر فتوح آج یہ اعلان کرنے میں  
 تباہ جانب ہے :

عزت است بر جریدہ عالم دوام ما



## نجم الاسلام کے خطوط عارف نوشاہی کے نام

ڈاکٹر نجم الاسلام (وفات ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء) کے لیے میرے تعارف کی وجہ میرا رسالہ (بہ اشتراک دیگر ان) ”کتاب شناسی“ بنا (۱) اور میری ان سے شناسائی ان کے مجلے ”تحقیق“ سے ہوئی۔ دونوں رسالوں کا مزاج اور منہاج ایک ہی تھا۔ لیکن کتاب شناسی وسائل کی عدم دستیابی کے باعث تین اشاعتوں کے بعد جاری نہ رہ سکا، ”تحقیق“ کے ڈاکٹر نجم الاسلام نے تیرہ شمارے نکالے۔ خدا کرے یہ ان کے بعد بھی شائع ہوتا رہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے ”تحقیق“ کو ایک ایسا واقعہ مجلہ بنا دیا تھا گویا مولوی محمد شفیع مرحوم کے زمانے کے اور نیٹل کالج میگزین (لاہور) کی تجدید ہو گئی ہے۔ بیسویں صدی کے آخری ربع میں ”تحقیق“ کا پورے برصغیر میں کوئی مد مقابل نہ تھا۔ ٹھیک ہے رسائل کی اشاعت کے لیے ”زر“ کی بھی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ”تحقیق“ نے اپنے امتیاز کی سعادت بہ زور حاصل نہیں کی، بلکہ یہ محض ڈاکٹر نجم الاسلام کی جاں کا ہی نور ان کے علمی مرشد مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی کے انقاس طیبہ کے بدولت ہے۔ جس مجلے کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر مختار الدین احمد اور ڈاکٹر نذیر احمد (اللہ تعالیٰ سب کا سایہ مدام رکھے) جیسے ثقہ محققین کا تعاون حاصل ہو وہ اسم باسمنی ہوگا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام سے اپریل ۱۹۸۹ء میں تعارف ہوا، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک قلبی اور قلمی تعلق کی صورت میں استوار ہوتا چلا گیا اور آخری وقت تک پایدار رہا۔ ڈاکٹر صاحب کا آخری خط ۱۲ جولائی ۲۰۰۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس گیارہ سالہ دور مراسلت میں ان کے بیس مکاتیب اور دو بقیے ملے۔ میں ستمبر ۱۹۸۹ء تا جولائی ۱۹۹۳ء تہران میں رہا، اس دوران بھی ان سے برہم رہا۔

(۱) کتاب شناسی کے شمارہ لول و دوم پر ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کے شمارہ ۳/۱۹۸۹ء میں تبصرہ کیا۔

رہا۔ میں نے تہران میں مقیم ایک ہندوستانی نوجوان محقق ڈاکٹر سید حسن عباس صاحب کو ”تحقیق“ سے متعارف کروایا اور ان سے مضمون ”ایران میں اردو مخطوطات“ لکھوا کر ”تحقیق“ میں چھپوایا۔ ڈاکٹر نجم الاسلام سے کہہ کر تہران یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے لیے ان کی تصانیف حاصل کیں اور شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کا تعلق کچھ ایرانی علمی رسائل سے برقرار کیا۔ تہران سے واپس آکر بھی ڈاکٹر صاحب سے مسلسل رابطہ رہا۔ وہ ”تحقیق“ کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنے کے لیے کہتے رہتے لیکن میں بہت کم وقت نکال پایا اور شاید صرف دو مضامین ہی پیش کر سکا۔

مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں پڑتا کہ آیا ڈاکٹر صاحب سے ان گیارہ سالوں میں کوئی روبرو ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ لیکن یہ ضرور یاد ہے کہ ۱۹۹۸ء میں جب وہ غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی کی طرف سے غالب سینار کے لیے مدعو تھے تو انہوں نے حیدرآباد سے مجھے فون کیا اور ویزے کے حصول کے سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کیں (میں بھی مدعو تھا)، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ڈاکٹر صاحب سے بالمشافہ ملاقات ہوئی یا نہیں، کیوں کہ ان کے خطوط اور ”تحقیق“ کے ذریعے میں انہیں اپنے قریب ہی پاتا تھا اور اب بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں ان سے نہیں ملا۔ خدا ان کے آخری درجات بلند فرمائے۔



## ڈاکٹر نجم الاسلام۔۔۔۔۔ چند تاثرات

جہاں بہت سے نامور محققین، ادیب اور شاعر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے وہاں ڈاکٹر نجم الاسلام بھی اپنے حصے کا وقیع اور قابل ذکر کام کر کے اس بستگی کی طرف تشریف لے گئے جہاں سے آج تک کوئی واپس نہیں آیا لیکن وہ ہم لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ اہل علم ہمیشہ زندہ رہتے ہیں صرف مقام بدل جاتا ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام نے اپنے پیچھے تحقیقی علم اور تنقید کا جو اثاثہ چھوڑا ہے وہ تشنگان کور ہمتی دنیا تک سیراب کرتا رہے گا، یہ مقام و مرتبہ ان کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

میرا ایک طویل عرصے تک سکھ سندھ سے تعلق رہا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام انڈیا سے ہجرت کرنے کے بعد غالباً سکھ آئے تھے۔ انہوں نے ماڈرن ہائی اسکول میں کچھ عرصے پڑھایا تھا۔ شاید بہت سے لوگوں کو یہ علم نہ ہو کہ وہ فزکس اور کیمسٹری کے بھی بے مثل استاد تھے۔ ماڈرن ہائی اسکول میں وہ ان اساتذہ میں شامل تھے جن کا دور دور شہرہ تھا۔ ان کے برادر نسبتی محترم بدرالدین فاروقی صاحب وہاں وائس پرنسپل ہوا کرتے تھے۔ اتفاق سے دونوں حضرات کے گھرانے ہمارے پڑوس ہی میں تھے اور ان لوگوں کا انتہائی شریف النفس اور خاندانی حضرات کی حیثیت سے احترام کیا جاتا تھا خود اسکول کے پرنسپل عبدالصمد خان انہیں دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ میں نے میٹرک تک ان سے پڑھا اور پھر وہ اسی اسکول میں میری اسٹینٹ ٹیچر کی حیثیت سے تقرری کے بعد میرے بزرگ ساتھی بن گئے۔ اس سے قبل میں نے انہیں ایک انتہائی قابل اور شفیق استاد کی حیثیت سے دیکھا اور پرکھا تھا اور اب وہ اسٹاف روم میں ہمارے قابل احترام ساتھی کی حیثیت میں ہمارے سامنے تھے۔ وہ کم گو تھے لیکن علم و ادب یا سماجی موضوعات پر گفتگو کرتے وقت سب ان کے تبحر علمی سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ پاتے تھے۔ ان میں مزاح کو ابھارنے کی جو صلاحیت تھی اس سے محفل کشت

زعفران ہو جایا کرتی تھی اتفاق سے ایک بار چند اساتذہ نے ان سے کہا کہ تنخواہ ختم ہو گئی ہے اور مشکل سے گزارا ہو رہا ہے اس سلسلے میں کچھ کیجیے۔ پرنسپل عبدالصمد خان بہت رعب دار شخصیت کے مالک تھے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کو اپنی پتاسنا تا۔ ڈاکٹر نجم الاسلام مسکرائے مگر خاموش رہے۔ دوسری صبح سب نے دیکھا کہ انھوں نے ایک شعر اسٹاف روم میں لکھا اور پڑھانے میں مشغول ہو گئے۔ عبدالصمد خاں صاحب کا وہاں سے گزر ہوا۔ انھوں نے شعر پڑھا اور تیزی سے آفس پرنٹنگ کے پاس گئے اور اسے کچھ ہدایات دے کر اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ آفس پرنٹنگ نے تنخواہوں کا بل تیار کر لیا اور ہمیں نئے مہینے کی تنخواہیں وقت سے کافی پہلے مل گئیں۔ ویسے بھی ڈاکٹر نجم الاسلام انسانی ضروریات کو سمجھنے اور اپنے ساتھیوں کی دستگیری کرنے کے لیے مشہور تھے۔ ان سے کوئی بھی شخص اپنا دکھ درویان کر سکتا تھا۔ تکبر ان کے پاس نام کونہ تھا۔ اپنے شاگردوں اور ساتھیوں پر اپنے طرز عمل سے وہ ہمیشہ ہی گہرا تاثر چھوڑتے تھے۔

پھر اچانک یہ ہوا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے سکھر چھوڑ کر حیدر آباد سندھ کو اپنا مستقر بنالیا وہاں جا کر ”دہستانِ دہلی کی نثر“ جیسے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔ جامعہ سندھ میں درس و تدریس سے متعلق ہو کر انھوں نے کافی نام کمایا۔ ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین نقوش جیسے واقع لوٹی پرچے میں شائع ہوئے۔ اس عرصے میں ان سے صرف ایک ملاقات جنرل لاہری سکھر میں ہوئی وہ بڑی محبت سے ملے اور اس کے بعد دوسری ملاقات بڑی یادگار رہی اس لیے کہ جب سلسلہ پی۔ ایچ۔ ڈی وہ بیرونی ممتحن کی حیثیت سے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں میرے گائیڈ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مرحوم اپنی نشست پر تشریف فرماتے تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب خود خوشی سے پھولے نہ ساتے تھے کہ جس طالب علم کو انھوں نے سکھر میں میٹرک تک پڑھایا تھا وہ تحقیق کے میدان میں بھی ان کا شاگرد نکلا۔ انھوں نے میرے مقالے ”آزادی کے بعد اردو ناول ہیئت اسالیب اور رجحانات“ (۱۹۸۷ء۔ ۱۹۹۳ء) کو پسند کیا تھا۔ بعد میں میرے بہت زیادہ پوچھنے پر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے صرف اتنا بتایا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام نے اپنی رپورٹ میں بالخصوص یہ لکھا تھا کہ تم نے اپنے انگریزی ادب کے مطالعے سے اپنے مقالے کو خاصا فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ قدرتی بات تھی کہ جوں کہ میں کالج میں انگریزی ادب پڑھا رہا تھا اس لیے ناول کی تحقیق کے لیے میں نے وہاں سے بہت کچھ اخذ کیا تھا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر نجم الاسلام انگریزی ادب میں بھی درک رکھتے تھے وہ اس زمانے کے فی اے تھے جب گریجویشن کے طالب علم کو انگریزی ادب سے



خامے مصنفین پڑھا دیے جاتے تھے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام جامع الصفات اور جامع العلوم شخصیت تھے۔ تحقیق و تنقید ان کا لوڑھنا چھوٹا تھا۔ ان کی مصروفیت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے تحقیقی مقالے کی اشاعت پر کوئی توجہ نہیں کی جب کہ وہ ایسی پوزیشن پر فائز تھے کہ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے لے کر انجمن ترقی اردو اور دیگر موقر اداروں میں سے کسی بھی ادارے سے اپنی کتاب کی اشاعت کا بندوبست کرا سکتے تھے۔ وہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کر کے چراغ سے چراغ جلائے گا اہتمام کر رہے تھے۔ یونیورسٹی کا مجلہ ”تحقیق“ ان کے اشاعتی کارناموں میں ایک کارنامہ ہے۔ اس پرچے میں چھپنے والے مضامین کی اہمیت صرف سنجیدہ پڑھنے لکھنے والے ہی جانتے ہیں۔ اس پرچے کے لیے اچھے مضامین کے حصول کی ڈاکٹر صاحب نے جس قدر کوششیں کی ہوں گی اس کا احساس صرف اہل علم کو ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کئی کتابیں لکھیں۔ تقریباً تین درجن سے زائد مقالے تحریر فرمائے۔ ان کی نگرانی میں ایک درجن سے زائد مقالے تحریر کئے گئے۔ ان سے ہٹ کر بھی انہوں نے بہت تحقیقی کارنامے انجام دیے۔ ان کا یہ اثاثہ اہل علم کا بھی اثاثہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے آخری ملاقات غالباً نومبر ۱۹۹۹ء میں حیدرآباد میں ہوئی تھی۔ وہ حسب معمول اپنی کتابوں کی دنیا میں گم تھے۔ دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ یوں لگے تمہارے مضامین رسائل میں دیکھتا رہتا ہوں لکھتے رہو۔ اور پھر کہنے لگے کہ ”اردو ناول پر لکھے گئے دیباچوں کی تنقیدی اہمیت“ کے موضوع پر ایک طویل تنقیدی و تحقیقی مضمون لکھو۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ لکھوں گا۔ پھر اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ ”تحقیق“ کے لیے لکھنے کا بھی وعدہ لیا۔ چلتے وقت بھی وہی گرم جوشی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اب یہ چہرہ کبھی نہ دیکھنے کو ملے گا۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

کبھی کبھار وہ خط بھی لکھتے تھے۔ ان کے مکتوبات پوری اردو دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اگر وہ بھی یکجا ہو جائیں تو ان سے ڈاکٹر نجم الاسلام کی علمی و ادبی حیثیت اور عظمت کا اور بھی بہتر اندازہ ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب اردو تحقیق کی دنیا کا پیش رہا اثاثہ تھے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم انہی کی طرح جوش، جذبہ، اور لگن کے ساتھ اور انہی کی طرح صلے اور ستائش کی پروانہ کرتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھائیں۔

## ڈاکٹر نجم الاسلام (مرحوم)

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم (وفات ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء) سے تعارف ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ہوا۔ نہایت شریف النفس، ملنسار، خلیق اور وضعدار شخصیت کے مالک تھے۔ غالباً ان سے پہلی ملاقات ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے دفتر میں ہوئی۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اس زمانے میں یونیورسٹی اور نیٹل کالج، لاہور میں پرنسپل تھے۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی لاہور میں، علامہ اقبال کیمپس (اولڈ کیمپس) میں واقع تھی۔ یونیورسٹی اور نیٹل کالج اور لاہور میں (اولڈ کیمپس والی عمارت) دونوں ادارے قریب قریب ہی تھے۔ جب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اس کالج کے شعبہ اردو میں آئے، تو وہاں سے فارغ ہو کر لاہور میں آجاتے اور شرف ملاقات کا موقع دیتے۔ ان کی شخصیت بہت وجیہ و فکیل اور بلا قار تھی۔ کم گو تھے۔ عام طور پر صرف مطلب کی بات کرتے۔ خوش لباس و خوش اطوار تھے۔

۱۹۸۶ء میں اسلام آباد میں ”اردو میں فنی تدوین“ کے موضوع پر سہ روزہ ورک شاپ (از ۲۶ تا ۲۳ جون) منعقد ہوئی۔ اس کا اہتمام ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد نے مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کے اشتراک سے کیا تھا۔ اس میں ملک بھر سے اسکالرز نے شرکت کی تھی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ راقم السطور بھی مقالہ نگار کی حیثیت سے اس میں شریک تھا۔ میرے مقالے کا عنوان ”اشاریہ سازی“ تھا۔ ایک نشست میں مقالہ پیش کیا گیا۔ چائے پر ڈاکٹر صاحب میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ اس مقالے کی عکسی نقل دے دیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو مقالے کی عکسی نقل فراہم کر دی۔ فرمانے لگے ایک تحقیقی رسالہ نکالنا ہے۔ اس میں شائع ہو جائے گا۔ چنانچہ ”تحقیق“، جامشورو کے پہلے شمارے میں یہ مقالہ شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے ”تحقیق“ کا زبر حوالہ شمارہ مجھے بھجوایا اور ساتھ ایک مرقومہ ۳۱ مئی ۱۹۸۷ء بھی ارسال کیا۔

اس میں قلمی تعاون کے لیے احقر کا شکر یہ ادا کیا۔

۱۹۸۸ء میں لائبریری قائد اعظم کیمپس (نیو کیمپس) میں منتقل ہو گئی۔ جون ۱۹۸۸ء منتقلی کا کام مکمل ہو گیا۔ ۷ دسمبر ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر صاحب کا ایک مکتوب ملا جس میں علامہ عبدالعزیز میننی کے قلم سے مرتبہ ”فہرست مطبوعات و مخطوطات کتاب خانہ میننی“ کی فوٹو اسٹیٹ طلب کی تھی بعد میں اس مکتوب کی نقل سید جاوید اقبال صاحب کے ہاتھ بھجوائی۔ اس پر ایک مختصر نوٹ دے کر ہمارے ۲۰ دسمبر ۱۹۸۸ء لکھی ہے۔ اس مکتوب میں یہ استفسار بھی تھا کہ ”مولانا میننی مرحوم کے کچھ مخطوطات پنجاب یونیورسٹی میں بھی پہنچے ہیں؟ اور یہ کہ کیا ان میں کوئی قدیم قابل ذکر مخطوطہ (ساتویں صدی ہجری یا قبل کا بھی ہے؟)۔“ ڈاکٹر صاحب کو اس کی عکسی نقل فراہم کر دی گئی اور یہ بھی بتایا کہ مولانا میننی کے کتب خانے کی کوئی مطبوعہ یا خطی کتاب یونیورسٹی نے نہیں خریدی تھی۔

یاد پڑتا ہے کہ ایک بار ڈاکٹر صاحب لائبریری کی نیو کیمپس والی نئی عمارت میں بھی تشریف لائے تھے اور ملاقات سے نوازا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے راقم السطور کو ایک مکتوب محرم ۲۴ جولائی ۱۹۹۰ء ارسال کیا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ یونیورسٹی کے ذخیرہ آذر کے ایک اردو مخطوطے (نمبر شمار ۶۲ موسومہ ”دوازدہ مجلس از کریم الدین“) کے چند صفحات کے نمونوں (اول اور آخر اور درمیان) کی نقل ایک دوسرے مخطوطے سے مقابلے کے واسطے درکار ہے۔ چنانچہ حسب ضابطہ یہ نقل آپ کو فراہم کر دی گئی۔ بہت خود دار اور شفاف معاملہ کرنے کے عادی تھے۔ جب کسی کتاب / مخطوطے کی عکسی نقل طلب کرتے تو ساتھ کچھ رقم عکسی نقل اور محصول ڈاک کے خرچ کے لیے ارسال کر دیتے۔ جیسا کہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کا تعلق اس قلم قبیلے سے تھا جس سے منسلک قلم کار اب اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہوتے جا رہے ہیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزلو مرد تھا



## ڈاکٹر نجم الاسلام (مرحوم)

پروفیسر نجم الاسلام دنیا میں نہیں رہے، ان کا شمار صغیر کے نام وراثت میں ہوتا تھا۔ ”تحقیق“ کے صفحات ان کے بہ غیر سوگوار ہیں، تحقیق کے بہت سے گوشے ان کے بہ غیر تشنہ رہیں گے۔ میں، جولائی ۱۹۹۶ء میں کراچی میں تھا، جنگ کے کسی شمارہ میں ”تحقیق“ کے شمارہ نمبر ۸-۹ (۱۹۹۴-۹۵ء) پر کسی کا تبصرہ پڑھنے کو ملا، تو اندازہ ہوا کہ جام شورو کے مخطوطات کا کوئی سلسلہ ”تحقیق“ میں چل رہا ہے اور مذکورہ شمارہ میں استاذی گری قدر پروفیسر مختار الدین احمد کے کچھ مکتوبات بہ نام پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں لور کچھ مکتوبات جناب پروفیسر نذیر احمد بہ نام نجم الاسلام شائع ہوئے ہیں، ان دونوں چیزوں کی وجہ سے میرے اندر حصول شوق کا جذبہ کروٹیں لینے لگا کہ کسی طرح مدیر مجلہ تحقیق پروفیسر نجم الاسلام سے رابطہ قائم کر کے ان کے حضور اپنی خواہش کا اظہار کیا جائے چتاں چہ میں نے انھیں ایک خط ڈاک کے سپرد کر ہی دیا اور سوچا کہ اس مادی دور میں کون کس کا خیال رکھتا ہے لیکن پروفیسر نجم الاسلام کی بھل فسایت اور اعلیٰ انسانی قدروں پر قربان جانے کو جی چاہتا ہے کہ خط پاتے ہی انھوں نے نہ صرف جواب دیا بلکہ رجسٹرڈ ڈاک سے تحقیق کا آٹھواں و نوواں (مشترکہ) شمارہ اپنے شفقت نامے کے ساتھ ارسال فرمایا اور اس پر اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا:

”نسخہ اعزازی۔۔۔ خدمت جناب ڈاکٹر ابو سفیان صاحب اصلاحی“

نجم الاسلام

۱۹۹۶-۹۷-۱۲

آج جب ان پر چند سطریں لکھنے کے لیے یہ مجلہ اٹھایا، تو یہ تحریر دیکھ کر دل بھر آیا، غیر شعوری طور پر یہ کہہ رہا تھا کہ واقعہ یہ انسان بڑا مجبی تھا، اسے انسانوں سے پیار تھا، اہل علم و فضل قدر داں تھا چوں کہ خود صاحب علم تھا، سچ پوچھئے تو میرٹھ سے لے کر کراچی تک ان کا سفر ابھی تک نامکمل تھا۔ تحقیق کا مذکورہ شمارہ وجہ تعارف بنا، وجہ ملاقات نہیں، ملاقات ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ جولائی ۱۹۹۷ء میں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کا Viva تھا۔ جس کے ممتحن ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب تھے۔ آپ نے Viva سے ایک روز قبل مجھے میرے پتے پر تار کیا کہ کل میں کراچی یونیورسٹی میں ایک Viva لینے آرہا ہوں اگر کراچی یونیورسٹی آجاؤ تو ملاقات ہو جائے۔ خط و کتابت بہت ہو چکی ملنے کو جی چاہتا ہے۔ پروفیسر منظور احمد (شعبہ فلاسفی) کے ساتھ شعبہ اردو ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو ملتے ہی فرمانے لگے کہ تمہاری تحریر اور تمہارے مکتوبات سے تو یہ قطعاً اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ تم اتنے چھوٹے ہو گے، اس چھوٹی سی عمر میں اتنے اتنے اہم مسائل پر سوچتے اور غور کرتے ہو اور مخطوطات سے اتنی دلچسپی رکھتے ہو۔ بہر کیف بہت ٹوٹ کر ملے، دیر تک ہندوستان، ہندوستانی کی علمی سرگرمیوں، پروفیسر ندیم احمد اور پروفیسر مختیار الدین احمد کی علمی خدمات پر گفتگو کرتے رہے اور متعدد بار سرسید اور علی گڑھ تحریک کا ذکر کرتے رہے، کہ ہم سب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رہین منت ہیں کہ ہمیں اس نے اس قابل بنایا۔ یہ مملکت خدا داد تو سرسید ہی کی دین ہے (اسی لیے آواز دوست میں مختیار مسعود نے یہ لکھا ہے کہ پاکستان کی پہلی اینٹ اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن سرسید نے مدرسۃ العلوم کی پہلی اینٹ رکھی تھی) اور خود میں بھی علی گڑھ ہی کا فیض یافتہ ہوں، چوں کہ میرے استاذ محترم پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں صاحب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں، ان کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے میں نے روایات علی گڑھ کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا ہے، استاذ محترم علی گڑھ کی قدروں اور خصائص کا بار بار ذکر کرتے اور اس کا، ملت اسلامیہ کے، ایک نمائندہ مرکز کی حیثیت سے ذکر کرتے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے چار پانچ گھنٹے کی ملاقات کے بعد رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے، دوپہر کا کھانا ساتھ کھائیں گے، چنانچہ شعبہ اردو کے ایک استاذ کی کار میں صدر شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی، پروفیسر نجم الاسلام اور میں بیٹھ کر گلشن اقبال کے ایک خوب صورت ریسٹورن میں پر تکلف ظہرانے سے لطف اندوز ہوئے، اس کے بعد پروفیسر نجم الاسلام صاحب نے کہا کہ تم اب جا سکتے ہو، میں نے کہا کہ اب آپ کہاں جائیں گے؟ انہوں نے

فلاں جگہ سے حیدر آباد کی بس پکڑ کر حیدر آباد روانہ ہو جاؤں گا، میں نے کہا کہ بغیر آپ کو بس پر ہوئے میں اپنی جائے رہائش پر نہیں جاسکتا، چنانچہ انھیں تین بجے بٹھا کر میں روانہ ہوا تو اپنے لیے یہی کہہ رہا تھا کہ یہ آدمی علم و فضل کے ساتھ ساتھ کس قدر سادہ اور منکسر المزاج ہے۔ اور ان کی عمر میں ایک طویل تفاوت تھا لیکن میں نے درمیان گفتگو کہیں کوئی اس کا اثر محسوس نہیں کیا، یہ سچ ہے کہ علم جھکاتا ہے، اٹھاتا نہیں۔ ایک سچے اور بڑے عالم اور اسکالر کی پہچان یہی ہے کہ اس کی طبیعت عناد و استکبار سے دور ہوتی ہے، وہ تعالیٰ کے بجائے الفت و محبت کا علم بردار ہوتا ہے۔

میرے خیال میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ڈاکٹر کی علمیت اور ان کے اخلاق کریمانہ کا ذکر بارہا پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر محمد الدین احمد نے کیا ہے۔ خاص طور سے مجلہ تحقیق کے معیار کے حدود و قائل تھے اور تحقیق کو ایک علمی و تحقیقی مجلہ کے طور پر سمجھتے تھے۔ ان کی ریاضت اور سعی پیہم کو دونوں حضرات سراہتے تھے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے

تو صرف ایک رہی، لیکن ان سے خط و کلمات کا سلسلہ چھ سالوں پر محیط ہے۔ پروفیسر نجم الاسلام صاحب کے بعض خطوط میں کچھ مخطوطات سے متعلق مباحث تھے جن پر افسوس کہ چند خطوط کے علاوہ میرے پاس وہ خطوط موجود نہیں رہے، علی گڑھ میں پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر محمد الدین آرزو کے پاس ان کے بہت سے خطوط ہو سکتے ہیں، میں نے خود کئی ان کے دستی خطوط کو صاحبان کو پہنچائے۔ اگر ہندوستان اور پاکستان میں ان کے متعلقین اور اعضاء سے رابطہ قائم کر کے ان کے خطوط حاصل کر کے شائع کئے جائیں تو ایک بڑا علمی اور ادبی کام ہو سکتا ہے۔

فصوص تحقیق و تنقید کی دنیا میں بہت سے نئے درتھے واہوں گے۔ پروفیسر نجم الاسلام کا مزاج تحقیقی تھا، تحقیق کے مختلف شماروں کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ ان کے مقالات علم و تحقیق کے لحاظ سے گراں قدر اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی تین شائع شدہ کتابوں میں سے صرف ایک ”مطالعات“ اس وقت میری میز پر ہے۔ اس کے فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے یہ چیز وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ تجزیہ و تحقیق میں انھیں اہمیت حاصل تھی۔ ان کی اپنی الگ ڈگر ان کی ذات کا تعارف و تشخص بن گئی ”مطالعات“ کے مقالات کی اہمیت و عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ نقوش، صحیفہ، اور نیٹل کالج میگزین اور تحقیق میں شائع ہوئے۔ یہ مجلات اپنے معیار و مقدار میں منفرد ہیں۔ یہاں ان کے تحقیق میں شائع شدہ کچھ مقالات کے عنوان سے آپ ان کے معیار تحقیق کے متعلق رائے قائم کر سکتے

ہیں۔ (۱) رسمیات مقالہ نگاری (تحقیق شماره ۱، ۱۹۸۷ء) (۲) کلیات شائق (شماره ۳، ۹) (۳) سندھی ادبی بورڈ کے مخطوطات (شماره ۵، ۱۹۹۱ء) (۴) دیوان غمگین کس غمگین کا (۸-۹، ۱۹۹۵-۹۳ء) (۵) دو موضع قرآن، (شماره ۱۰-۱۱، ۱۹۹۷-۱۹۹۹ء) (۶) شاہ انصاری سنبھلی اور ان کی اردو تفسیر (شماره ۱۲-۱۳، ۱۹۹۹-۹۸ء) (۷) موضع قرآن روایتیں (لسانی مطالعہ) (شماره ۱۲-۱۳، ۱۹۹۹-۹۸ء) (۸) حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمہ (شماره ۱۲-۱۳، ۱۹۹۹-۹۸ء) (۹) قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی (قلمی) (شماره ۱۲-۱۳، ۱۹۹۹-۹۸ء) (۱۰) انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی کے مخطوطات مذکورہ مضامین و مقالات علاوہ ان کے اور بھی بہت سے مقالات کے عناوین پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن مذکورہ مقالات یہاں ارادہ کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ میدان تحقیق میں انھیں اسلامیات اور مخطوطات بھی گہرا شغف تھا۔ وہ ایک ادب دوست اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دین دار شخص تھے۔ انھیں اسلامی لٹریچر سے بھی غیر معمولی تعلق تھا۔ اپنے استاد گرامی قدر پروفیسر غلام خاں صاحب کی نیک صحبت کا خاصا اثر قبول کیا۔ محترم مخدومی پروفیسر احمر رفاعی صاحب کی زبانی ڈاکٹر صاحب کی دین داری کے واقعات سنے ہیں، رفاعی صاحب نے غلام مصطفیٰ خاں صاحب روحانیت، علمیت اور وسیع الظرفی کے متعدد واقعات مختلف مجالس میں سنائے ہیں یہی تمام چیزیں ڈاکٹر نجم الاسلام کی شخصیت میں سمٹ آئی تھیں۔

تحقیق کے اعلیٰ نمونے اور اعلیٰ معیار کی ایک بہتر شکل ”مطالعات“ ہے، اس کی ایک سطر سے ڈاکٹر نجم الاسلام کی ریاضت اور کوشش کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہ بات سچ ہے اس طرح کی معیاری و تحقیقی کتابیں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس کتاب کے چاروں حصے اپنی اپنی طرف سے آپہنچے ہیں بالخصوص تیسرا حصہ ”غالب کی لسانی تصریحات“، ”مختصات نثر غالب“ اور ”دو آہنگ کے متعلق میں کسی تردد کے بغیر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ علمی دنیا میں ایک بہت وقیح اضافہ ہے۔ میں اجتہاد و استنباط ہے، اس میں کچھ پالینے کی جدوجہد ہے اور کچھ نئے حقائق سے دنیا کو متعارف کرانے کی ایک آرزو ہے۔ ایک سنجیدہ اور متین قاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ ”مطالعات“ لعل و گمر سے ضرور مستفیض ہو۔

ایک چیز اور لائق ذکر ہے کہ تحقیق کے شماروں میں ڈاکٹر نجم الاسلام کے بے شمار تبصرے پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ تبصرے ان کی گہرائی و گیرائی اور وسعت مطالعہ کا پتا دیتے ہیں اگر یہ تبصرے

تالی صورت میں شائع کر دیے جائیں تو ایک بیش بہا چیز سامنے آجائے گی۔ آخر میں آپ کا نقل کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا۔

محترم ڈاکٹر اصلاحی صاحب!

سلام و آداب

عنایت نامہ چند روز پیشتر محترمی ڈاکٹر رفاعی صاحب نے پہنچایا جس سے معلوم ہوا کہ آج پ کراچی میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ممنون ہوں کہ آپ نے کلمات خیر سے نوازا۔ خدا رکھے۔ بشرط موقع یاد محترم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب سے میرا مؤدبانہ سلام کہیے۔ شکریہ

مخلص

مجم الاسلام

۲۰۰۰-۰۶-۳۰





## ڈاکٹر نجم الاسلام کی یاد میں

ڈاکٹر نجم الاسلام کے انتقال کی خبر مجھے دوسرے دن کراچی میں ملی۔ یقین ہی نہیں آئی انہیں مرحوم کہتے ہوئے۔ عجیب سا لگ رہا تھا لیکن موت تو ایک یقینی امر ہے اس کے لیے وقت جگہ کی قید نہیں۔ آج اور کل کا فرق ہو سکتا ہے یعنی آج میری باری ہے تو کل کسی اور کی۔ حیرت بات پر بھی تھی کہ جب وہ زیادہ ہمارے اور بہ ظاہر چنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی اس وقت گئے اور اب جب کہ اس بات کا شائبہ تک نہ تھا اچانک خبر ملی۔ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد معمول اپنے کسی تحقیقی کام میں مصروف تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ڈاکٹر مرحوم سے میرے تعلقات پچیس تیس برس سے بھی زیادہ کے ہوں گے۔ وہ کالج لطیف آباد کے پرنسپل تھے ساتھ ساتھ اردو بھی پڑھاتے تھے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے کوئی آسان کام نہیں تھا اس لیے نہیں کہ وہ مغرور تھے بلکہ اس بنا پر کہ ان کا ذہن حد درجہ کاموں کی طرف زاغب تھا یہ ان کی طبیعت کا خاصہ تھا وہ ادب کے میدان میں صرف تحقیق کاموں کی طرف زیادہ توجہ دیا کرتے تھے۔ اگر ملنے والا ان کے ذوق کا نہیں ہوتا تھا تو سرسری سی دعا کے بعد دونوں خاموش ہو جاتے اور بس۔ بلا مبالغہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت میں اس سلسلے کی شدت تھی یہی وجہ تھی کہ ان کا حلقہ احباب بے حد مختصر تھا۔ ہاں ان لوگوں سے مسلسل رابطہ رہا جو ان کے رسالے ”تحقیق“ کے لیے مقالات لکھتے تھے۔ وہ خود بھی ان لوگوں کو تحقیقی مسائل کے سلسلے میں خطوط لکھتے رہتے تھے۔ نئے نئے موضوعات کی طرف توجہ دلاتے اور توجہ کرتے کہ وہ انداز میں مخاطب ہوں گے۔ ان کی ذاتی لائبریری میں یوں تو بہت سی کتابیں تھیں لیکن زیادہ تعداد ان کتابوں اور تحقیقی مقالوں کی تھی جن پر انہوں نے لکھایا لکھنا چاہتے تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو محض ملنے کی خاطر آتے تھے ظاہر ہے درمیان میں کوئی قدر مشترک نہ ہونے اور کوئی مشترک موضوع

ہونے کی وجہ سے یہ ملاقات بے حد مختصر ہوتی تھی۔

لکھنا اور پڑھنا ڈاکٹر صاحب کا خاص مشغلہ تھا۔ لوگوں کی عزت کرتے تھے اور جہاں تک ان کے علم میں ہوتا ان کے علمی ادبی کارناموں کا ذکر کر کے خوش ہوتے تھے۔ نایاب کتابوں کی مسلسل تلاش ان کی عادت بن گئی تھی۔ جہاں بھی جاتے کتابوں کی تلاش جاری رہتی۔

میں جب بھی ان کے پاس جاتا تو خوش ہو جاتے۔ میری کتابوں کے بارے میں معلوم کرتے اور جو کتاب ان کو نہیں ملی ہوتی تھی اس کا تقاضا کرتے۔ جس زمانے میں وہ سندھی ادبی بورڈ جام شورو میں یورپوں میں بے دردی سے بھری ہوئی کتابیں اور مسودات اور مخطوطات کا مطالعہ کر رہے تھے، فارسی، عربی، اردو اور سندھی کتابوں کی تفصیل تیار کر رہے تھے تو ان کے ہم راہ شعبہ اسلامیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر ابو الفتح صغیر الدین بھی ہوتے تھے۔ ان کتابوں کو جو ضائع ہو رہی تھیں اور مختلف موضوعات پر لکھی گئی تھیں ان دونوں حضرات نے عرصہ دراز تک مسلسل روزانہ چار چار، پانچ پانچ گھنٹے بیٹھ کر کام کیا اسی زمانے میں میری ان سے ملاقات زیادہ رہی۔ افسوس اب تو ڈاکٹر ابو الفتح بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔ اسی زمانے میں ڈاکٹر نجم الاسلام نے مجھے بتایا یہاں دیدہ ریزی کا یہ حال ہے کہ دو دفعہ نظر کا چشمے کا نمبر تبدیل کروانا پڑا ہے۔ یہ کتابیں اور مخطوطات بے حد قیمتی اور اہم ہیں۔ کام اتنا ٹھوس اور وسیع ہے کہ ان پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ بعد میں کوشش یہی کی گئی کہ انھیں ضائع ہونے سے بچایا جائے اب یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان میں سے تھوڑی تھوڑی کتابیں سندھی ادبی بورڈ خود اور سندھیالوجی شایع کروا سکے گی اور اب تو ڈاکٹر غلام علی الانہ بھی ان کی اشاعت میں مدد کر سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ کتابیں محفوظ بھی ہو جائیں گی اور لوگ ان سے خاطر خواہ استفادہ بھی کر سکیں گے۔ ان کتابوں سے ایک پورے دور کے تعین کرنے میں مدد ملتی ہے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ میں عربی اور فارسی کا کس قدر رواج تھا۔ اس دور کے سندھی زبان کے عالم عربی، فارسی اور اردو پر کس قدر عبور رکھتے تھے۔ سندھ میں ایسے کتب خانے ایک دو نہیں درجنوں کی تعداد میں موجود ہیں افسوس دیکھ ان بے بہا خزانوں کو مسلسل چاٹ رہی ہے۔ اب دور دور تک ڈاکٹر نجم الاسلام جیسا شخص نظر نہیں آتا جس نے یہ ساری خدمات بے لوثی سے محض علم و لوب کی خاطر کی۔

ڈاکٹر نجم الاسلام یوں تو بڑے سیدھے سادے اور کم گو انسان تھے لیکن جب بولنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ خاموش رہنے والوں میں سے نہیں تھے حق بات کہتے تھے بڑے ملاکتے تھے یہ بھی

تھا کہ لوگ ان کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے بھی تھے اور انہیں اہمیت بھی دیتے تھے۔ جہاں وہ سمجھتے تھے کہ ناقدری اور ناانصافی ہو رہی ہے تو ان کے لہجے میں اور بھی زیادہ سختی آجاتی تھی۔ اکثر یہ ہوا کہ انہیں کسی سے کوئی طمع نہیں تھی نہ وہ کسی بھی مصلحت کی خاطر خاموشی اختیار کرنے والوں میں سے تھے، لیکن یہ بھی تھا کہ کبھی دوسروں کی بات میں خواہ مخواہ دخل اندازی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لطیف آباد میں ایک ادبی نشست ہر پندرہ دن کے بعد پروفیسر خلیل احمد صاحب کے گھر پر ہوتی تھی ان میں مستقل طور پر آنے والوں میں پروفیسر جمیل واسطی، ڈاکٹر خوشنود صدیقی، پروفیسر حضور احمد سلیم، پروفیسر ایاز، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر احمر فاعی وغیرہ تھے۔ میں بھی وہاں مسلسل جاتا رہا۔ یہ واحد مجلس تھی جس کا صدر نہیں تھا، نہ کوئی چندہ تھا پروفیسر خلیل احمد صاحب نے لائٹ ریفریشمنٹ کی ذمے داری خود سنبھالی تھی حد تو یہ کہ اس مجلس کا کوئی نام بھی نہیں تھا۔ باقاعدگی کے ساتھ تین سال تک یہ سلسلہ چلا بعد میں پروفیسر حضور احمد سلیم کے گھر منتقل ہو گیا۔ اس میں نہایت اہتمام کے ساتھ مقالے، انشائیے، افسانے اور کبھی کبھی رپورٹاژ بھی پڑھے جاتے تھے۔ آخر میں عام شعراء حضرات کے لیے اہتمام ہوتا تھا۔ غزلیں، نظمیں، گیت سنی جاتی تھیں یہ ایک طرح سے اچھی خاصی مشاعرے کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ داد بھی خوب ملتی تھی اور خراب اشعار پر باجماعت خاموشی بھی اختیار کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام بھی اس میں شامل ہوتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے گیت سنائے ان میں حسب معمول ہندی الفاظ کی کثرت تھی پھر یوں ہوا کہ کسی خاص لفظ کے استعمال پر تکرار ہو گئی۔ وہاں ایک اور صاحب نے ہندی میں طاق ہونے کا نعرہ بلند کیا بات چل نکلی۔ پھر یہ گفتگو دو بدو ہونے لگی اس دن ہم نے ہندی کے اتنے الفاظ سنے جتنے شاید سال بھر میں نہیں سنے تھے۔ نجم الاسلام نے اس دن ہندی کے اتنے الفاظ بمعنی دہرائے کہ سب کو خاموش ہونا پڑا۔ اس دن ہمیں معلوم ہوا تھا کہ نجم الاسلام ہندی میں طاق ہیں۔

ایک دن نجم الاسلام نے مجھے ماہنامہ معیار میرٹھ کی فائلیں دکھائیں۔ یہ اردو کا ماہنامہ تھا جو نجم الاسلام میرٹھ سے نکالا کرتے تھے کئی سال یہ رسالہ پابندی سے نکلا اس میں نجم الاسلام نے اپنے علمی ادبی جوہر دکھائے تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی علمی ادبی تحقیقی اور تنقیدی حوالے سے نام پیدا کر چکے تھے۔

نجم الاسلام لطف لے لے کر بھی بات کرتے تھے لیکن ہر کسی کے ساتھ نہیں ان کے چند

دوست تھے جن میں وہ کھل کر بات کرتے تھے۔ ان لوگوں میں نہ جانے کس طرح میرا نام بھی شامل ہو گیا تھا۔ وہ لطائف بھی سناتے تھے۔ سنتے زیادہ اور بولتے کم تھے یوں تو وہ کھلکھلا کر بھی ہنستے اور بے اختیار قہقہہ بھی لگاتے تھے۔ یہاں بھی وہی شرط تھی۔ وہ اپنے مخصوص احباب میں اس قدر فری تھے۔ ایک دن کہنے لگے تمہارے فلاں دوست آئے تھے ایک بڑی قد آور شخصیت کا خط بھی ساتھ لائے تھے اصرار اس بات پر تھا کہ پی ایچ ڈی کروں گا اور وہ بھی آپ کی راہ نمائی میں (اس زمانے میں ایم فل کی طرح کلاسیں نہیں لگتی تھیں نہ ایم فل کی ضرورت تھی براہ راست پی ایچ ڈی میں رجسٹریشن کرایا جاتا تھا) پہلے تو بہت ٹالا جب وہ نہیں مانے تو ان سے پوچھا پہلے کبھی کچھ کسی موضوع پر لکھا ہے جو اب ملا نہیں! ٹی وی، ریڈیو، اخبار یا کسی رسالے میں کبھی طبع آزمائی کی ہے جو اب ملا نہیں۔ پھر پوچھا کیا آپ کس موضوع پر کام کرنا چاہتے ہیں اور کیوں؟ جو اب ملا اردو لغت پر۔ مختلف زبانوں کے الفاظ اردو میں کس طرح آئے ان سے کہا گیا حضرت یہ تو اردو لغت میں پہلے ہی سے لکھے ہوئے ہیں اس میں آپ کس طرح اضافہ فرمائیں گے؟ اس پر بات ختم ہو گئی۔

مجم الاسلام کو باتیں یاد رکھنے میں ملکہ حاصل تھا۔ س ہا برس گزر جانے کے بعد بھی وہ بات کے اصل متن کو یاد رکھتے تھے اور جب موقع ملتا اور ضرورت بھی ہوتی تو اس بات کے اصل متن کو دہرانے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ دوستوں کے دوست تھے ممکن ہے ان کا مخالف بھی کوئی ہو لیکن مجھے تلاش کرنے پر بھی نہیں مل سکا۔ صدر شعبہ کی شخصیت اکثر متنازع ہو جاتی ہے سب کو خوش رکھنا مشکل ترین کام ہے۔ وہ چھوٹی موٹی باتوں کو قطعی نظر انداز کر جاتے تھے۔ کسی کا دل دکھانا انھیں اچھا نہیں لگتا تھا۔ لسانی ہنگاموں کے زمانے میں یونیورسٹی میں بھی خاصا زہر پھیلا۔ لوگ لول فول بچے تھے۔ ایک دن یونیورسٹی کے چند لڑکوں نے ان سے غیر معیاری گفتگو کی۔ انھوں نے اس بات پر بھی توجہ نہیں دی گو دل میں انھوں نے ان باتوں کو زیادہ محسوس کیا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے اس بات کا ذکر نہیں کیا لوگ خواہ مخواہ افسردہ ہوں گے جذباتی بن جائیں گے۔ ہر جامعہ میں اس طرح کے غیر سنجیدہ اور جذباتی طالب علم ہوتے ہیں اور اس طرح کی حرکتیں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے دوستوں کو اس بات کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے مل گئی وہ اس بات کے لیے تیار ہو گئے کہ بات کو آگے بڑھایا جائے لیکن مجم الاسلام نے انھیں روک دیا انھوں نے اس بات کا ذکر نہ خود کیا نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔

کچھ لوگ مجم الاسلام سے محض اس لیے ناراض تھے کہ رسالہ ”تحقیق“ میں ان کے

مقالات کیوں شایع نہیں کیے جاتے ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے مقالات اس معیار کے ہوتے کہ انہیں ”تحقیق“ میں شایع کیا جاسکے۔ نجم الاسلام نے بارہا اس بات کی وضاحت کی کہ یہ شعبہ جا رسالہ ہے۔ شعبے میں پڑھانے والے اساتذہ کا حق پہلے ہے۔ تحقیقی مقالے دوسرے رسالے عالم دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے نہیں چھاپتے جب کہ ان شعبہ جاتی اساتذہ کے لیے تحقیقی مقالات کی اشاعت ضروری ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کافی عرصے کے بعد آئی۔

نجم الاسلام کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ بہت ہی احترام کرتے تھے ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان کی راہ نمائی میں کام کرنا فخر سمجھتے تھے۔ سادگی پسند تھے، پرہیزگار تھے، نمازی تھے، مذہب سے گہرا لگاؤ تھا۔ کسی کی نہ تو برائی کرتے تھے نہ سنتے تھے، لوگ ان کی طبیعت سے واقف تھے اس لیے ان کے سامنے کسی کی برائی کا پہلو نکلتا تھا۔ اشاروں اور کناہوں سے بات سمجھ لیتے تھے جس بات سے بد مذہبی کا احتمال ہوتا اس سے گریز کرتے تھے۔ محنت کے عادی تھے بغیر ضرورت کے بات نہیں کرتے تھے۔ بہت لیے دیے رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔ شاعری میں ان کا اہم مقام تھا ہاں عام شعراء کا سا انداز نہ تھا نہ اسے اچھا سمجھتے تھے۔ مشاعروں میں شاذ و نادر ہی شعر پڑھتے تھے۔ انہیں شعر کہنے میں ملکہ حاصل تھا۔ اپنا سارا کمال وہ منظوم تراجم میں دکھاتے تھے۔ فلسفیانہ مسائل کو منظوم کرنا عام لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ وہ اسی میں کمال دکھاتے تھے۔ فارسی سے جو انہوں نے منظوم ترجمہ کیا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ اس کے علاوہ اسی طرح سے شاہ عبدالکریم بلوی والے کے منتخب اشعار کا ترجمہ بہت خوب صورت اور رواں انداز میں کیا ہے۔ اشعار کا مفہوم بہتر انداز میں سمجھ میں آتا ہے یہ بات غیر معمولی صلاحیتوں کی غماز ہے ورنہ لوگ ترجمہ تو کرتے ہیں وہ اکثر طور پر لفظی ترجمہ ہوتا ہے اس میں روح نہیں ہوتی اور بعض اوقات فلسفے کی پیچیدگی سے بات بھی کچھ کی کچھ سمجھ میں آتی ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام سے بارہا اس موضوع پر بات ہوئی کہ اس ناقدری کے دور میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے اسے کسی طرح محفوظ رکھا جائے۔ ناشرین کی اپنی مجبوری ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ادب وغیرہ کا کوئی شعور نہیں نہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کا شعور ہو۔ ہم تو کاروبار کرتے ہیں سرمایہ لگاتے ہیں اور محنت کرتے ہیں۔ تحقیقی کتابیں ایک تو کوئی پڑھتا نہیں اور جو دو چار اشخاص دلچسپی رکھتے ہیں وہ ملامت یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کتاب تحفے میں پیش کی جائے جب کہ یہ قطعی ممکن نہیں۔ تحقیقی کتابیں اب مصنف خود چھاپتے ہیں اور دھڑا دھڑا ثواب لوٹتے ہیں۔ ہنسنے لگے بات درست ہے۔ اس سلسلے میں

ایک لطیفہ بھی سنایا جو مشفق خواجہ کے حوالے سے تھا جب انہوں نے ”تحقیق نامہ“ شائع کیا تو اس کے کل سات نسخے فروخت ہوئے اور اب اس بات پر تحقیق ہو رہی ہے کہ وہ سات سر پھرے کون کون سے لوگ ہیں۔ ان پہ کیا افتاد پڑی تھی جو انہوں نے یہ کتاب خریدی۔

مرحوم نے اپنی کتابوں کے سلسلے میں کئی دفعہ تفصیل بتائی۔ دو کتابیں کمپوز کروالی ہیں۔ دوسری قسط میں ایک کتاب کا کاغذ خریداجائے گا۔ تیسری قسط میں کتاب شائع کر دی جائے گی اور چوتھی قسط میں یہ ہدیہ دل نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ احباب کو رجسٹرڈ بک پوسٹ کر دی جائے گی۔ اسی طرح دوسری کتاب کی بھی اتنی ہی قسطیں ہوں گی۔ اس دور میں تحقیقی کتابیں لکھنے والے لوگ کم نہیں نایاب ہیں اور جو ہیں بھی وہ ادنیٰ دیوانگی کے دائرے میں آتے ہیں۔ میں نے کہا بھائی آپ کے علم، تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اس قدر تفصیل ہے تو یہ رسالہ ”تحقیق“ کا سلسلہ کیوں؟ کہنے لگے ان حالات میں دیا جائے رکھنے والی بات ہے۔ جو لوگ تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں وہ کسی اور بات کو مشکل سے ہی خاطر میں لاتے ہیں۔

میں نہایت پابندی سے برس برس سے ان سے پابندی سے ملتارہا تھا بات صرف ادب کی ہوتی اور وہ بھی صرف تحقیق کے مسائل تک۔ غیبت جس میں نہایت لذیذ چانسی ہوتی ہے اس کا کبھی کوئی موقع ہی نہ نکل سکا۔ نئی نئی کتابوں کی باتیں، نئے نئے موضوعات کی تفصیل، ان جامعات کا خصوصی ذکر جہاں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے مقالے لکھے جاتے ہیں۔ ان کے پاس وہ سارے رسالے آتے تھے جو برصغیر میں تحقیق کے حوالے سے شائع ہوتے تھے۔ وہ ان پر تبصرہ بھی کرتے تھے۔ میں نے کہا جب کوئی ”تحقیق“ پر تبصرہ کر کے آپ کو روٹ کر تا ہے تو آپ اسے تحقیق میں شائع کیوں نہیں کرتے، کہنے لگے اپنے رسالے میں اپنے ہی رسالے پر تبصرہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ دوسرے کسی رسالے میں یہ تبصرہ شائع ہو تو اچھا لگتا ہے۔ میں نے کہا مشکل یہ بھی تو ہے کہ پہلے تحقیق خریداجائے اس پر تبصرہ کیا جائے دو عدد رسالے خرید کر دیر کو دیے جائیں پھر جس رسالے میں تبصرہ شائع ہو وہ خرید کر آپ کے ریکارڈ کے لیے دیا جائے۔ ٹاہلانا۔ یہ مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات ہے۔

مجم الامام کا مذاق اور گفتگو کا انداز نہایت صاف سہرا تھا۔ وہ شاذ و نادر ہی کسی کے ساتھ فری ہوتے تھے۔ ہر وقت کے ملنے والوں کو بھی اس بات کا اندازہ تھا اس لیے ان سے وہی بات کی جاتی تھی جسے وہ سننا پسند کرتے تھے۔

وہ ذیابیطس کے مریض تھے بلکہ زیادہ ہی اس مرض میں مبتلا رہے ہیں بھی اس مرض میں جتنا ہوں۔ کبھی کبھی ہم اس موضوع پر بھی تفصیل سے بات کرتے تھے کہ یہ مرض کیوں لاحق ہوتا ہے یہ لا علاج کیوں ہے وہ انسولین کے انجکشن لگواتے تھے پھر خود ہی لگانے لگے۔ ایک دن میں نے مشورہ کیا کہتے ہیں انسولین کے انجکشن کا انسان عادی ہو جاتا ہے اس کے بغیر اسے چین ہی نہیں ملتا پھر انسولین کے یونٹوں کی تعداد بھی بڑھتی رہتی ہے۔ مجھے انھوں نے مثالیں دے دے کر سمجھایا۔ یہ ایک علاج ہے۔ فائدے کی صورت میں آدمی موثر علاج کی موجودگی میں کیوں دکھ اٹھائے۔ آخر دوا بھی تو انسان استعمال کرتا ہے۔ دوائیں گردوں اور معدے کو متاثر کرتی ہیں جب کہ انسولین کا انجکشن براہ راست خون میں شامل ہو کر فائدہ پہنچاتا ہے گردے اور معدے متاثر نہیں ہوتے۔ بات تو دل کو لگتی تھی لیکن میں خود کو کبھی اس کے لیے آمادہ نہیں کر پایا۔

میری تنقید کی پہلی کتاب شایع ہو رہی تھی اس وقت میں نے اس کا کچھ اور نام رکھا تھا نجم الاسلام کو دکھائی اور مشورہ لیا تو انھوں نے اس کی ترتیب بھی بدلی اور کئی مضامین پر نظر ثانی کا مشورہ دیا۔ انھوں نے اس کتاب کا نام ”پرکھ“ رکھا۔ پرکھ کے نام سے اردو کے شعبے سے ایک رسالہ نکلتا رہا تھا یہ اس دور کی بات ہے جب حمایت علی شاعر شعبہ اردو میں تھے اور اس محلے کے لیے کام بھی کرتے تھے۔ کہنے لگے اس سے کیا فرق پڑتا ہے یہ کتاب ”پرکھ“ کے نام سے ہی چھپی اس پر انھوں نے اپنی رائے بھی لکھی تھی۔ اسی طرح جب میرے افسانوں کی کتاب ”آدھا سورج آدھا سایا“ چھپ کر آئی اور حسب معمول اس کی تقریب ہوئی تو میں نے کہا نجم الاسلام صاحب آپ کو بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ کہنے لگے میری نظر افسانوی ادب پر اتنی نہیں ہے نہ ہی کچھ کہوں تو بہتر ہو گا لیکن میں نے کہا میں چاہتا ہوں آپ کی ناقدانہ رائے ضرور سامنے آئے۔ انھوں نے اچھا خاصا مضمون پڑھا میں سمجھتا ہوں وہ انھوں نے کہیں شایع نہیں کر لیا ان کے پاس موجود رہا۔

نجم الاسلام کو مطالعے اور پھر لکھنے کے علاوہ کسی اور بات سے قطعی دلچسپی نہیں تھی مذہب سے گہری وابستگی تھی پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ کسی کا دل دکھانے کو برا تصور کرتے تھے جو بات ناپسند ہوتی اس کے لیے خاموشی اختیار کرتے۔ مسلسل دہائیوں نے انھیں قدرے سخت طبیعت کا کر دیا تھا ایک دفعہ فیصلہ کرتے پھر اس پر قائم رہتے تھے جو بات ان کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی وہ اس سے قطعی غیر تعلق رکھتے اور جو بات انھیں پسند آجاتی تھی اس کی احترام کی حد تک تعریف کرتے۔ غیر مستند کتابیں انھوں نے کبھی نہیں پڑھیں تنقید کو وہ دوسرے درجے کی چیز سمجھتے تھے ان

کی نظر میں فکشن کا نمبر سب سے بعد میں آتا تھا۔ یادداشت غضب کی تھی۔ (ہماری کے زمانے میں بھی اس پر زیادہ اثر نہیں پڑا تھا) میں نے کبھی نہیں سنا ان کی کسی سے تکرار یا جھگڑا ہوا ہو۔ وقت کے بڑے پابند تھے مجھ سے ملنے کے لیے آتے تھے لیکن کھڑے کھڑے۔ میں بہت کتا بیٹھ جاؤ بھائی ایسی بھی کیا جلدی ہے کہتے اس وقت تو مصروف ہوں پھر کبھی سہی۔ جتنی بھی طویل نشستیں ہوئیں وہ ان کے گھر پر ہی ہوئیں۔ ایک دفعہ گھر آئے میں گھر پر نہیں تھا بیٹے نے انہیں کمرے میں بٹھا دیا اور خود کرکٹ کھیلنے کے لیے چلا گیا۔ آدھا گھنٹہ انتظار کیا اس وقت تک رکشہ کھڑا رکھا۔ واپس چلے گئے۔ جب اس واقعے کا مجھے علم ہوا تو میں نے بیٹے کو ڈانٹا۔ انہیں معلوم ہوا تو کہنے لگے ناحق ڈانٹا اس عمر میں بچے اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرا آدھا گھنٹہ ضائع ہوا۔

نجم الاسلام میں وضع داری تھی ان کے ہاں صاحب سلامت، واقفیت اور دوستی میں بڑا فرق تھا۔ تنہائی پسند تھے۔ ان کے ہاں کتابوں کے ڈھیر نہیں تھے جو کتاب بھی ان کے پاس تھی وہ ان کی پڑھی ہوئی ہوتی تھی۔ اپنی دلچسپی ہی کی کتابیں رکھتے تھے۔ خط خوب صورت تھا اسلوب میں دل آویز گفتگلی تھی۔ جس سے ایک دفعہ کسی علمی سلسلے میں تفصیلی ملاقات ہو جاتی تھی تو پھر اسے کبھی نہیں بھولتے تھے۔ علمی ادبی تحقیقی خطوط سنہال کر رکھتے تھے۔ تلاش کرنے پر ان کے ہاں نادر خطوط مل سکتے ہیں اپنے طالب علموں کا بوا خیال رکھتے تھے۔ میں جب بھی ان کے گھر گیا وہ باہر کی بیٹھک میں ہی ملے۔ کال ہیل کی موجودگی میں بھی میں دروازہ کھٹکھٹاتا تھا وہ میری اس عادت کو جانتے تھے۔

نجم الاسلام جیسے بااخلاق، بااصول اور رکھ رکھاؤ والے لوگ اب خال خال رہ گئے ہیں میں جب بھی ان کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے یونیورسٹی کا پورا زمانہ یاد آ جاتا ہے۔ ان کے تحقیق کے شمارے، ان کی کتابیں دیکھتا ہوں تو آنکھیں بھیک جاتی ہیں دیر تک ان کی یادوں میں ڈوبتا ہوں ایسا لگتا ہے جیسے وہ یہیں کہیں ہیں اور مجھ سے اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کریں گے۔





## بہ یاد۔۔۔ ڈاکٹر نجم الاسلام

سال ۱۹۸۷ء میں کالج کی ملازمت چھوڑ کر، میں نے سندھ یونیورسٹی کی ملازمت کا آغاز کیا۔ اسی سال میں یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے اپنا علمی و ادبی جریدہ ”تحقیق“ کے نام سے جاری کیا۔ پرچے کی اشاعت کی خبر سنی تو میں خود شعبہ اردو چلا گیا۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے ملاقات کی اور ”تحقیق“ کا شمارہ حاصل کیا۔ رسمی تعارف ہوا تو مجھے کہا، بھئی میں آپ کو ۱۹۸۱ء سے پہچانتا ہوں۔ گو کہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ مزید استفادے پر کہنے لگے، آپ کا ایک مقالہ سہ ماہی اردو میں (۱۹۸۱ء) شائع ہوا، تب سے مجھے آپ سے شناسائی ہے۔ اسی بات سے نجم الاسلام صاحب کی قوت حافظہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان کی ادارت میں ”تحقیق“ برابر چھپتا رہا اور ہر شمارے سے ان کی محنت اور لگن کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔ ہر آنے والا نیا شمارہ ضخامت اور مواد کی رو سے ادبی دنیا میں اپنا مقام پیدا کر رہا تھا۔ نہ صرف مقالات میں جدت تھی لیکن کچھ اور حوالوں سے بھی ”تحقیق“ کا نام علمی حلقوں میں پسند کیا جانے لگا۔ جریدے کی سندھ اور پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں بھی بڑی پذیرائی ہونے لگی۔

”تحقیق“ میں ڈاکٹر نجم الاسلام کی ذاتی دلچسپی اور جستجو سے ایک سیریز ”جام شورو کے مخطوطات“ شروع ہوئی۔ اس حوالے سے علمی و ادبی دنیا میں یہ پرچہ بڑی دلچسپی کا باعث بنا۔ اس عنوان کے تحت یہ مواد شائع ہوا۔

(۱) فرست مخطوطات، ذخیرہ راشد بہانپوری (تحقیق ۳/۱۹۸۹ء)

(۲) فرست مخطوطات، ذخیرہ حکیم شمس الدین حیدر آبادی (تحقیق ۳/۱۹۹۰ء)

یہ دو نثریں جناب شفیع محمد بروہی کے تعاون سے تیار ہوئیں۔ ان کا تعلق جامعہ سندھ کی

علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی لاہوری میں موجود قلمی نسخوں سے ہے۔

(۳) سندھی ادبی بورڈ جام شورو کے مخطوطات (تحقیق ۵/۱۹۹۱ء)

(۴) سندھی ادبی بورڈ جام شورو کے مخطوطات (تحقیق ۶/۱۹۹۲ء)

(۵) انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی جام شورو کے مخطوطات کی فہرست (تحقیق ۷/۱۹۹۳ء)

آخر الذکر تین فہارس خود ڈاکٹر نجم الاسلام کی تیار کردہ ہیں۔ ان فہرستوں کے چھپنے سے سندھ کے محققین کے علاوہ پاکستان اور ہندوستان میں عالموں اور اسکالرز کو پتا چلا کہ جام شورو کی سنگلاخ سرزمین پر کون کون سے علمی شہ پارے موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سندھ کی علمی دنیا سے یہ ایک بہت بڑی خدمت تھی، جو کہ نجم الاسلام صاحب کے ہاتھوں سرانجام ہوئی۔

تحقیق، میں ایک اور سلسلہ جو کہ توجہ کا باعث بنا، مختلف اسکالرز اور ادباء سے متعلق ”گوشہ“ کا شروع ہونا تھا۔ اس طرح آپ نے پانچ ایسے گوشے شائع کیے۔ گوشہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، گوشہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، گوشہ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزہمی، گوشہ ڈاکٹر نذیر احمد اور گوشہ ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ ایک دو مرتبہ مجھے بھی اس حوالے سے لکھنے کی دعوت دی۔ ایک مرتبہ میں نے تجویز دی کہ ایک گوشہ سید حسام الدین راشدی مرحوم کے لیے بھی وقف کیا جائے۔ لیکن آپ کہتے تھے کہ جن لوگوں نے جامعہ سندھ کی خدمت (ملازمت) کی ہے، یہ گوشے ان کے لیے وقف ہیں۔ راشدی صاحب واقعی ایک بڑے اسکالر تھے اور انہوں نے اردو کی خدمت بھی کی ہے، لیکن چونکہ ان کا تعلق سندھ یونیورسٹی سے نہیں رہا، لہذا ”تحقیق“ میں ان کے لیے گوشہ مقصود نہیں۔ میں نے رو بہ رو بھی کہا اور آج جب کہ ڈاکٹر نجم الاسلام اس دنیا میں نہیں رہے، میں یہ بات کرنے میں حق بہ جانب ہوں کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد اور ڈاکٹر نذیر احمد واقعی بہت بڑے اسکالر اور انسان ہیں، لیکن انہوں نے جامعہ سندھ کی کیا خدمت کی ہے کہ، ان کے لیے یہاں سے چھپنے والے ”تحقیق“ میں گوشے شائع کیے جائیں!

نجم السلام صاحب کی زیر اہتمام علیحدہ یا مشترکہ طور پر ”تحقیق“ کے تیرہ پرچے شائع ہوئے (۱۹۸۷ء-۱۹۹۹ء)۔ ان شماروں میں سندھ کے حوالے سے بعض اہم مقالے بھی چھپے۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا ایک مقالہ چھپا، جس میں ”سچ نامہ“ کے مترجم علی بن حامد کوفی کے فارسی اشعار پر سیر حاصل صفحہ کی گئی تھی۔ آگے چل کر میرے دوست محمد ہانصل ڈھرنے اسی مقالے کا سندھی ترجمہ کیا جو کہ ”مہراں“ نام کے مخزن میں شائع ہوا۔ سزہ کے حوالے سے خود ڈاکٹر نجم الاسلام کے

بعض دل چسپ اور معلوماتی مقالے بھی ”تحقیق“ میں شائع ہوئے۔ سندھ پر لکھتے وقت کبھی کبھار ہم سے بھی گفتگو کرتے اور مشورہ لیتے تھے۔ آپ کو کلہوڑا دور کے ایک غشی دولت رائے کی بیاض، سندھ صوبائی لائبریری حیدرآباد سے دست یاب ہوئی۔ اسی دور میں ایک مرتبہ میرے دفتر چلے آئے اور دولت رائے سے متعلق استفسار کیا۔ دولت رائے پر آپ کا مقالہ ”تحقیق“ شمارہ ۵، سال ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ آپ نے اس ضمن میں میری ایک ترجمہ کردہ تحریر سے استفادہ کیا اور حوالہ بھی دیا۔ یہ ان کی وسعت قلبی ہی کا مظاہرہ تھا۔ سندھ کے ایک بہت بڑے اسکالر نے میری ایک تحقیق سے بڑا کام لیا۔ لیکن ایسا کرتے حوالہ نہیں دیا۔ شاید اس طرح ان کی شان میں کمی آجاتی۔

پیر حسام الدین راشدی سندھ کے ایک بہت بڑے اسکالر، محقق، اور مؤرخ تھے۔ سندھی، اردو اور فارسی میں بہت کام چھوڑا ہے۔ اردو کے بڑے مداح تھے۔ آج سندھ میں اردو جس مقام پر ہے، راشدی صاحب کا اس میں بڑا کردار ہے۔ پیر صاحب کے دیرینہ دوست اور نامور مؤرخ ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب نے دو برس قبل مجھے راشدی صاحب کے اردو مضامین اور مقالات مرتب اور ایڈٹ کرنے کے لیے کہا۔ میں نے کام مکمل کرنے کے بعد پیر صاحب اور اردو کے حوالے سے ایک مفید مقدمہ لکھا۔ جب ریاض الاسلام صاحب نے یہ مقدمہ دیکھا تب فرمایا کہ ایک بار اس کو ڈاکٹر نجم الاسلام کو ضرور دکھاؤں اور ان کے مشورے سے یہ کام مکمل کروں۔ سن ۲۰۰۰ء کے اواخر میں اس ضمن میں ہمیں ہمارا رابطہ رہا۔ کبھی روپہ رو اور کبھی فون پر۔ مقدمے کو بڑے غور سے پڑھا۔ کچھ باتوں سے اختلاف بھی کیا۔ لیکن بالکل رد بھی نہیں کیا۔ کچھ معاملات پر مفید مشورے بھی دیے۔ اب یہ کتاب ”مقالات راشدی“ کے نام سے انسٹی ٹیوٹ آف سینئر اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز، کراچی یونیورسٹی سے چھپ رہی ہے۔ میں نے مقدمے میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے علمی تعاون کا شکریہ بھی ادا کیا۔ افسوس کہ ان کی زندگی میں یہ کتاب منظر عام پر نہ آسکی۔

مقالات راشدی میں ایک مقالہ سندھ کے حاکم میرزا غازی بیگ ترخان پر بھی شامل ہے۔ آگے چل کر راشدی صاحب نے اس موضوع پر مفصل تحقیق کی اور ایک شاندار کتاب تیار کی۔ یہ کتاب ”میرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب کے نام سے، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی نے، سال ۱۹۷۰ء میں شائع کی۔ مقالات راشدی پر میرا مقدمہ پڑھا تب مجھ سے دریافت کیا کہ، میرزا غازی بیگ پر ایک اور کتاب بھی چھپی ہے، یہ کتاب کہیں موجود ہے؟ میں نے بتایا کہ سید اختر مسعود رضوی کی لکھی ہوئی یہ کتاب علامہ آئی آئی قاضی لائبریری سندھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔ میرا

کی بیگ پر جب بات ہوئی تو آپ نے ایک بہت بڑا انکشاف کیا۔ مجھے بتایا کہ بھٹی میرزا کا دیوان کا خود راشدی صاحب کو بھی علم نہ ہو سکا اب دست یاب ہوا ہے۔ میرے استفسار پر بتایا کہ دوستان کی رام پور لائبریری میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ برصغیر کے اندر اس وقت فارسی کے بہت بڑے اسکالر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے، یہ دیوان ایڈٹ کر کے مجھے بھجوا دیا ہے۔ تاکہ میں اسے اس کو شائع کر دوں۔ پہلی ترجیح سندھی ادبی بورڈ کو ہے۔ بہ صورت دیگر میں یہ دیوان تحقیق میں مکمل طور پر شائع کر دوں گا۔ افسوس کہ ڈاکٹر نجم الاسلام کی اچانک وفات سے یہ کام رہ۔ غازی بیگ کا انتقال پچیس برس کی عمر میں، غریب الوطنی کی حالت میں قندھار میں ہوا، جہاں وہ تعمیر کی طرف سے حکومت کر رہا تھا۔ اس طرح ان کا دیوان گم ہو جانا فطری تھا۔ میر علی شیر قانع نے ”مقالات الشعراء“ میں ان کے دیوان کا ذکر کیا ہے۔ چار صدیوں کے بعد ان کا دیوان دست یاب ہوا۔ ہمارے علمی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ خدا کرے کہ کسی بھی طرح یہ دیوان چھپ کر منے آئے۔

سندھ کے حوالے سے ڈاکٹر نجم الاسلام کی تین خدمات کو برسوں تک یاد رکھا جائے گا۔ سندھی ادبی بورڈ میں مخطوطات کا عمدہ ذخیرہ موجود ہے۔ کچھ سال پہلے آپ نے ایک اور رفتی کے اتھ مخطوطات کا کیٹلاگ تیار کیا تھا، ویسے تو آپ نے بورڈ کے مخطوطات کی فہرست ”تحقیق“ میں شائع کر دی ہے، جس کا ذکر لوپر ہو چکا ہے۔ لیکن کیٹلاگ مکمل صورت میں ہنوز طبع نہیں ہوا۔ جب یہ کیٹلاگ کتابی شکل میں شائع ہوگا، تو علمی دنیا میں اس کی ایک اور مستقل حیثیت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کی دوسری خدمت ”امیات شاہ کریم“ کی صورت میں موجود ہے۔ شاہ کریم سندھی لائبریری کے ایک ابتدائی نام ہے۔ آپ کے نوے سے بھی زیادہ سندھی امیات ملتے ہیں۔ شاہ کریم کے امیات کا آپ نے منظوم اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۸۷ء میں انسٹی ٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی نے شائع کیا۔ ”امیات سندھی“، ڈاکٹر نجم الاسلام کی سندھ کے حوالے سے تیسری علمی خدمت ہے۔ خواجہ محمد زماں بھی شاہ کریم کی طرح سندھی کے ایک صوفی شاعر گذرے ہیں۔ ان کے چوراسی امیات محفوظ رہ گئے ہیں۔ نجم الاسلام صاحب نے ان امیات کا منظوم اردو ترجمہ کیا، جو کہ انسٹی ٹیوٹ آف سندھالاجی نے ۱۹۹۹ء میں چھاپ دیا ہے۔ ترجمہ وہ بھی منظوم صورت میں ایک مشکل فن ہے۔ اردو تو ڈاکٹر صاحب کی مادری زبان تھی۔ لیکن سندھی زبان پر بھی آپ مہارت رکھتے تھے۔ اس طرح آپ کو یہ تراجم کرنے میں آسانی اور کامیابی ہوئی۔ استاد محمد عجل لاکھو جو کہ لطیف آباد

حیدر آباد کے رہنے والے اور سندھی پرائمری استاد ہیں، مجھے بتایا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں ڈاکٹر صاحب میرے شاگرد بنے اور میں نے ان کو سندھی زبان کی تعلیم و تربیت دی۔ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے باقاعدہ سندھی پڑھی اور سیکھی، جو آگے چل کر ان کے کام آئی اور آپ نے سندھی شاعری کے تراجم کیے۔ سندھ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی یہ خدمات واقعی یادگار ہیں۔ میں گذشتہ تیرہ برس سے ڈاکٹر نجم الاسلام کو جانتا تھا۔ میں نے علمی ادبی دنیا میں رہے ہوئے بہت سے علماء، لوہالور شعراء کو قریب سے دیکھا ہے، لیکن نجم الاسلام صاحب جیسے خاموش طبع اور درویش صفت اسکالر کم ہی دیکھا۔ نجم صاحب نہایت شریف النفس انسان تھے۔ ان کے حلقہ کی قوت بلا کی تھی۔ خدا نے علم کے ساتھ صبر کی دولت سے بھی ان کو مالا مال کیا تھا۔ دس برس پہلے پورا سندھ لسانی فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ اسی دور میں نجم صاحب کے ساتھ کچھ ناواقفیت اندیش لڑکوں نے بد تمیزی کی۔ آپ نے نہ تو اس واقعے کو اپنی اپنا مسئلہ بنایا اور نہ ہی یونیورسٹی کو خیر باد کہنا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہم زبان پروفیسر بھی اس لوہارے میں تھے۔ جب بھی ان میں سے کسی کے ساتھ تھوڑی سی زیادتی ہوئی، ان لوگوں نے عواشور کیا اور رٹائرمنٹ لینے کے بعد یونیورسٹی اور سندھ کے متعلق عجیب و غریب باتیں کیں۔ لیکن اس آدمی نے درگزر اور خاموشی کو ترجیح دی۔ اس طرح خود بھی مقام ہٹس اور سندھ یونیورسٹی کی بھی عزت افزائی کی۔ لیکن ایک بات میں نے محسوس کی، اور وہ یہ کہ پیر حسام الدین راشدی کے ساتھ ان کو کچھ نہ کچھ خلش تھی۔ یہ بات کم از کم دو بار مجھے محسوس ہوئی۔ ایک مرتبہ جب میں نے ”تحقیق“ میں گوشہ راشدی کے لیے تجویز دی، دوسری مرتبہ جب ہم نے میرزا غازی بیگ پر راشدی صاحب کی کتاب اور سید اختر مسعود کی تحقیق پر گفتگو کی۔ بہر حال اب نجم صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے!



## ڈاکٹر نجم الاسلام کے خطوط

بنام

زاہد منیر عامر

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم (م ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء) کی عمر کا آخری مرحلہ تھا جب راقم الحروف سے ان کی خط و کتابت ہوئی، اس مراسلت کا آغاز ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کی جانب سے ہوا، یہ ۱۹۹۶ء کا ذکر ہے جب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کے توسط سے مجھے رسالہ ”تحقیق“ کا شمارہ ۸-۹ اعزازی طور پر ملا اور اس پر میری رائے طلب کی گئی، میں نے رسالے کے محتویات کو دیکھا، اس میں متعدد تحریریں دامن دل کو اپنی طرف کھینچنے والی پائیں، اس شمارے میں ایک نہایت وقیع گوشہ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزہمی (م ۱۹۵۵ء) کی یاد میں شامل تھا اس کے علاوہ نکلہ مقالات الشعراء۔ سید ابو العلا اکبر آبادی۔ میر رسم خان تالپور کی ایک دستاویز پر مقالے بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کی مرتب کردہ اردو کی اولین نسوانی خودنوشت ”بیستی کہانی“ بھی تعارف و مقدمے کے ساتھ پہلی بار اسی شمارے میں شائع ہوئی مخطوطات و متون کے گوشے بھی تھے۔ اصناف، مکتوبات، تبصرے، یادداشتیں رودلوں ان سب کے علاوہ۔

یوں تو اس شمارے میں وقیع تحریروں کی کمی نہ تھی لیکن مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور کے شائع کردہ ”دیوان غمگین“ (مطبوعہ جولائی ۱۹۹۴ء) پر ڈاکٹر نجم الاسلام کے مقالے ”دیوان غمگین کس غمگین کا ہے“ نے بظور خاص متاثر کیا جس میں انہوں نے بہت خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ لاہور سے جو دیوان مولوی عبدالقادر غمگین رام پوری کے کلام کے طور پر شائع ہوا ہے دراصل میر سید علی غمگین کی ملک ہے اور مولوی عبدالقادر رام پوری سے اس کا اقتساب درست نہیں ہے، اس بات کے حق میں انہوں نے خارجی دلائل کے ساتھ دیوان میں مندرج کلام سے بھی استشہاد کیا، خارجی اور داخلی

شہادتوں سے انہوں نے اپنے موقف کے حق میں جو دلائل پیش کیے وہ اتنے محکم ہیں کہ ان سے انکار آسان نہیں اور میرے علم کی حد تک اب تک ان کا جواب کسی طرف سے نہیں آیا ہے۔

میں اس مقالے سے متاثر ہوا اور میں نے اظہارِ پسندیدگی کے لیے ”تحقیق“ کے اس شمارے پر تبصرہ تحریر کیا جو اسی زمانے میں شائع بھی ہو گیا، اس میں میں نے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی تحریروں میں نظر آنے والی تحقیق کی روشنی کا ذکر کیا۔ لیکن یہ تبصرہ ڈاکٹر صاحب کو بھیجا گیا نہ ان کی نظر سے گزرا۔ یہ تبصرہ ڈاکٹر صاحب کے کمال تحقیق کا اعتراف تھا میری جانب سے ان کے کمال کا اعتراف ایک اور صورت میں بھی ہوا وہ یہ کہ میں نے اپنا ایک غیر مطبوعہ مقالہ ”تدوین متن۔۔۔ معیاری اسلوب کی تلاش“ ان کے رسالے کے لیے ارسال کر دیا، مقالہ ارسال کرنے کے بعد اتنا وقت گزر گیا کہ بات رفت گزشت ہو گئی۔ ۱۹۹۸ء میں، جن دنوں میرا قیام مرید کے میں تھا (جہاں میرا قیام ۲۱ نومبر ۱۹۹۸ء تک رہا) اور میں تعطیلاتِ گرما اور تھقیقِ متن میرا سوز کی مصروفیت کے باعث یونیورسٹی نہیں جایا کرتا تھا، وقفے کے بعد ایک روز لاہور آیا اور شام کے وقت یونیورسٹی اور ہیٹل کالج میں اپنے دفتر گیا۔ ایامِ غیبت میں آنے والی ڈاک دیکھی۔ ایک نامانوس مگر دل کش خط کا حامل لفافہ ڈاک کے ڈھیر پر پڑا کودے رہا تھا، کھولا تو ڈاکٹر نجم الاسلام کا مکتوب تھا پہلے کوئی مراسلت نہ تھی اس لیے اس اچانک خط سے حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی، خط میں دو برس قبل بھیجے جانے والے مقالے کی اشاعت کی خبر تھی اور میرے ایک پرانے مطبوعہ مقالے کا ایک حصہ رسالہ ”تحقیق“ میں اقتباس کرنے کی اجازت نما اطلاع، اس بات سے مکتوب نگار کی وضع داری ظاہر ہوئی اور تحقیق کی سچی قدردانی بھی۔

جواب طلب بات کا جواب لکھ دیا گیا پھر کچھ وقفے سے ”تحقیق“ کا شمارہ مشترکہ دہم و یازدہم بہ سلسلہ تحقیق منسوبات شائع ہو کر آ گیا اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے دست خطوں کے ساتھ اس ہیج میرز کو ارسال فرمایا میرے دونوں مقالوں کے آف پرٹس بھی بھجوائے۔ یہ شمارہ جیسا کہ اہل نظر جانتے ہیں کہ بہت وقیع تھا اور تحقیق منسوبات کے سلسلے میں ایک عمدہ دستاویز، میری جانب سے اس پر شکریہ کا خط گیا اور پھر وقفے وقفے سے خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا، اسی زمانے میں موصول ہونے والے ڈاکٹر صاحب کے خطوط خواندگانِ کرام کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میرے مختصر ربط کی باقی کہانی خطوط خود بیان کریں گے اور رہ جانے والے وضاحت طلب امور حواشی میں واضح کر دیے جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے خطوط جیسا کہ ان کے سواہ خط ہی سے ظاہر ہے ایک محتاط ذمہ دار اور شفاف شخصیت کا پتہ دیتے ہیں۔ مضامین ذاتی نہیں علمی ہیں۔ الفاظ کم مگر اظہار مدعا مکمل ہے۔ خیالات کے اظہار میں صفائی ہے اخفا نہیں۔ تحقیق سے دلچسپی اور تحقیق کی قدردانی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر خط کے بالائی حصے میں اپنا مراسلت کا پتہ پوری وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے خطوں کے لفافوں پر بھی یہی کیفیت ہے۔ مکتوب الیہ کا نام اور پتہ بھی خطوط کے آخر میں درج ہے کبھی نام اور پتہ دونوں اور کبھی محض نام۔ کوئی خط بلا تاریخ نہیں ہے اور کسی خط کی عبارت میں کوئی ترمیم و تفسیح نظر نہیں آتی۔





## استادِ گرامی

استادِ گرامی ڈاکٹر پروفیسر نجم الاسلام کی رحلت ایک عظیم سانحہ ہے، ادبی اور تحقیقی حلقوں کے لیے تو یہ ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے، ڈاکٹر صاحب ایک نامور محقق اور ماہرِ تعلیم تھے، آپ نے جس خاموشی سے تحقیقی کارنامے انجام دیے، اسی خاموشی سے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم کے گھر میں پھیلی ہوئی کتابیں اس میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کر رہی ہیں کہ جیسے کسی محاذ پر برسوں سے جنگ جاری رکھنے والا سپاہی اچانک حکم ملتے ہی اپنی نشانیاں چھوڑ کر کسی دوسرے محاذ پر نکل گیا ہو۔

شعبہ تعلیم اور سندھ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اساتذہ کرام، ریسرچ اسکالرز اور مرحوم کے احباب نے نہایت دکھ کے ساتھ آپ کے سفرِ آخرت کی رسومات ادا کیں جب کہ استادی محترم جناب ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں نے نمازِ جنازہ پڑھائی (جس کی وصیت مرحوم نے کی تھی) اور رقت آمیز دعاؤں کے ساتھ اپنے شاگردِ رشید کو رخصت کیا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کی تحقیقی کاوشیں پچاس برس سے زیادہ عرصے کو محیط ہیں، آپ ایک نقاد مبصر ہونے کے ساتھ ساتھ اصولِ املا پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سندھ یونیورسٹی جام شورو میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صدر شعبہ اردو نے اپنے دور میں شعبہ جاتی و نصابی مجلوں کا اجراء کیا جن میں نہ صرف اساتذہ بلکہ طلباء کے لیے بھی تحقیقی کاموں میں دلچسپی کا پہلو نمایاں تھا۔ موصوف کی شعبے سے سبک دوشی کے بعد جب ڈاکٹر نجم الاسلام شعبہ اردو کے صدر مقرر ہوئے تو آپ نے استادِ گرامی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جامعہ سندھ جام شورو میں شعبہ اردو کو مزید ترقی دی اور ”تحقیق“ کے نام سے ایک ایسا اہم اور پُر از معلومات مجلہ جاری کیا جس کی افادیت خاص پر تحقیقی حلقوں اور ریسرچ اسکالرز کے لیے مسلم ہے۔ ”تحقیق“ ۱۹۸۷ء سے باقاعدہ شائع ہوتا رہا ہے اور تقریباً ہر نمبر کسی نئے گوشے کے ساتھ اپنے معیار میں بھی قابلِ تعریف اضافہ کر رہا ہے۔ اس مجلے کو نہ صرف پاک و ہند کی جامعات میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ کئی دوسرے ممالک کے محققین بھی اس سے استفادہ کر رہے ہیں کیوں کہ آپ نے اس کی آبیاری اپنے خونِ جگر سے کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جامعہ سندھ میں شعبہ اردو سے منسلک (مرد و خواتین) پروفیسر صاحبان کو تحقیقی کاموں میں مصروف فکر دیا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آپ نے ”تحقیق“ کو اوڑھنا اور ہنچھونا بنایا ہوا تھا اور شعبہ اردو کے صدر رہتے ہوئے بھی نہایت قابل توجہ، واقع مقالے پیش کرتے رہے۔ آپ ذیابیطیس کے روڈی مرض میں مبتلا رہنے کے باوجود اپنی صحت کی پروا کیے بغیر اپنے مشن میں لگے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا اہم فریضہ اپنے تلامذہ اور آپ کے زیر نگرانی کام کرنے والے ریسرچ اسکالرز کی رہ نمائی تھا جسے آپ نہایت دیانت داری سے انجام دیتے رہے۔ ایم۔ اے، ایم فل اور پی۔ ایچ۔ ی کے طلباء کی رہ نمائی کے دوران وہ اپنی مصروفیات اور ذاتی مسائل کو پیش پشت ڈال دیتے تھے، اس ضمن میں راقم و ثوق سے کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ۷۰ سال کی ملاقات کے دوران کبھی اپنے کسی ایک بھی ذاتی مسئلے کا ذکر نہیں کیا۔ آپ اپنے قیمتی اور نہایت مصروفیت کے اوقات میں بھی اپنے تلامذہ کو مایوس نہیں کرتے تھے اور نہایت خلوص اور شفقت سے ابتدا سے لے کر تکمیل تک بھر پور رہ نمائی فرماتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ریسرچ اسکالرز کے لیے ایک تربیت گاہ کا درجہ رکھتی تھی آپ اپنے احباب اور شعبے سے منسلک نوواردین میں ہمہ وقت تحقیقی شعور بیدار کرتے رہتے تھے۔ آپ ایک نہایت ہی منکسر المزاج انسان تھے جن کی زندگی میں سادگی اور فروتنی کو ایک خاص درجہ حاصل تھا۔ آپ ذاتی شہرت کے قطعی قائل نہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب اور تلامذہ نے کئی مرتبہ آپ کے بارے میں کچھ لکھنا چاہا لیکن آپ نے ہمیشہ انھیں ٹال دیا۔ آپ ہمیشہ کسر نفسی سے کام لیتے تھے اور اپنے بارے میں کوئی ایسی بات یا واقعہ بیان کرنے سے اجتناب فرماتے تھے جس سے آپ کی علمی عظمت یا بڑائی کا پہلو نکلتا ہو۔

ڈاکٹر صاحب زہد خشک نہ تھے بلکہ موقع محل کے لحاظ سے کبھی کبھی نہایت پر مزاج ہنسٹگو فرماتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب لا ولد تھے لیکن آپ نے کبھی اسی محرومی کو ظاہری طور پر اپنے اوپر مسلط نہیں لیا بلکہ ان کی تمام شفقتیں اور محبتیں کتابوں کے ساتھ تھیں اور وہ بھی اس درجے کہ کسی اور جانب دیکھنے کی آپ کو فرصت کہاں تھی۔

ڈاکٹر صاحب کی لوملی زندگی کا آغاز تو آپ کے زمانہ طالب علمی سے ہو چکا تھا۔ جب آپ ملی۔ اے کے طالب علم تھے اسی دور سے ہندوستان کے مختلف رسائل و جرائد میں ان کے تنقیدی تبصرے شائع ہونے

لگے تھے۔ ماہنامہ معیار میرٹھ سے آپ کی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا پھر آپ ۱۹۵۱ تا ۱۹۵۶ اس رسالے کی ادارت سے وابستہ رہے۔ اسی مجلے کا ایک تنقیدی نمبر، ایک خصوصی نمبر اور دو اور کتابیں شائع کی تھیں۔

راقم نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کے دوران ڈاکٹر صاحب کو جس انداز کا پلایا وہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب کی مہربانیوں اور اپنی کوتاہیوں کے بارے میں یہ ناچیز اپنی یادداشتیں آئندہ پیش کرے گا۔ ایک بلند پایہ نقاد کی حیثیت سے بھی ڈاکٹر صاحب کی خدمات قابل تحسین ہیں، مختلف رسائل میں شائع ہونے والے تنقیدی تبصرے آپ کے غائر مطالعے اور انصاف پسندانہ رویے کے مظہر ہیں، ان میں چند تبصرے ”ماہنامہ معیار میرٹھ“ میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ تحقیق میں شائع ہونے والے مقالات آپ کی فن تحقیق پر گرفت اور تنقیدی نظریات کی غمازی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے وسیع تحقیقی مضامین و مقالات جو اردو، فارسی زبان و ادب اور ادارت کی تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں ”مطالعات“ میں یک جا کر دیے گئے ہیں جو ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۹ء تک کی درمیانی مدت میں نقوش صحیفہ اور نیٹیل کالج میگزین میں شائع ہو چکے تھے، انہیں آپ نے اپ ڈیٹ کر کے اور بھی اہم بنا دیا ہے۔

آپ نے اپنے استاد گرامی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ترغیب پر ایلسا قاضی کی ایک طویل انگریزی نظم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ علاوہ ازیں مخدومی ہی کی ترغیب و اصلاح سے خواجہ محمد زماں لواری نقشبندی (۱۱۸۸) کے سندھی ایلیٹ کا منظوم ترجمہ بھی کیا جو ادبی کارنامے سے کم نہیں۔ ایبات شاہ کریم کا سندھی سے اردو ترجمہ بھی ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ منتخب فارسی اشعار کا منظوم ترجمہ ”دو آہنگ“ کے نام سے کتابی صورت میں ہمارے سامنے ہے جو آپ کے بلند معیار ذوق کے علاوہ ایک اعلیٰ مترجم ہونے کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ادب میں سطحیت پسندی کے اثرات سے خدشات رکھتے تھے، ترقی پسند ادب اور ادیبوں کے بارے میں بھی ان کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کو شعراء اور ادیبوں اور ادیبوں کے بارے میں بھی ان کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کو شعراء اور ادیبوں سے اس امر کی بھی شکایت تھی کہ ان میں اخلاص اور تحریریت کی کمی رہی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ ادبی حلقے

اپنے آپ سے زیادہ دوسروں سے محبت کرنا سیکھیں اور اپنوں سے زیادہ دوسروں کے لیے قربانی کا جذبہ بیدار کریں۔

ڈاکٹر صاحب کا ادلی ذوق اور سندھی و فارسی ابیات کے منظوم اردو تراجم اس امر کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ آپ یقیناً ایک شاعر بھی تھے لیکن راقم کے سامنے نہ تو ان کے اشعار ہیں اور نہ ہی کوئی بیاض، امید ہے کہ اب ان کے اشعار ضرور سامنے آئیں گے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام جیسے ہمہ جیت شخصیت رکھنے والے محقق و ادیب روز بروز پیدا نہیں ہوتے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا پھیلا ہوا تحقیقی کام پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے اور اس طرح مرحوم کی روح کو سکون پہنچایا جائے۔

شہر سے باہر نکل کر روز دیتا ہوں صدا

اے خدا وہ جانے والا کب پلٹ کر آئے گا



## استاذی محترم ڈاکٹر نجم الاسلام

۱۳ فروری ۲۰۰۱ء میں صبح نو بجے کالج پہنچا تو پہلی خبر محمد فاروق مغل کے ذریعے مجھے ملی وہ پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کے سانچہ ارتحال کی خبر تھی۔ اور یہ کہ نماز جنازہ ظہر کے بعد ہوگی۔ فاروق نے مجھے یہ اطلاع تقریباً ساڑھے گیارہ بارہ بجے بہم پہنچائی تھی اور ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ نجم صاحب کے گھر پہنچا جائے کہ شاہ انجم ملول و غم زدہ کالج میں تشریف لائے اور ان سے معلوم ہوا کہ جنازہ عصر میں اٹھایا جائے گا۔ بہر حال میں ان کے مکان پر گیا۔ وہاں کافی لوگ موجود تھے۔ سو گواری کا ہر طرف ماحول تھا۔ کچھ دیر بیٹھ کر اپنے گھر آ گیا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے اور عصر سے پہلے دوبارہ نجم الاسلام صاحب کے مکان پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک میت لے جانے والی بس کے علاوہ سندھ یونیورسٹی کی اسٹاف بس بھی موجود تھی۔ میت اور تمام شرکاء بس میں سوار لوڈ کیمپس سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سٹی پہنچے۔ بعد نماز عصر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اپنے بہت معتبر اور عزیز شاگرد کی نماز جنازہ پڑھائی اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ ایسارقت آمیز منظر پہلے کسی نے کاہے کو دیکھا ہو گا کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کو اس ضعیفی اور نقاہٹ میں اپنے فرزندوں کی طرح عزیز شاگرد کی نماز جنازہ ادا کرنی پڑے گی یہ منظر کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

جنازے کو میر فضل ٹاؤن کے قبرستان لایا گیا اور مغرب ہوتے ہوتے انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ واپسی میں دعائے مغفرت دوبارہ ہوئی لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ یوں حیدرآباد سندھ میں علم و ادب اور تحقیق و تفحص کا ایک باب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام سے میرے مراسم کا زمانہ کم و بیش تیس برس پر محیط ہے۔ یہ ستر کے عشرے کی بات ہے میری ایک عزیزہ رفعت سلطانہ مرحومہ ان دنوں اپنے تحقیقی مقالے جو انہیں بعد میں پی ایچ ڈی اور ڈاکٹر بنانا، پر کام کر رہی تھیں اور ان کے گھراں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں تھے۔ عزیزہ

رفت اپنے مقالے کے وہ اجزاء جنہیں وہ مکمل کر لیں رائے اور نظر ثانی کے واسطے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے پاس میرے ذریعے بھیجیں اور ڈاکٹر صاحب ان اجزاء پر نظر ثانی کے بعد مجھے دے دیتے۔ جو میں واپس ڈاکٹر رفعت کو پہنچا دیتا۔

کبھی کبھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نظر ثانی کیے جانے والے اجزاء مجھے لوٹا دیتے اور حکم دیتے کہ یہ اجزاء ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے پاس لے جاؤ اور انہیں میری طرف سے کہنا کہ ”یہ اجزاء توجہ سے دیکھ لیں اور جو کمی بیشی ہو اس کی نشان دہی فرمادیں یا کچھ ضروری باتیں جو اس جزو سے متعلق ہوں انہیں بڑھادیں“۔ بس یہی قاصد گری اس خاکسار کے فرائض میں تھی جو ان دونوں بورگوں سے بار بار ملنے کے مواقع فراہم کرتی رہی اور یہ سلسلہ بعد میں شاگرد، استاد کا سلسلہ بھی ہو گیا اور اس خاکسار نے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے زیر سایہ ہی اپنے ایم اے اردو کا امتحان پاس کیا۔

۷۸-۷۹ء میں سندھ یونیورسٹی نے چند درجات میں شام کی کلاسیں شروع کیں۔ ان میں شعبہ اردو کی کلاسیں بھی شامل تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ایماء پر ہی میں نے ایم اے اردو کی کلاس میں داخلہ لیا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت سے مجھے پہلے ہی بہت اچھی طرح آگاہی ہو چکی تھی کہ وہ ایک خاموش اور اپنے کام سے کام رکھنے والی شخصیت ہیں، مگر ان کی براہ راست شاگردی سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ نہ صرف خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہنے والے ہیں، بلکہ ان تمام لوگوں جن کا ان سے کسی قسم کا تعلق ہو گیا ہے، چاہے شاگردی کا، چاہے نیاز مندی کا، سب کو اپنے جیسا ہی بنا دینا چاہتے ہیں۔ دنیا و مافیہا سے متعلق مگر سب سے الگ۔ بس اپنے کام سے تعلق باقی سب باتوں سے لا تعلق۔ ان کا یہ رویہ ذرا عجیب ضرور لگتا تھا۔ بھلا اس ہنگامی دور میں گرد و نواح ایسی بے تعلقی، مگر انہوں نے اس کٹھن کام کو کر کے دکھایا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ان پر نہ تو کسی سیاسی، لسانی، یا قبائلی مصیبت کا کچھ اثر ہوا اور نہ انہوں نے ایسے معاملات میں کبھی حصہ لیا، اور یہی مطالبہ ان کا اپنے شاگردوں سے تھا کہ وہ ایسے معاملات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ لکھنے، لکھانے کی عادت اپنائیں۔ جو کام کریں اسے ایسی لگن سے کریں کہ اگر وہ کام کسی کے سامنے جائے تو وہ حیرت اور تعریف کیے بنا رہ سکے۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے مجھے دیوانِ ہلکین کے ایک مخطوطے کے سلسلے میں ان سے رجوع کرنے کا حکم دیا میں وہ مخطوطہ لے کر ان کے پاس حاضر ہوا۔ مخطوطہ دیکھ کر

فرمایا کہ اس کا غائر مطالعہ کرو اور جو باتیں اس میں نظر آئیں انہیں بیاد بنا کر ایک مضمون لکھ ڈالو۔ میں نے حکم کی تعمیل میں مضمون لکھا اور انہیں دکھایا بڑے خوش ہوئے اور میری خوش قسمتی سے اس امر کا اظہار اپنے مضمون میں جو دیوانِ غمگین کے مطبوعہ، غیر مطبوعہ اور قلمی مخطوطات کا احاطہ کرتے ہوئے لکھا ہے اس خاکسار کے مملوکہ دیوان کو جو کہ سید علی غمگین کے دستِ خاص کی تحریر اور بیاض قرار دی گئی ہے اول درجہ پر، درجہ دوم پر لاہور کا مطبوعہ عکسی دیوان اور تیسرے درجے پر انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود مخطوطے کو قرار دیا ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کو رائے دی ہے کہ انجمن ترقی اردو پاکستان کا مخطوطہ جو کہ اب تک پائے جانے والے مخطوطات میں کامل ترین ہے۔ کو اپنے تحقیقی کام کی بیاد بنائیں۔

ڈاکٹر نجم الاسلام بہت شفیق استاد تھے۔ اپنے شاگردوں کو اپنے بچے سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی اپنی صلیبی اولاد نہیں ہے۔ یہی شاگردان کی اولاد تھے۔ جن کی تعلیم و تربیت کو وہ اور کاموں پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ کتنا بھی ضروری کام کر رہے ہوں، چاہے کسی تحقیقی مضمون کے سلسلے میں نایاب و کرم خوردہ کتاب محذب آلے سے پڑھ رہے ہوں، چاہے ان کے نوٹس بنا رہے ہوں، چاہے حاشیہ یا اشاریہ لکھ رہے ہوں میں یا کوئی بھی شاگردان کے پاس پہنچ گیا تو ناممکن ہے کہ وہ اپنے کام میں مشغول رہیں۔ فوراً سب کام سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں گے اور ساری توجہ آپ پر مبذول کر دیں گے اور جب تک آپ کے مسئلے کو پوری توجہ سے سن کر اپنی لیاقت و استعداد کے مطابق پوری طرح سلجھا نہیں دیں گے اپنے کام کے بارے میں سوچیں گے بھی نہیں۔ بعض مرتبہ خود ہمیں اس بات کا افسوس ہوتا تھا کہ ہم کیوں اس وقت آگئے اور ہماری وجہ سے انہیں اپنا ضروری کام چھوڑنا پڑا۔ مگر خود ان کے ماتھے پر ہنسن تک نہ ہوتی لوزنہ ان کے کسی عمل سے آپ کو یہ پتا چلا کہ انہیں ہمارا اس وقت آنا ناگوار ہوا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب اسی وجہ سے تھا کہ انہیں بچوں سے بے انتہا محبت تھی اور ان کے شاگرد ہی ان کے بچے تھے۔

وہ اپنے شاگردوں کو بالکل تازہ اور مستند معلومات فراہم کرتے تھے۔ اگر کسی معاملے میں انہیں شک ہوتا کہ معلومات میں شبہ ہے تو وہ بڑی صاف دلی سے اس کا اعتراف کر لیتے تھے کہ مجھے اس وقت یہ بات یاد نہیں یا یہ میرے علم میں نہیں میں دیکھ کر بتاؤں گا۔ یہ بات کہہ کر وہ بھول نہیں جاتے تھے۔ بلکہ بڑی کھوج اور تلاش کے بعد صحیح اور مستند معلومات اپنے شاگردوں کو مہیا کرتے اور

ایسا کرتے وقت وہ بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور شاگردوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتے کہ تم نے بہت خوب سوال کیا۔ ایسے ہی سوالات سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ کہاں تک ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے اوصاف و صفات بیان کیے جائیں۔ باتیں لکھتے چلے جائیے، ہاتھ مثل ہوتے اور کاغذ قلم ساتھ چھوڑتے۔ چلے جائیں گے، ان کی باتیں نہ ختم ہوں گی اور نہ دل ہی ان کی باتیں کرنے یا لکھنے سے بھرے گا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب ایک محقق اور نقاد تھے، مترجم تھے، شاعر تھے، ماہر تعلیم تھے، استاذ الاساتذہ تھے۔ وہ کبھی کبھی تھے مگر سب سے بڑھ کر وہ ایک ایسے انسان تھے کہ انسان دوستی جن کا شعار تھا۔ وہ بڑوں کے بڑے اور بچوں کے لیے ان کی ماں تھے۔ وہ تھے تو باپ ہی، مگر ان کے سینے میں بچوں کے لیے ایک ماں کا دل دھڑکتا تھا۔

”حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا“





## ڈاکٹر نجم الاسلام (مرحوم)

میں، ۱۹۶۳ء میں، سندھ یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ میں آیا۔ اس وقت محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور دوسرے اساتذہ تھے۔ نجم الاسلام صاحب شاید ۱۹۶۶ء میں شعبے میں آئے۔ پہلے وہ ریسرچ اسکالر تھے۔ بعد میں ان کو اردو کے لکچرار کی حیثیت سے لے لیا گیا۔ پرانے کیمپس میں ان سے اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ جب نئے کیمپس جا مشورہ آگئے تو یونیورسٹی بس میں روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کے سلسلے میں ان سے بات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ اردو میں ابھی تک پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے بہت وسیع موضوع منتخب کیا جاتا ہے جیسے ”لکھنؤ کی اردو شاعری“، ”اردو شاعری کا ارتقاء“، ”اردو شاعری کا ثقافتی پس منظر“، ”اردو ناول کے ۲۰ سال“ وغیرہ۔ یہ موضوعات اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ ان میں ایک نہیں کئی پی۔ ایچ۔ ڈی مقالے لکھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اردو ناول کے ۲۰ سال میں بہت سے ناول نگار ہیں جن پر انفرادی کام ہو سکتا ہے جو بہتر انداز میں کیا جاسکتا ہے۔ نجم الاسلام نے کہا کہ اردو میں چوں کہ زیادہ کام نہیں ہوا ہے اس لیے اس قسم کے وسیع موضوعات چنے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ اس سے ایک تو صحیح کام نہیں ہوتا ہے دوسرے سرسری جائزہ لیا جاتا ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی مقالے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کا موضوع چھوٹا اور متعین ہو اور جس پر گہرائی سے کام کیا جاسکے۔ میں نے اسلامی ثقافت کے ایک استاد کی مثال دی۔ انھوں نے پشاور کے ایک طالب علم کو موضوع دیا ”سرخد کا اسلامی ادب“۔ اب اس میں وقت ہے کہ سب سے پہلے زمانے کا تعین نہیں ہوا کہ ۱۰۰ سال، ۲۰۰ سال کب تک کا ادب۔ پھر کس زبان کا ادب، فارسی، پشتو، اردو، ہندکو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طالب علم کو ۷ سال لگ گئے اور پتہ نہیں اس نے کیا کام کیا کیوں کہ میں نے اس مقالے

کو نہیں دیکھا۔

انگلستان میں اپنے تین سالہ قیام (۷۲-۱۹۶۹ء) میں، میں نے شاعری کی تھی اور اس کو قلم بند کر لیا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ دن بھر یونیورسٹی لائبریری میں فلسفہ پڑھتا۔ شام گھر آنے کے بعد فرصت ہوتی تھی۔ میں یہاں سے مشہور شعراء کے دیوان لے کر گیا تھا۔ ان کی غزلوں کو پڑھتا اور جو بحر پسند آجاتی اس پر طبع آزمائی کرتا۔ میں نے اس سے پہلے شاعری نہیں کی تھی، اشعار کے وزن سے بھی واقف تھا نہ بحر و کلام کا علم تھا۔ موسیقی کی شدید تھی اس کے سہارے میں نے غزلیں، نظمیں اور قطعات لکھے، وہ اچھے خاصے ہو گئے انگلستان میں دوستوں کی محفل میں سنایا۔ ایک مشاعرے میں شرکت بھی کی جس میں بہت داد ملی۔ میں نے نجم الاسلام سے کہا کہ وہ پورے کلام کو دیکھ لیں اور اس کی تصحیح کر دیں، وہ راضی ہو گئے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جا مشورہ آتے جاتے وہ میری غزلوں کو ٹھیک کرتے اور اس طرح انہوں نے میرے پورے کلام کو دیکھ لیا۔ بحر، وزن، ردیف، قافیے کے متعلق بھی سمجھایا کہ کہاں میں نے غلطی کی ہے۔ غرض اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اسی عرصے میں، میں نے اپنی چند غزلیں رئیس امر و ہوی (مرحوم) کو بھیجیں۔ انہوں نے تصحیح کر کے ان کو واپس کر دیا۔ وہ میرے پاس موجود ہیں۔ غرض اس سلسلے میں نجم الاسلام صاحب میرے استاد ہیں۔

نجم الاسلام صاحب نے سندھ یونیورسٹی شعبہ اردو سے ”تحقیق“ رسالہ نکالا جس میں اعلیٰ مضامین ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے لیے تحقیق میں ایک گوشہ مختص کیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کا پر ایک تفصیلی مضمون لکھا اور اسے نجم الاسلام کو دیا لیکن اتفاق کہ ڈاکٹر صاحب کے ناگپور یونیورسٹی کے ایک شاگرد پروفیسر رفیع الدین اشفاق صاحب کا مضمون اسی نوعیت کا آگیا، لہذا نجم الاسلام نے میرے مضمون کو روک لیا اور رفیع الدین صاحب کے مضمون کو شائع کر دیا۔ مجھے اس کا بہت افسوس ہوا، میں نے ان سے ذکر بھی کیا، وہ خاموش رہے۔

میں نے ایک مقالہ ”اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ کیسے لکھا جائے“ ان کو تحقیق کے لیے دیا، اس میں شعبہ اردو کے ایک استاد کا ذکر تھا، دوسرے استادوں کا بھی ذکر تھا۔ میں نے اس میں ان کو تاہیوں کی طرف اشارہ کیا تھا جو عام طور پر اردو کے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالات میں پائی جاتی ہیں۔ نجم الاسلام صاحب بہت ناراض ہوئے، میں خاموش رہا۔ دو دن کے بعد وہ میرے گھر آئے اور معذرت کی کہ وہ بلاوجہ ناراض ہو گئے تھے۔ میری سب باتیں صحیح تھیں۔ انہوں نے مجھ سے اس مقالے میں کچھ ترمیم کی اجازت مانگی۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ مقالے کا جو حصہ آپ کا ٹنا چاہیں کاٹ دیں۔ مجھے

کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ”تحقیق“ کے اس شمارے پر دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر رشید خاں صاحب نے خاص طور سے میرے مقالے کے متعلق لکھا کہ اس میں طلباء کی رہنمائی کے لیے بہت سی باتیں ہیں۔ نجم الاسلام صاحب کی بڑائی ہے کہ وہ پروفیسر رشید خاں کا تبصرہ لے کر آئے اور خوش ہو کر فرمایا۔ ”دیکھیے انہوں نے آپ کے مضمون کی تعریف کی ہے۔“

نجم الاسلام صاحب سے میرا زیادہ تعلق نہیں رہا۔ وہ خاموش طبع، مخلص اور پڑھنے لکھنے والے آدمی تھے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب ان کی فارسی کی قابلیت کے معترف تھے۔ ان کے انتقال سے ہم ایک اچھے استاد اور محقق سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)۔



## ڈاکٹر نجم الاسلام کی سندھی ادب میں دلچسپی

ڈاکٹر نجم الاسلام اردو دان طبقے سے تعلق رکھنے والے ایسے آدمیوں میں سے ایک تھے، جو فلوی کے بعد سندھ میں آئے اور سندھ کے علم و ادب میں گہری دلچسپی لینے لگے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام ہندوستان کے شہر ججور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ شاید بعد میں والدین کے ساتھ میرٹھ آئے۔ جہاں گریجویشن تک تعلیم حاصل کی۔ آزادی کے بعد پاکستان آئے اور سندھ کے شہر سکھر میں سکونت اختیار کی۔ مزید تعلیم ایم۔ اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری سندھ یونیورسٹی سے حاصل کی (۱)۔ سکھر میں رہائش کے دوران اسلامیہ کالج سکھر میں استاد کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے شوق دلانے پر ”ہندستان دہلی کی اردو نثر“ کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھا اور سندھ یونیورسٹی سے غالباً ۱۹۶۹ء میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری لی۔

سکھر میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد حیدرآباد چلے گئے اور غزالی کالج لطیف آباد میں پڑھانے لگے اور اس کے بعد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی سفارش پر سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں استاد کی حیثیت سے منسلک ہو گئے (۲)۔

ڈاکٹر نجم الاسلام ایک محنتی اور ہوشیار استاد ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے بھی گہرا شغف رکھنے والے انسان تھے۔ تحقیق اور ترجمہ ان کا خاص موضوع تھا۔ پڑھنا اور لکھنا ان کی زندگی کے اہم مقصد تھے۔ ان کے قلم سے متعدد ادبی اور تحقیقی مقالات لکھے گئے، جو ادبی میدان میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ قیمتی تحقیقی مقالات سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے جریدے تحقیق اور دوسرے کئی رسائل میں وقت بہ وقت شائع ہوتے رہے ہیں (۳)۔

مختلف رسائل میں شائع ہونے والے ایسے مقالات میں سے چند کو ترتیب دے کر ”مطالعات“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے (۴)۔ ابھی ابھی ایسے کافی مقالات مختلف

رسائل مثلاً، تحقیق وغیرہ میں بھرے پڑے ہیں۔ یہ تمام مقالات علمی اور تحقیقی معلومات کا خزانہ ہیں۔ ہمارے علمی اور ادبی اداروں کو چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کے ایسے تمام مقالات کو جمع کر کے مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کرائیں تاکہ آج کا ہر ایک محقق اور مورخ ڈاکٹر صاحب کی ایسی قیمتی علمی کاوشوں سے واقف ہو کر مستفیض ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹریٹ کی تحقیقی تھیسز اب تک شائع نہیں ہوئی، بہ تر یہ ہے کہ ایسا قیمتی اور تحقیقی مقالہ جلد از جلد شائع کر لیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب کو نثر کے ساتھ نظم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اردو کے ساتھ انگریزی، فارسی اور سندھی زبان کے بھی بڑے عالم تھے۔ انہوں نے سندھی اور فارسی کے بہت سے مشہور شعراء کے کلام کا مثنوی اور منظوم اردو ترجمہ کیا۔ ذیل میں ڈاکٹر نجم الاسلام کی ایسی ادبی کاوشوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ جن کا تعلق سندھ اور سندھی ادب سے ہے۔

۱ لیڈی ایلسا قاضی کی نعتیہ نظم کا اردو ترجمہ: اس ترجمے کے متعلق ڈاکٹر نجم الاسلام خود لکھتے ہیں کہ ”منظوم اردو تراجم کا آغاز اقم نے لیڈی ایلسا قاضی کی ایک طویل نعتیہ نظم سے کیا تھا۔ جو انگریزی میں تھی۔ یہ ترجمہ ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی کی طرف سے اصل انگریزی نظم کے ساتھ چھپا تھا (۵)۔“

۲ ابیات سندھی: حضرت مخدوم محمد زمان لواری (متوفی ۱۱۸۸ھ) کے سندھی ابیات سندھی کلاسیکل ادب میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان ابیات کا پہلی مرتبہ ڈاکٹر نجم الاسلام نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ منظوم اردو ترجمہ پیر سعید حسن نے اپنی کتاب ”ابیات سندھی حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان“ میں اردو نثری ترجمے اور سندھی میں تشریح کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے ان ابیات کا منظوم اردو ترجمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے کہنے پر کیا تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں کہ ”میری فرمائش پر عزیز گرامی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب (صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) نے ان کا خواجہ محمد زمان کے سندھی ابیات کا منظوم اردو ترجمہ تیار کیا ہے“ (۶)۔ مترجم خود اس کے اعتراف میں لکھا ہے کہ ”سندھی شاعری کے منظوم اردو ترجمے کی طرف مجھے اولاً مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، اہل صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی نے متوجہ کیا تھا، چنانچہ اس کی ایک کوشش میں نے ۱۳۰۰ھ میں کی اور قبلہ سے صاحب کی فرمائش پر غلام مصطفیٰ خاں کے ایک سندھی بورگ اور ایک بلند پایہ قدیم سندھی

شاعر خواجہ محمد زمان لواری (متوفی ۱۱۸۸ھ) کے مکمل مجموعہء کلام موسومہ ایات سندھی کا منظوم اردو ترجمہ کیا“ (۷)۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب، راقم کی طرف لکھے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ”اس ترجمے میں مخدوم محمد زمان کے ایات کے منظوم اردو ترجمے کو الگ سے چھپوانے کا بھی ارادہ ہے“ (۸)۔ اس کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ ارادہ زندگی میں پورا نہ ہو سکا۔ ادبی اداروں کو چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس شہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس منظوم اردو ترجمے کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کروائیں۔

ایات شاہ کریم: سندھی کے کلاسیکل ادب میں شاہ کریم کے سندھی ایات کو قدیمی حیثیت حاصل ہے، یہ ایات تصوف میں لوچا مقام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے شاہ کریم کے سندھی ایات کا بھی منظوم اور نثری اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ نثری اور منظوم اردو ترجمہ سندھی متن کے ساتھ ”انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی جامشورو“ کی طرف ”ایات شاہ کریم“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔

ایات قاضی قاضی: ڈاکٹر نجم الاسلام نے سندھی کلاسیکی ادب کے ایک قدیم شاعر قاضی قاضی کے ان سات سندھی ایات کا بھی نثری اور منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو سب سے پہلے ملے تھے۔ یہ منظوم اور نثری اردو ترجمہ بھی سندھی متن کے ساتھ مذکورہ بالا کتاب، ایات شاہ کریم کے آخر میں بہ طور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے (۹)۔

قاضی قاضی کے مذکورہ بالا سات ایات کے علاوہ بعد میں بھی ان کے کافی تعداد میں سندھی ایات ملے تھے، ان تمام ایات کا بھی ڈاکٹر صاحب نے نثری اور منظوم اردو ترجمہ کیا تھا۔ جس کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ ”قاضی قاضی کے نو دریافت کلام کا ایک مجموعہ قاضی جو کلام کے نام سے بھپ کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس مجموعے کا منشور اور منظوم ترجمہ آئندہ پیش کیا جائے گا۔“ ایک اور جگہ پر بھی لکھا گیا ہے کہ ”(ڈاکٹر صاحب) آج کل ایک اور قدیم سندھی شاعر قاضی قاضی (متوفی ۱۱۵۸ھ) کے ایات کا ترجمہ کر رہے ہیں“ (۱۰)۔

۵ سندھی ادبی بورڈ کے مخطوطات کا ایٹلاگ: ڈاکٹر نجم الاسلام کو مخطوطات کے ذخائر کو دیکھنے اور ان کے تفصیلی ایٹلاگ تیار کرنے اور ان میں سے خاص مخطوطات کا تفصیلی تعارف پیش کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اسی شوق کے مد نظر انہوں نے سندھی ادبی

بورڈ کی لائبریری میں موجود مخطوطات کا ایک تفصیلی کیٹلاگ انگریزی میں تیار کیا۔ کیٹلاگ کی تیاری کے متعلق غلام ربانی آگرو لکھتے ہیں کہ ”ایک دن اس ملاں میں اتفاقاً خیال ہوا کہ ان تمام (سندھی ادبی بورڈ کی لائبریری میں موجود مخطوطات کا) بے بہا مخطوطات کا علمی کیٹلاگ تیار ہو، تاکہ خبر ہو کہ یہ کس کے لکھے ہوئے ہیں اور کس کے متعلق ہیں۔ ۱۰۰۰ ایک دن اسی فکر میں سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ریٹائرڈ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے پاس گیا۔ میرا مدعا سنا اور کہا کہ میں آپ کے پاس آؤں۔ ۱۰۰۰ دوسرے دن یونیورسٹی کے اردو شعبے سے دو پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام اور مرحوم صغیر صاحب بورڈ میں آئے۔ انڈیا آفس لائبریری، برٹش میوزیم، بالڈین لائبریری اور دوسرے خاص بین الاقوامی شہرت رکھنے والے اداروں کے کیٹلاگ ساتھ لے آئے اور کام شروع کیا۔ میں نے ان کا نام ملانک رکھا۔ بلاناغہ روزانہ دوپہر کو آتے تھے۔ گرمی، سردی، ہوا، برسات اور طوفان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ خاموشی میں دو تین گھنٹے کام کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ دوپہر کا کھانا بھی گھر سے ساتھ لے آتے تھے۔ مجھ سے کبھی سندھی محاورے کے مطابق چائے کا کپ بھی طلب نہیں کیا۔

(۶) تین سال کی مسلسل محنت کے بعد ان دونوں اشراف نے بواشاہی علمی کیٹلاگ تیار کر کے میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں دس پندرہ سال اسلام آباد بدلی ہو گیا۔ بعد میں حمید آخوند کے سوا کسی اور نے کیٹلاگ کو دیکھا بھی نہیں۔ میں نے رب پر توکل کر کے ابھی سائیں جو یہ صاحب کے مشورے سے اس کی اشاعت کا کام شروع کر لیا ہے“ (۱۱)۔

اس کیٹلاگ کے متعلق خود ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ”بورڈ کے اس ذخیرہ مخطوطات کی ایک توضیحی فرسٹ بوجان انگریزی (ضخامت فولس کیپ سائیز کے ایک ہزار صفحات) برٹش کیٹلاگ کے طرز پر راقم نے فاضل مکرم ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین کی رفاقت و شراکت میں تیار کر کے ۱۹۸۰ء میں اشاعت کے لیے بورڈ کے سپرد کر دی تھی۔ اس میں کم و بیش ساڑھے تین سو صفحات ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین کے اور باقی ماندہ کم و بیش ساڑھے چھ سو صفحات راقم کے تالیف کردہ تھے۔ اور ان سب پر نظر ثانی استاذی و مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے کی تھی۔ یکم مئی ۱۹۷۵ء کو اس کام کا آغاز ہوا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں مسودہ اشاعت کے لیے تیار تھا۔ طباعت کی نوبت ابھی تک نہیں آئی“ (۱۲)۔

کچھ وقت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ان مخطوطات کا اردو میں بھی کیٹلاگ تیار کیا۔ جو قسط وار

تحقیق“ کے مختلف شماروں میں شائع ہوا۔ اس کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ ”چنانچہ سر دست یہی سب ہے کہ ان پیش یہاں مخطوطات کی ایک اجمالی فہرست ہی پیش کر دی جائے۔ اسے راقم نے مشورہ کے مخطوطات کی گذشتہ اقساط کے طریقے پر تیار کیا ہے، البتہ زبان کے لحاظ سے ذیلی تقسیم کا اضافہ کیا ہے“ (۱۳)۔

سندھی لومی بورڈ کی لائبریری میں موجود، عربی، فارسی، سندھی اور اردو زبان کے یہ مخطوطات تاریخ، ادب، شاعری، حدیث، قرآن، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے متعلق ہیں۔ بہت ہی بہتر ہو جائے کہ ان نایاب مخطوطات کا یہ شاہی کیٹلاگ جلد سے جلد شائع کر لیا جائے، تاکہ ہر ایک محقق اس قیمتی ذخیرے سے مستفیض ہو سکے اور اس کے بعد اس کیٹلاگ کا سندھی اور اردو ترجمہ کر لیا جائے اور شائع کیا جائے۔

بیاض دولت راء سندھی: پروفیسر میوزیم حیدرآباد کی لائبریری میں فارسی کا ایک مخطوطہ ”بیاض دولت راء سندھی“ کے نام سے P-906 نمبر پر موجود ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے اس قلمی بیاض کا باریک بینی سے مطالعہ کر کے ایک تعارفی مقالہ تیار کیا۔ جو ”تحقیق“ ۵/۱۹۹۱ء میں شائع ہوا (۱۴)۔

۷ جا مشورہ کے مخطوطات: (انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی کے مخطوطات کی اجمالی فہرست اور وضاحتیں): سندھی لومی بورڈ کی لائبریری میں موجود مخطوطات کا کیٹلاگ تیار کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی جا مشورہ کی لائبریری میں موجود نایاب مخطوطات کا کیٹلاگ تیار کیا۔ یہ کیٹلاگ ”تحقیق“ ۷/۱۹۹۳ء میں شائع ہوا ہے (۱۵)۔

۸ جا مشورہ کے مخطوطات کے متعلق چند یادداشتیں: اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے سندھی لومی بورڈ کی لائبریری میں موجود چند ایسے مخطوطات کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے جو اردو یا اردو آمیز ہیں۔ یہ مقالہ بھی ”تحقیق“ ۱۰-۱۱/۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے (۱۶)۔

تازہ ڈاکٹر غلام محمد لاکھو نے راقم الحروف کو ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ ”ڈاکٹر نجم الاسلام کی وفات سے چند روز پیشتر کسی لومی کام کے سلسلے میں وہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے اس کے گھر



گئے تو دوران ملاقات ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ”تازہ ہندوستان کے ایک عالم (۲) نے میرزا بیگ ترخان کا نایاب دیوان مرتب کر کے چھپائی کے لیے اسے بھیج دیا ہے۔ یہ دیوان چھپائی کے سندھی ادبی بورڈ کے حوالے کر دیں گے۔ اگر سندھی ادبی بورڈ نے چھپائی کی حامی بھری تو ٹھیک وہ خود اسے تحقیق کے آئندہ والے شمارے میں شائع کر دیں گے (۱۷)۔

ادبی حلقوں کے لیے یہ ایک بہترین خوش خبری ہے، کیوں کہ چند سال پیش ترجمہ ح الدین راشدی نے اپنی تصنیف، میرزاغازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب میں لکھا کہ ”شعر و سخن تمام اصناف میں میرزا نے مشق کی اور پانچ ہزار اشعار کا دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ ۱۰۰۰ افسوس ہے کہ پانچ ہزار اشعار کے دیوان کا ایک نسخہ بھی آج دنیا میں موجود نہیں“ (۱۸)۔

اس نایاب دیوان کے متعلق سید اختر مسعود رضوی لکھتے ہیں کہ ”بیوی جستجو لور کدوکاوش کے باوجود میرزا کے دیوان اشعار کا سراغ نہیں مل سکا۔ ۱۰۰۰ میرزا جیسے ذہین و طبع فحس کے مجموعہ کلام کا اطلاق دراصل ایک ادبی المیہ ہے۔ ۱۰۰۰ ان کا دیوان ان کی وفات کے بعد مرتب ہوا تھا“ (۱۹)۔

بہت اچھا ہوا کہ ہندوستان کے ایک عالم کو کسی کتب خانے میں سے میرزاغازی بیگ ترخان کے اسی نایاب فارسی دیوان کا مخطوطہ ہاتھ آیا اور اس نے ایڈٹ کر کے ڈاکٹر صاحب کو اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ اچھا ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو زندگی کی چند سال مہلت اور دیتا تاکہ وہ خود اس نایاب شہ پارے کی اشاعت کو دیکھ لیتے، لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب اپنی آنکھوں سے اس کی اشاعت کو نہ دیکھ سکے اور یہ حسرت دل میں لے کر راہ ربانی چلے گئے۔ اس لیے ادبی لوگوں، ادبی حلقوں اور ادبی دوستوں سے گزارش ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے ورثاء سے اس نایاب گوہر کا ایڈٹ شدہ نسخہ ہاتھ کر کے جلد سے جلد شائع کرائیں تاکہ وہ تلف ہونے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے اور ہر ایک محقق اور مؤرخ اس کو دیکھ سکے اور مستفیض ہو سکے۔

## حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر نجم الاسلام (مترجم) ابیات شاہ کریم، طبع لول ۱۹۸۷ء، انشی ٹیوٹ آف سندھیالوجی جامشورو۔ صفحہ ۱۳ ورق۔ سہ ماہی انشاء حیدرآباد، ماہ جنوری۔ مارچ، ۲۰۰۱ء۔ صفحہ ۲۶۔

(۲) ایضاً، صفحہ ۲۶، ۲۲ اور ۹۳۔

”تحقیق“ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے سالانہ کی صورت میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ یہ جریدہ ڈاکٹر نجم الاسلام کی ایڈیٹری میں سال ۱۹۸۷ء سے شروع ہوا، اور اس وقت تک یعنی سال ۱۹۹۹ء تک ۱۰ پرچے (نمبر ایک سے تیرہ تک) شائع ہو چکے ہیں۔ (نمبر ۸-۹، ۱۰-۱۱، ۱۲-۱۳ اور دو مشترکہ پرچے ہیں)۔ اس جریدے تحقیق میں ملک اور بیرون ملک کے نامور محققین کے تحقیقی مقالات سینکڑوں کی تعداد میں چھپ چکے ہیں۔ اس جریدے یعنی تحقیق کے مختلف شماروں میں ان تحقیقی مقالات کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مطالعے اور محنت کا پتا پڑتا ہے اور اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو دلو دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

(۴) ڈاکٹر نجم الاسلام کے قیمتی مقالات کا یہ مجموعہ ”مطالعات“ پہلی مرتبہ ۱۹۹۰ء میں ”ادارہ اردو حیدرآباد“ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ (سہ ماہی انشاء حیدرآباد، ماہ جنوری، مارچ ۲۰۰۱ء، صفحہ نمبر ۴۲)۔

(۵) ڈاکٹر نجم الاسلام، دو آہنگ، طبع اول ۱۹۸۹ء، ادارہ اردو حیدرآباد، صفحہ ۳۔

(۶) پیر سعید حسن، ابیات سندھی حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمانؒ۔

طبع اول ۱۹۸۱ء، کراچی، صفحہ ۴۔

(۷) ابیات شاہ کریم۔ صفحہ ۴، دو آہنگ، صفحہ ۳۔

(۸) ڈاکٹر نجم الاسلام کا خطنامہ راقم الحروف، بتاریخ ۳۱، اکتوبر ۱۹۹۲ء

(۹) ابیات شاہ کریم، صفحہ ۱۰۵-۱۱۲

(۱۰) ایضاً، صفحہ ۱۱۲، اور پس ورق

(۱۱) سہ ماہی مہراں ۳/۲۰۰۰ء، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، صفحہ ۳۶-۳۷

(۱۲) تحقیق ۵/۱۹۹۱ء، صفحہ ۷۳

(۱۳) تحقیق ۵/۱۹۹۱ء، پہلی قسط، صفحہ ۷۱ سے ۱۳۹، اس قسط میں ۱۶۵ مخطوطات کا تعارف ہے۔

تحقیق ۶/۱۹۹۲ء، دوسری قسط، صفحہ ۳۳۷ سے ۴۱۱۔ اس قسط میں ۳۲۸ نمبر تک

مخطوطات کا تعارف ہے۔

(۱۴) تحقیق ۵/۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۰۲ سے ۳۳۱۔

(۱۵) تحقیق ۷/۱۹۹۳ء، صفحہ ۴۳۱-۴۵۰۔ اس قسط میں ۳۲ مخطوطات کا تعارف درج ہے۔

- (۱۶) تحقیق ۱۔ ۱۱/۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۷ء، صفحہ ۳۳۰۔ ۳۳۳
- (۱۷) ڈاکٹر غلام محمد لاکھو، چند فقہاء کے ساتھ تاریخ ۳۰ اپریل ۲۰۰۱ء پر راقم سے ملنے  
لیے گھر تشریف فرما ہوئے۔
- (۱۸) پیر حسام الدین راشدی، میرزاغازی بیگ ترخان اور اس کی بزم لوب۔ طبع جول ۱۹۷۰ء  
انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔ صفحہ ۱۵۳۔ ۱۵۴
- (۱۹) سید اختر مسعود رضوی، میرزاغازی بیگ اور اس کا دربار علم و فن۔ طبع جول ۱۹۷۱ء۔ پشاور صفحہ ۸۰



## پروفیسر نجم الاسلام

پروفیسر نجم الاسلام ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء کو لطیف آباد حیدر آباد سندھ میں وفات پا گئے۔ انا اللہ

وانا الیہ راجعون ۵

مرحوم کی پیدائش ۳۳ء میں بجنور میں ہوئی تھی۔ میرٹھ کالج سے بی۔ اے کیا اور یہیں سے حفیظ میرٹھی وغیرہ کے اشتراک سے ”معیار“ کے نام سے ایک ادبی ماہنامہ نکالا جس نے چند برسوں کے بعد دم توڑ دیا مگر تعمیری ادب کے نقوش چھوڑ گیا۔ انہوں نے اس میں چھپنے والے افسانوں اور ڈراموں کا ایک انتخاب ”ابھرتی کرنیں“ کے نام سے شائع کیا تھا۔

پاکستان جانے کے بعد انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا اور ”شمالی ہند کی قدیم اردو نثر“ کے موضوع پر اردو فارسی کے مشہور فاضل اور ممتاز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا، ان کے ریٹائر ہونے کے بعد نجم الاسلام صاحب شعبہ اردو کے سربراہ مقرر ہوئے۔

سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی جانب سے ۱۹۶۱ء میں انہوں نے ”صریر خامہ“ کے نام سے ایک ادبی مجلہ جاری کیا، ۱۹۸۷ء میں ان کی ادارت میں اسی شعبے سے ایک معیاری اور بلند پایہ مجلہ ”تحقیق“ نکلا، جس نے ہندوستان و پاکستان کے بعض ممتاز محققین کے گوشے بھی شائع کیے، اس مجلے میں راقم اپنے بعض پرانے مضامین دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ کہاں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مضامین شائع کرتے تھے۔

خدا کرے یہ بلند پایہ مجلہ ان کے بعد بھی جاری رہے، مرحوم کی کئی کتابیں بھی چھپی ہیں ”مطالعات“ ان کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین!

(معارف، اعظم گڑھ، مئی ۲۰۰۱ء)

## ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ ”اہیاتِ سندھی“

ڈاکٹر صاحب کو ہم سے رخصت ہوئے ایک سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ ان کے چھوٹے کے بعد ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ تو وہی لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں جو ان کے قریب تھے۔ اس پورے عرصے میں کئی بار ڈاکٹر صاحب کی کمی کا احساس شدت سے ہوا۔ وہ ایک مخلص، سچے اور جرأت مند انسان تھے۔ انھوں نے اصولوں پر کبھی سمجھوتا نہیں کیا، جس کی وجہ سے بعض اوقات کچھ لوگ ان سے ناراض بھی ہو جاتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تمام زندگی خدمتِ علم و ادب اور خاص طور پر ”تحقیق“ کے فروغ کے لیے وقف کر دی تھی، آخر وقت میں بھی وہ شعبہ اردو کے رسالہ ”تحقیق“ کے نئے شمارے کے لیے کام کر رہے تھے کہ راہی ملکِ عدم ہوئے۔ ان کی علم و ادب سے وابستگی ہمارے سامنے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی سی گہری علمی لگن کم لوگوں میں ہوگی۔ اس لگن سے کام لے کر انھوں نے بہت سے ایسے کام کیے جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان کا سب سے بڑا اور اہم کام رسالہ ”تحقیق“ ہے جس کے مختلف شماروں میں علمی و تحقیقی مقالات کے علاوہ مشہور شخصیات پر گوشہ تہنیتی گوشے ترتیب دیے گئے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے اردو میں منظوم تراجم بھی کیے۔ منظوم تراجم کا آغاز انھوں نے ایلسیا قاضی کی ایک طویل نعتیہ نظم سے کیا تھا جو انگریزی زبان میں ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی کی طرف سے اصل انگریزی نظم کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اس منظوم ترجمہ کی ترغیب محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے دلائی تھی۔

ڈاکٹر صاحب ہی کی ترغیب اور اصلاح سے خواجہ محمد زمان (لواری) نقشبندی (م ۱۱۸۸ھ) کے ’اہیاتِ سندھی‘ کا منظوم اردو ترجمہ کیا، جسے ۱۹۸۱ء میں پیر سعید حسن صاحب نے کراچی سے

شائع کیا۔ اسی طرح سے ایات شاہ کریم کا منظوم اردو ترجمہ بھی کیا جو انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی جام شورو سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ منتخب فارسی اشعار کا منظوم اردو ترجمہ ”دو آہنگ“ کے نام سے ادارہ اردو سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

اس وقت ہم ان کے منظوم اردو ترجمہ ”ایات سندھی“ کا جائزہ لیں گے۔ لواری شریف کے بورگان، جن کے سردار حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان قدس سرہ تھے، ان کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق سے ملتا ہے ولادت باسعادت ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۷۱ء میں قدیم لواری شریف سندھ میں ہوئی۔

خواجہ صاحب کے آباء و اجداد کا اصل تعلق عربستان سے تھا لیکن بہ وجہ خلفائے عباسیہ کے دور میں سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے مضافات میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے تقویٰ، پرہیزگاری اور عبادت و طاعت کی وجہ سے بہت سے قرب و جوار کے لوگ آپ کے مرید بنے۔ دنیاوی حرص و طمع سے دور رہ کر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ آپ کے والد شیخ حاجی عبداللطیف نے شیخ فیض اللہ بن مخدوم آدم نقشبندی سے ارادت حاصل کر کے آئندہ کے لیے سلوک نقشبندیہ اختیار کیا۔

ابوالمساکین محمد ٹھٹھوی اس وقت ٹھٹھہ ہی میں موجود تھے جب مخدوم محمد زمان لواری (۱۱۲۵ھ-۱۱۸۸ء) تعلیم کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضرت ابوالمساکین آپ کو (محمد زمان لواری) اپنی خانقاہ میں لے گئے اور اپنے فیوض سے جلد از جلد سلوک نقشبندیہ طے کر لیا اور خلافت عطا فرمائی۔

۱۱۵۰ء میں آپ اپنے وطن لواری شریف تشریف لے آئے اور آخر وقت ۱۱۸۸ھ تک ہزاروں کو مستفیض فرمایا اور آپ کو جو شہرت حاصل ہوئی، وہ اس دور کے کسی بزرگ کو سندھ میں حاصل نہ ہو سکی۔ دور دور سے صلحا اور علماء آپ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ شاہ عبداللطیف بہرائی (۱۱۶۵ھ) کو بھی آپ سے بہت عقیدت تھی۔ آپ سخت ریاضت کے عادی تھے۔ فجر کے بعد چاشت تک مسلسل مراقبے میں رہتے، استغراق کا یہ عالم تھا کہ سیکڑوں مرشدین جذب لور بے خودی میں گم رہتے تھے۔ شب بیداری آپ کی عادت میں تھی دیگر لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر تعجب فرماتے تھے۔ شریعت کے سخت پابند تھے اور ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے۔ فرماتے تھے کہ ”اگر آج مستجب ترک کرو گے تو کل سنت ترک کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے، اس کے بعد ترک فرض کی نوبت آجائے گی اور ترک فرض، بعض مرتبہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔“ شریعت لور حقیقت کے اس قدر دلدادہ ہونے کی وجہ سے کیف و سرور کے عالم میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ ایات کی شکل میں محفوظ ہے۔

فاضل گرامی شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد دلوڈ پوٲہ مرحوم نے آپ کے کلام ایہات سندھی کو اپنے ترجمے اور حواشی کے ساتھ کراچی سے ۱۹۳۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے بعد محترم پروفیسر پیر سعید حسن صاحب (لواری) نے ان ایہات کا تفسیر نما اردو ترجمہ مرتب کیا اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی فرمائش پر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔

بقول پیر سعید حسن صاحب ”ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اس کام میں میری بڑی مدد فرمائی ہے، جس کا میں شکر گزار ہوں۔“

ذیل میں مخدوم صاحب کے منتخب سندھی اشعار اور ان کا اردو منظوم ترجمہ پیش کیا جاتا ہے :

جگ	تنین	جی	جاء	جنین	چڈنو	جگ	کھی
سہی	تو	سہداء	جی	تو	سہد	نہ	سین

اردو:

یہ جگ ان اہل ہمت کی جگہ ہے  
لبھائیں گے سبھی تم کو، لیکن  
سندھی:

جنہوں نے آپ اس دنیا کو چھوڑا  
نہ تم ہرگز کسی سے دل لگانا

جاہل	جنک	سکن	جو	عارف	سور	سہاء
سورن	سندی	سہاء	راحت	رسی	روح	کھی

اردو:

جاہل کو سکھ پسند ہے  
اس دکھ کے ذائقے ہی میں  
عارف کو دکھ پسند  
راحت ہے روح کی

حضرت خواجہ مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”دنیا کی لذت اور تکالیف دو اقسام کی ہیں ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔ ہر شے جس سے جسم لذت حاصل کرتا ہے، روح اس سے کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دراصل انسان باطنی سکون سے محروم ہے۔ اطمینان قلب اسے میر نہیں، کتنا ہی عیش و آرام حاصل ہو انسان بے سکون ہی رہتا ہے۔“

لہجو	واہ	وصال	جنین	ساعت	ہیکڑی
تن	شا	لڈی	ل	جگ	خلقتو

اردو:

جن کو پل بھر گئی ہو باو وصال  
ان کی خوش بختیوں کا کیا کہنا  
وہ جواہر انھوں نے پائے ہیں  
جن کی خاطر بنی ہے یہ دنیا  
ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے، روح کی اصل منزل مقصود، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل  
کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے اور جنہیں ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ  
کا قرب حاصل ہو گیا انھوں نے لعل و گوہر پال لیے ہیں اور یہ سب خاص بندوں کو ہی میسر آتا ہے۔

جانسی	پسین	پان	تانسہ	مہت	مڑھی
جو	لتو	ای	گمان	مڑھیانی	مہت

اردو:

خود ہیں شخص کے واسطے  
مندر بھی مسجد بنے  
جب تک انسان خود ستائی و خود بینی میں مبتلا رہتا ہے تب تک اس کی ریاضت میں وہ  
بات پیدا نہیں ہوتی، اس کے لیے مندر و مسجد ایک سی عبادت گاہیں ہوتی ہیں۔ وہ مندر کو بھی مسجد ہی  
سمجھنے لگتا ہے کیوں کہ دونوں جگہ پر عبادت کی جاتی ہے۔ لول نفس کو پھانسنے تب وہ خدا کو پہچانے پائے  
گا اور یہی جذبہ مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیتا ہے۔

سچن	ڈنو	جن	تن	ڈسن	غیر	گناہ
جنین	لڈی	راہ	وہن	تین	وہ	تھو

اردو:

آنکھوں میں جس کی جلوہ محبوب بس گیا  
اس کو گناہ جانب اغیار دیکھنا  
قسمت کی یوری سے جسے راہ مل گئی  
پھر اس کے حق میں زہر ہے آرام راہ کا  
جس نے اپنے محبوب کو پالیا اور اپنی نگاہوں میں بسالیا اسے غیر کی طرف دیکھنا گناہ کے برابر  
ہے اور جنہوں نے محبوب تک یعنی اللہ تک پہنچنے کی راہ پالی ان کے لیے اب تھک کر بیٹھ جانا موت کے  
برابر ہے۔

سپت	بجر	ہسی	جی	سپت	ہوت	حضور
ملک	سپ	منصور	کھی	کھی	کہا	کثیرا



اردو:

ہر جا حضور دوست ہے ہر سمت ذکر دوست منصور ہر طرف ہیں کہاں تک کرو گے قتل یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کا ہر ذرہ اس کی گواہی دے رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اسی لیے ہر شے منصور کی طرح انا الحق کا نعرہ بلند کر رہی ہے۔ منصور فقط ایک تھا اس لیے اسے قتل کر دیا گیا مگر کائنات کی ہر شے میں سے کس کس کو قتل کرو گے جو پکار پکار کر اس کا ذکر کر رہی ہے۔

پان	کنی	ہری	ڈاھ	کڈھم	پہتی	کان
تت	گذر	نہ	غیر	جو	سجن	جی
ورنو	و	حدت	واہ	دوی	سپ	دور
						تی

اردو:

انا کا بوجھ اٹھا کر کب کوئی محبوب تک پہنچا  
گذر ہو غیر کا کیوں کر خیال یار ہو جس کا  
دوئی سب دور ہو جاتی ہے، یہ مقوم ہے اس کا  
اسے کافی ہے وحدت کی ہوا کا ایک ہی جھونکا

انا، یعنی غرور و تکبر کے ساتھ اللہ تک رسائی نہیں ہو سکتی، جس قلب میں اللہ تعالیٰ سایا  
سوا ہو وہاں غیر اللہ کا گذرنا بھی ممکن نہیں، جب دل میں فقط اللہ تعالیٰ کی وحدت کی روشنی پھیلاتی ہے  
تو، دوئی کا تصور بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

مذکورہ تراجم میں ڈاکٹر نجم الاسلام نے بڑی کامیابی سے خواجہ محمد زماں قدس سرہ کے  
شعر اور افکار کا اردو قالب عطا کیا ہے۔ زبان کی تبدیلی کے عمل میں نہ کہیں خیال مجروح ہوتا ہے  
نہ احساس کی شکل بدلتی ہے۔ ترجمے میں لفظوں کی نشست گواہی دیتی ہے کہ ان میں تخلیقی قوت  
بدرجہ کمال موجود تھی مگر افسوس کہ ڈاکٹر احب نے اسے ترجمے تک محدود رکھا۔ پھر تحقیق  
معروفیتوں۔ اس طرف اشارہ خواہ توجہ دینے کا موقع۔ یا۔ ڈاکٹر صاحب کی شاء ہی کے ابتدائی  
نمونے اور بعد کے شعر کا تراجم بھی پورے طور پر اسے نہیں آئے ہیں۔ ان نام کی اشاعت کے  
بعد ہی محقق ڈاکٹر نجم الاسلام کی شاعرانہ جہت پر حتمی رائے ممکن ہوگی۔

## عزت تھی جن کی چھاؤں

عزت تھی جن کی چھاؤں محبت تھی جن کا پھل  
اس بار آندھیوں میں وہ سارے شجر گئے  
سلسلہ کلام کا آغاز کرنے سے قلم قاصر ہے۔ ذہن خموش ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے  
اور کیوں کر لکھوں۔ ماضی میں جھانکنے سے بھی وہ سرا نہیں ملتا کہ جو گفتگو کا نقطہ آغاز ہو اور جسے تمام کر  
سلسلہ کلام آگے بڑھے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام کی شخصیت ایسی سحر انگیز تھی کہ ایک بار ملنے والا دوسری بار ملنے کی آرزو  
لے کر رخصت ہوتا تھا۔ جامعہ سندھ شعبہ اردو کے استاد اور سربراہ کی حیثیت سے آپ نے بے مثال  
خدمات انجام دیں جس میں نشیب بھی تھے اور فراز بھی۔ مشکلات سے ہارنا آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔  
سمجھ میں نہیں آتا کہ موت نے آپ کو کیسے زیر کر لیا۔

میرا آپ سے تعلق استاد اور شاگرد کے علاوہ مسائیلی کا بھی تھا۔ گو کہ میں نے جب ماہر علمی  
جامعہ سندھ میں قدم رکھا تب آپ اپنے عہدے سے سبک دوش ہو چکے تھے یہ ہماری کم نصیبی رہی کہ  
ہم نے آپ کے علم سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا۔ اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے آپ نے کچھ دنوں  
اقبالیات کی کلاسی لیں۔ ہم لوگ مقالہ لکھ رہے تھے لہذا اقبالیات کا پرچہ ہمارے لیے نہیں آتا لیکن پھر  
بھی ہم لوگ خاموشی سے آپ کو پڑھانے ہوئے دیکھنے کے لیے اور علم کے لیے آئے۔ آپ نے اپنے نصیب کا  
موتی چننے کے لیے بیٹھ جایا کرتے۔ لیکن وہ طلباء جو اقبالیات پڑھا رہے تھے معترض ہوتے تھے  
لہذا چند دنوں کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور دوران ہم نے آپ سے جو فیض حاصل کیا وہ آج بھی  
ہمارے دل و دماغ کو منور کیے ہوئے ہے۔ آپ ہن کے بعد ریتچے وا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے

تھے۔ سمجھانے والا انداز، خاموشی سے سوال سنانا، بولتی اور روشن آنکھیں طالب علم کو کبھی مایوس نہیں کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ سب کے مسئلے خاموشی سے سلجھا دیا کرتے تھے۔ یہ تو وہ تاثر تھا جو بہ حیثیت شاگرد میں نے آپ سے قبول کیا۔

استاد اور شاگرد کے رشتے کے علاوہ ایک اور رشتہ جو ذہنی و قلبی تھا وہ اس پر بھاری ہے۔ آپ میرے ہمسائے تھے۔ ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے مجھے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ میں شجر سایہ دار کی ٹھنڈی چھالوں میں بیٹھی ہوں اور وہ گوہر نایاب دامن میں چھپا ہے کہ جن سے ملنے اور ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ شاگردوں کے علاوہ مختلف اہل علم آپ کے پاس تشریف لاتے رہتے تھے۔ مگر حیف صد حیف کہ ہم نے آپ سے کما حقہ فیض حاصل نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر میں میرا آزادانہ آنا جانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا لیکن آپ میں پدرانہ شفقت بدرجہ اتم موجود تھی جو وقتاً فوقتاً آپ ہم پر نچھاور کرتے رہتے تھے۔ ہمارے محلے میں تقریباً ہر گھر دوسرے گھر میں دیمک کی شکایت ہے۔ میں نے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تب آپ اپنی کتب کے پاس اداس و افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اتنی بہت سی اچھی کتابیں ایک ساتھ دیکھی تھیں اور سچ کہوں تو اسی دن مجھے شوق پیدا ہوا کہ میں بھی اس راستے پر قدم رکھوں۔

ڈاکٹر صاحب گھر میں کتب رکھنے کے لیے الماریاں ہوا رہے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ گھر کا اوپری حصہ دارالمطالعہ کے طور پر ترتیب دیا جائے لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر یہ منصوبہ دھرا رہ گیا۔ دیمک نے کتابوں کو جگہ جگہ سے نقصان پہنچایا تھا آپ افسردہ و طول بیٹھے ہوئے تھے انھیں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ نادر و نایاب کتب دیمک کی نذر و گنیں جن میں کچھ تو نادر و نایاب قلبی نسخے تھے۔ میں نے اس دن پہلی بار آپ کا بہ غور مطالعہ کیا۔

بیہوی چہرہ، ستواں ناک، غنچہ ذہن، روشن اور متجسس نگاہیں، چوڑی پیشانی جن پر علم کی کرنیں ان لکیروں سے ہویدا تھیں جو سوچتے ہوئے ماتھے پر پڑتی تھیں۔ سنہری اور کھلتا ہوا گندی رنگ، اونچا قد، چہریرا جسم، چہرے پر خوب صورت داڑھی، مخروطی انگلیاں جو اس بات کی غماز تھیں کہ جب بھی قلم تھا میں گی شاہ کار تخلیق ہو گا۔ آپ کی نگاہوں میں بلا کا جادو تھا۔ جیسے آپ ٹیلی بیٹھی کر رہے ہوں۔ مقابل سحر زدہ سا آپ کی علمی و تحقیقی گفتگو سننا ہوتا تھا۔ کام میں انتہائی نفاست اور عمدگی چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے لوگ بھی آپ کے سامنے اپنی تحریر پیش کرنے سے پہلے ایک

رور پڑھ لیتے تھے کہ کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے۔ آپ کا لہجہ دھیما اور مدلل ہوتا تھا میں نے آپ کو اونچا اور تلخ بولتے ہوئے نہیں سنا۔ آپ کی شخصیت ہی کا تاثر تھا کہ جو مجھے جامعہ سندھ اردو میں لے آیا۔ آج میں بد ملا کہہ سکتی ہوں کہ میرے ایم۔ اے کرنے اور اس مقام تک آنے ایک مضبوط اور توانا ہاتھ آپ کا بھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب علمی شخصیت تھے طالب علم انھیں بہت پسندتے آپ ہمیشہ حصول علم کے شی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میں نے جب ایم۔ اے اردو میں داخلہ لیا تو آپ بہت خوش ہوئے اپنے پاس بٹھلایا۔ شعبہ اردو تک میری رسائی پر مبارک باد دی اور بہ طور خاص مجھے مٹھائی کھلائی سی وقت پیش گوئی کہ یہ مستقبل کی استاد ہوں گی اس کے علاوہ آپ نے ذخیرہ کتب کا منہ میرے کھول دیا یہ کہہ کر کہ جب بھی ضرورت ہو بلا جھجک لے لیتا۔ الماریاں میرے لیے ہمیشہ کھلی رہتی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سحر انگیز تھی۔ گفتگوں آپ کی صحبت میں بیٹھ کر بھی گفتگو نہیں تھی۔ آپ علم کا وہ سمندر تھے کہ جس کی تہ میں ہزاروں قیمتی دنیا بے موتی چھپے تھے اب جو غوطہ بنا ہو گا وہی موتی پائے گا۔ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو آپ کی ذات سے منسلک تھے جنہوں نے سب سے آپ کی شخصیت کا مشاہدہ کیا تھا۔

ڈاکٹر نجم نوواردان لوب کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور شفقت کا سلوک کرتے تھے یہ میں سب پر کہہ رہی ہوں کہ میں نے ہمیشہ آپ سے درست سمت میں رہ نمائی حاصل کی۔ ایم۔ اے میں اعلیٰ کے بعد جب مجھے میر تقی میر کے مقلعے کے عنوان سے مضمون لکھنے کے لیے کہا گیا تو میں لمبے لمبے کے لیے کانپ گئی یہ ہیل کیسے منڈھے چڑھے گی بہر حال ہمت مرداں مدد خدا لکھنا شروع کیا مضمون مکمل ہو گیا۔ اپنی پہلی کاوش ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کی کہ ذرا قطع و حد کر کے اسے درست کر دیں آپ نے پورے مضمون کا عرق ریزی سے مطالعہ کیا۔ آپ بعد نماز عشاء عموماً آرام فرمایا کرتے تھے لیکن آپ کا یہ احسان عظیم تھا کہ آپ نے مجھ جیسی کم علم لڑکی کو اتنی اہمیت دیتے ہوئے پورا مضمون پڑھا۔ میں دم سادھے ایک تک آپ کو تک رہی تھی۔ کہیں کہیں آپ نے مشورہ دیا لیکن مجھے آپ نے اس دن ایسا سراہا کہ ڈرتے ہوئے آپ کے در دولت پر گئی تھی اور ڈھروں خوشیاں دامن میں سمیٹ کر لوٹی کہ آپ نے کہہ دیا تھا کہ آنکھ بند کر کے اسے جہاں چاہو شائع کر لو۔ اس مضمون کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پہلی کاوش ہے۔ مشق جاری رکھو اللہ

تمہیں لکھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے یہ وہ جملے ہیں جو میرے سفر کے لیے زاہد راہ ثلاث ہو۔  
 روشنی تھی کہ جس نے قلب و ذہن کو منور کر دیا اس نور میں مجھے اپنی منزل بہت قریب  
 ہوئی۔ اب یہ دھن سوار ہوئی کہ مزید لکھا جائے۔

میر تقی میر کے مقلعے کے فوری بعد جامعہ سندھ میں شعبہ اردو کے نوواردانِ چمن کو  
 آمدید کہنے کی پروقاہ تقریب ہوئی جس میں، میں نے مضمون پڑھا۔ وہ کشتیاں جلائے والے کیا ہو  
 یہ مضمون بھی آپ کی نظر سے گزرا۔ آپ نے بہت سراہا اور کہا کہ قلم میں بہت کاٹ ہے اور یہ ہم  
 کہ بھٹی اس جی کی قدر کیا کرو یہ مستقبل میں بہت کچھ کرے گی ہم لوگ صرف ہنس کر رہ گئے۔  
 کے ہر میری آزادانہ آمدورفت کا سلسلہ رہتا تھا۔ میں عموماً بعد نماز مغرب آپ کے گھر جاتی تھی۔  
 دیکھتے ہی خوش ہو جاتے تھے کہ اب تم آئی ہو تو ہمیں بھی چائے ملے گی بسا اوقات تو کہتے تھے کہ  
 لیے بھی بناؤ اور میرے لیے بھی۔ مجھے بہت خوشی ہوتی تھی جب وہ اپنے لیے کوئی فرمائش کرتے  
 کبھی مصروفیت میں نہیں جا پاتی تو شکایت کرتے کہ پڑوس میں رہتے ہوئے بھی نہیں آتی ہو۔

دورانِ تعلیم میں نے جب حضور احمد سلیم کی شخصیت کا مقالے کے لیے انتخاب کیا تو  
 بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ اگر آپ نے یہ کام کر لیا تو آپ میرے کاندھوں سے ان کا قرض  
 دیں گی انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ اس سے پہلے بھی دو حضرات اس موضوع کا انتخاب کر کے  
 ہی ہمت ہار بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں مجھے گراں قدر مشورے دیے۔ آپ کا تحریر کردہ کتاب  
 ”رسمیاتِ مقالہ نگاری“ مقالہ نگاروں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس مقصد کے لیے اس سے  
 کتاب میرے خیال میں کوئی نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مقالے کی شخصیت پر میری درست سمت میں رہ نمائی کی۔ جس میں  
 حوصلہ افزائی کا عنصر نمایاں تھا بعد ازاں کتابی شکل میں شائع کروانے کا مشورہ بھی آپ ہی کا تھا۔ تحریر  
 کے دوران بھی وقتاً فوقتاً آپ رہ نمائی کرتے رہے۔ مشاہیر سے آرا لینے کا خیال جب میں نے آپ  
 کے سامنے رکھا تو بہت خوش ہوئے اور میں نے بلا جھجک سب سے پہلے انھی سے رائے طلب کی  
 مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھٹی ایک دو دن کی مہلت تو ملے گی۔ وہ ہر لمحے کہا کرتے تھے کہ یہ  
 لوگ ہیں انھیں بہت آگے جانا ہے۔ ان کے علم کی راہ میں رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔ میرے ساتھ  
 بھی یہ معاملہ تھا کہ علمی میدان میں ذرا سی بھی کام یا بی ملتی تو سب سے پہلے آپ ہی کو بتاتی۔ وہ بھی  
 شکل دیکھ کر بھانپ جاتے تھے کہ کوئی بات کہنی ہے۔ سوالیہ نظروں سے دیکھتے اور میں اکتلتے اکتلتے

لم وکاست سنا دیتی۔ یونیورسٹی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں گھبرا گئی لیکن آپ نے بہت حوصلہ دیا کہ راہ کی مشکلات سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ثلث قدم رہو۔ وقت خود سب سے بڑا منصف ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا۔ طبیعوں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ مجھے دیکھا تو بولے کہ ہاں بھئی تمہارا مقالہ کہاں تک پہنچا۔ میں نے انہیں بتایا کہ پہلا باب مکمل ہو گیا ہے فرمائش کر کے منگولیا لور محدب عد سے کی مدد سے پڑھا۔ چہرے کے تاثرات میں بیان نہیں کر سکتی۔ سر پر ہاتھ پھیرا لور عادی کہ اللہ کرے زور قلم لور زیادہ۔ آپ نے لکھنے کے اصول، املا کے قوانین لور الفاظ کی ساخت کے معاملے میں میری عمدہ طریقے سے رہ نمائی کی۔ آپ کی لائبریری میرے لیے ہمہ وقت کھلی رہتی تھی اگر مجھے کوئی کتاب بروقت نہ مل سکے تو خود کھڑے ہو کر نکال کر دیتے۔

میں ڈاکٹر صاحب کے گھر جب بھی گئی میں نے انہیں مصروف ہی پایا۔ کبھی کسی کتاب کے مطالعے میں منہمک، تو کبھی کچھ لکھنے لکھانے میں۔ جب تحقیق کا شمارہ آتا تھا تو آپ کی مصروفیت دو چند ہو جاتی تھی۔ ڈاک سے موصول ہونے والے مضامین کا عمیق مطالعہ، پروف ریڈنگ، تبصرے کے گوشے کے لیے منتخب تحریروں کا مطالعہ غرض شب و روز اسی کام میں بسر ہوتے تھے۔ آپ کے لمسر پر، میز پر، ٹی وی کے سامنے ہر جگہ کتابوں کے ڈھیر نظر آتے تھے ہر کام میں ترتیب نظر آتی تھی۔ اکیلے اپنی کتابوں کو سجاتے رہتے تھے۔ کسی بھی کتاب کا مطالبہ کیجیے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بتا دیتے کہ کس جگہ پر رکھی ہے بلا کا حافظہ کہ جس پر رشک کیا جائے۔

دھی لہجے والے ہمارے ڈاکٹر صاحب گو کہ اب ہم میں نہیں رہے مگر اس گھر کے درود یوار سے اب بھی آپ کی یادیں لپٹی ہوئی ہیں۔ ٹی وی ہمیشہ قریب سے دیکھتے تھے۔ کھانے کی میز پر ایک کونے میں ٹیلی ویژن دھرا ہوتا تھا لور قریب ہی آپ کی کرسی جہاں سے آپ ٹی وی دیکھا کرتے۔ سچ کے دل دلوہ تھے۔ خبر نامہ ہر حال میں سنتے تھے اس دوران اگر کوئی آپ کو آواز دے دے تو چہرے ہی سے ظاہر ہو جاتا کہ یہ بات آپ کی طبیعت کو گراں گزری ہے۔ ٹیلی ویژن کے سامنے ہی کھانا کھاتے، لور پھر چہل قدمی کے لیے باہر کا رخ کرتے یا پھر اپنے مخصوص کمرے کا رخ کرتے کہ جہاں آپ پڑھنے پڑھانے کا کام کرتے تھے۔ قریب سے ٹی وی دیکھنے پر میں نے کہا بھی کہ آپ کی آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہے تو کتے دیکھ تھوڑی رہا ہوں سن رہا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کے گھر جب بھی جاتے تو خاطر داری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ لاکھ منع کرنے کے باوجود اتنا اصرار کرتے کہ انسان شرمندہ ہو جائے۔ میں جب بھی ان کے گھر جاتی تو

خوش ہو جاتے کہ چلو اب مجھے بھی چائے ملے گی اس بات پر آپ کی حکیم مصنوعی ناراضی سے کہتیں کہ ایسے کہہ رہے ہیں کہ جیسے کب سے چائے نہ ملی ہو جب کہ ابھی پیالی رکھ کر آئی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب مسکراتے اور مجھے کہتے کہ بھئی تم اپنے لیے بھی خود ہی چائے بناؤ اور مجھے بھی دو کیوں کہ ان کی تقریر ہی ختم نہیں ہوتی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں تمام باتیں اور مناظر آنکھوں کے سامنے سے ریل کی طرح گزر رہے ہیں۔ قدم قدم پر ان کی یادیں بکھری ہوئی ہیں۔ پڑھنے پڑھانے کی باتیں ان کی آنکھوں میں چمک بھر دیتی تھیں۔ میری خواہش تھی کہ میں اپنا ایم۔ فل ان کی نگرانی میں کروں۔ مگر ان کی زندگی نے وفانہ کی اور کچھ میری بھی کم نصیبی کہ معاملہ ٹلتا رہا۔

ڈاکٹر صاحب گو کہ ہم میں نہیں رہے مگر آپ کو مرحوم کہتے ہوئے قلم کا پتا ہے لیکن یہ بھی آپ کی ہی سمجھائی ہوئی باتوں میں سے ایک بات ہے کہ ایسا لکھنے سے مرنے والے کے حق میں دعا ہو جاتی ہے۔ آپ نے جو علم کے چراغ روشن کیے۔ تحقیق و تنقید کے جو ابواب کھولے وہ رہتی دنیا تک دنیائے ادب پر سایہ فلکس رہیں گے۔ ان شاء اللہ

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں  
ٹوٹتا جس کا مقدر ہو وہ یہ گوہر نہیں



## علم کا خزانہ اور مہربان ہستی

محترم جناب نجم الاسلام صاحب (مرحوم) آج ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی یادیں اور ان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات آج بھی ان کی یاد تازہ کیے ہوئے ہیں۔ میرا ان سے تعلق حیثیت کمپیوٹر آپریٹر تھا میں نے آٹھ سال تک سندھ یونیورسٹی کارسالا تحقیق ان کی نگرانی میں کمپوز کیا جس کی پانچ سالہ سند ڈاکٹر صاحب نے مجھے دی۔ ڈاکٹر صاحب خاموش طبیعت، نرم دل، شفیق انسان تھے میں نے آٹھ سال تک ان کے ساتھ کام کیا، اس عرصے میں ان کے چہرے پر کبھی پریشانی، غصہ یا ناراضگی نہیں دیکھی وہ جب بھی ہمارے آفس تشریف لاتے تو مختصر بات کرتے اور جب ان سے کوئی بات کرتا تو مسکرا کر جواب دیتے ڈاکٹر صاحب کو جتنی محبت تحقیق رسالے سے تھی میں اسے یہاں تحریر نہیں کر سکتا کیوں کہ اس بات کا علم سب کو ہے کہ وہ کتنی جاں فشانی، محنت، لگن اور شوق سے اس رسالے کو پروان چڑھا رہے تھے۔ چاہے جون، جولائی کی گرمیاں ہوں یا نومبر دسمبر کی سردیاں ان کی راہ میں رکاوٹ کا باعث نہ بنیں۔ میں نے حیثیت کمپیوٹر آپریٹر ان سے بہت کچھ سیکھا ڈاکٹر صاحب اپنے کام کے علاوہ اگر کسی کا کام اپنے ذمے لیتے تو اس کو اسی محنت و لگن سے پایہ تکمیل تک پہنچاتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی کتاب بیٹی کہانی کے نام سے ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں پرنٹ ہوئی۔ اس سے قبل یہ مضمون تحقیق رسالے میں شائع ہوا اس کے بعد اس کو کتابی شکل دی گئی اس کتاب کے لیے ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت کی۔ اس کے تقریباً پانچ مرتبہ ٹریس اٹلے اور جاپان بھیجے گئے اور ہر مرتبہ ٹریس میں نئے اضافے ہوئے۔ ان دنوں معین الدین عقیل صاحب جاپان ٹوکیو یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے اتنی مرتبہ پروف ریڈنگ اپنے رسالے کی بھی نہیں کی جس میں یہ مضمون چھپ چکا تھا ہر مرتبہ معین الدین صاحب اس میں اضافہ فرمادیتے اور ڈاکٹر صاحب میرے پاس بیٹھ کر یہ اضافات درست کرواتے اور جاپان بھجواتے جب وہ ٹریس وہاں سے واپس آتے تو ان میں اور اضافے ہوتے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس



خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا واقعی قابل تعریف ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی کو بھی اپنی جانب سے شکایت کا موقع نہ دیتے ان کی شخصیت کھلی کتاب کی طرح تھی ان پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ وہ خود ایک مجسم تحریر تھے۔ ان پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ ان کو تحقیق رسالے سے عشق تھا وہ اسے خوب سے خوب تر بنانے اور بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی خواہش رکھتے تھے کمپیوٹر میں اعراب وغیرہ کی کچھ کمی تھی جسے وہ اپنے ہاتھ سے درست کرتے تھے۔ میں ایک آرٹسٹ بھی ہوں جو میرا شوق بھی ہے میں فارغ اوقات میں اپنے شوق کی تکمیل کرتا ہوں اور اس آرٹ ورک کی کئی سولو نمائشیں اور ملکی و غیر ملکی اہم شخصیات کو اپنا فن پیش کر چکا ہوں حال ہی میں میں نے سورہ رحمن جو کہ چالیس حصوں پر مشتمل ہے مکمل کی عنقریب اس کی نمائش صادقین گیلری باغ جناح فریئر حال میں منعقد ہوگی اس آرٹ ورک کو دیکھنے کے لیے ڈاکٹر صاحب تین مرتبہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے تھے میں وقتاً فوقتاً اپنے اس آرٹ ورک سے متعلق ان سے گفتگو کیا کرتا تھا کسی بھی اہم شخصیت کو کوئی خط لکھنا ہوتا تو ڈاکٹر صاحب سے اس سلسلے میں رابطہ کرتا اور وہ میرے اس کام کو اپنی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچاتے۔ میں ان کے مفید مشوروں پر عمل کرتا تھا جب میں نے سورہ رحمن مکمل کی تو ڈاکٹر صاحب کو میں نے سورہ رحمن دیکھنے کی دعوت دی انہوں نے اسے قبول کیا اور میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ میری بد قسمتی کہ میں اس دن آفس میں دیر تک کام میں مشغول رہا اور رات دیر سے گھر پہنچا اور میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی میں نے جب ڈاکٹر صاحب سے کہا آپ گھر تشریف نہیں لائے تو انہوں نے بتایا کہ میں آپ کے گھر پر حاضر ہوا تھا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی مجھے اس کا بڑا افسوس رہا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے کھلے دل کے مالک تھے میرے آرٹ ورک کی انہوں نے بہت پذیرائی کی میرا مڈویک جنگ رسالے میں انٹرویو شائع ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے آفس آکر مجھے مبارکباد دی اور میری صلاحیتوں کو سراہا اور کہا کہ عتیق صاحب اب توجی چاہتا ہے کہ آپ کے لیے بھی ہم کچھ لکھ دیں جب کہ ڈاکٹر صاحب سند کے طور پر مجھے ایک لیٹر دے چکے تھے۔ میں وقتاً فوقتاً ڈاکٹر صاحب کے دولت خانے پر حاضر ہوتا رہتا تھا خاص طور پر اپنے کام کے سلسلے میں یا جب ڈاکٹر صاحب زیادہ دن تک آفس تشریف نہ لاتے تو میں ان سے ملاقات کے لیے اکثر ان کے یہاں جاتا تھا میں اس عرصہ میں جب بھی ان کے گھر گیا ان کو گھر پر موجود پایا وہ نہایت پتاک سے ملتے اور گھر کے اندر اپنے آفس میں بٹھاتے اور جب میں ان کے پاس سے رخصت ہوتا تو وہ دروازے تک آتے اور میرے جانے تک وہ گھر کا دروازہ بند نہیں کرتے تھے ان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات میں کبھی نہیں بھول سکوں گا ان سے ہر ملاقات اور ان کی باتیں اور ان کی لکھی ہوئی تحریریں آج بھی میرے پاس

میں مجھے جب بھی خط و کتابت کے سلسلے میں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی حاصل کرنا تھا۔ تحقیق رسالے میں جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی روحانی شخصیت سے متعلق کچھ خطوط کمپوز ہوئے تو میں نے ڈاکٹر نجم صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان سے میری ملاقات کروادھیے انہوں نے کہا کہ کل صبح ۱۱ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک اولڈ کپس مسجد سے ملحقہ باغ میں میں آپ کا انتظار کروں گا آپ آجائے گا پھر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کر لیں۔ لیکن دوسرے دن میں بھول گیا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ٹائم لیا ہے اور میں ۱۲ بجے دوپہر آفس چلا گیا۔ ڈاکٹر نجم صاحب میرا انتظار کر کے گھر چلے گئے عقیل شاد صاحب نے مجھے آفس آکر بتایا کہ آپ نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کسی سے ملنے جانا تھا تو یہ سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور میں اپنی اس غلطی پر کافی منندہ ہوا اور میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس غلطی کی معافی چاہی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کا بالکل بھی برا مانا یہ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی اس کے بعد میں نے پھر کبھی ڈاکٹر صاحب سے اس خواہش کا اظہار نہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب اپنے کسی کام کے لیے کسی سے بھی نہ کہتے تھے بلکہ خود ہی اس کو کیا کرتے تھے۔ وہ تحقیق رسالے سے متعلق ہو یا اپنا کوئی ذاتی کام۔ ایک دو مرتبہ ان کے ذاتی کام کے سلسلے میں ان کے ساتھ جانا ہوا جس کا وہ ہمیشہ مجھ سے کہتے کہ جیتق صاحب اگر آپ ساتھ نہ جاتے تو میرے لیے وہاں تک جانا بڑا مشکل ہو جاتا۔ میں جب بھی اپنی کام کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کے گھر پر جاتا تو اگر کام جلدی کا ہوتا تو وہ اسے فوراً کر دیتے اگر نہ ہوتا تو اس کے لیے ٹائم مقرر کر دیتے کہ کل ہو جائے گا اور اس کام کو کر کے وہ مجھے آفس پہنچا دیتے تھے جب ڈاکٹر صاحب آفس تشریف لاتے تو اور اتفاق سے لائٹ گنی ہوئی ہوتی تو میں ڈاکٹر صاحب سے اپنے آرٹ ورک سے متعلق گفتگو کیا کرتا تھا اور ان کے مفید مشوروں پر عمل کیا کرتا تھا جب میں کسی ملکی یا غیر ملکی اہم شخصیت کو خط لکھتا تو اس خط کو تصحیح کے لیے ڈاکٹر صاحب سے اس کی پروف ریڈنگ کراتا اگر اس میں کچھ اضافہ کرنا ہوتا تو وہ بھی کرتے تھے اور خط تصحیح کر کے مجھے دیتے اور اس کے نقصان اور فائدے بھی مجھے سمجھاتے۔ ڈاکٹر صاحب سے اس عرصے میں بے تحاشا ملاقاتیں رہیں اور ہر ملاقات میں، میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور ان پر عمل کر رہا ہوں ڈاکٹر صاحب سے اگر کسی بھی چیز کے متعلق معلومات کی جاتی تو اس کا فوراً جواب نہ دیتے تھے بلکہ مزید معلومات فراہم کرنے کے لیے کتابوں سے مدد لیتے تھے اور باقاعدہ حوالے کے ساتھ ان کتابوں کا بھی بتاتے کہ اس کتاب میں اس کا یہ جواب ہے اور اس کتاب میں اس کے یہ معنی ہیں اور ساتھ میں یہ بھی کہتے کہ کسی اور سے بھی اس بارے میں معلومات لے لیں۔ ڈاکٹر صاحب اگر کسی سے ملنے جاتے اور کبھی میں ان کے ساتھ جاتا تو میں ان کے

ساتھ جانے میں بڑا فخر محسوس کرتا۔ ایک دفعہ ایک کام کے سلسلے میں مجھے پروفیسر قوی احمد صاحب پاس جانا تھا میں ان سے ملنے سے پہلے ڈاکٹر نجم صاحب کے پاس گیا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک تحقیق رسالہ دیا اور کہا کہ آپ پروفیسر قوی احمد صاحب کے پاس جائیں تو میرا سلام کہیں اور ان کو یہ رسالہ دیں اور آپ کا جو بھی مسئلہ ہو ان سے کہیں اگر میرے لیے کوئی کام ہے میں ان سے فون پر رابطہ کر لوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کسی سے بھی ملاقات کے لیے جاتے تو عقیل شاد ساتھ جاتے وہ عقیل شاد صاحب کے ساتھ میرے غریب خانے پر دو مرتبہ تشریف لائے اور ایک مرتبہ میں نے ان سے ٹائم لیا تو وہ میری بتائی ہوئی جگہ پر بروقت پہنچ گئے جہاں سے میں ان کو اپنے غریب خانے پر لے آیا ڈاکٹر صاحب وقت کے بڑے پابند تھے جس سے جس وقت ملاقات کا وقت طے کرتے اس وقت اس کا انتظار کرتے۔

ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں شائع ہونے والے ”تحقیق“ کے آخری شمارے میں راشد صاحب کی کتاب مذکرہ خطاطین جس کا ذکر اس شمارے میں کیا تھا وہ کتاب مجھے پڑھنے کے لیے دی اور انہوں نے کہا کہ یہ کتاب آپ کے لیے مفید ثابت ہوگی بلکہ ہدایت دی کہ آپ راشد شیخ صاحب سے ملاقات ضرور کریں۔ تذکرہ خطاطین جو کہ آرٹ سے متعلق بہت ہی مستند کتاب ہے اس کتاب سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور بہت سی معلومات حاصل کیں۔ راشد شیخ صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں تو رابطہ نہ ہو سکا لیکن ان کے انتقال کے بعد راشد شیخ صاحب کو خط لکھا جواب میں انہوں نے مجھے بھی خط لکھا میں نے راشد نجم صاحب سے ان کا ٹیلیفون نمبر لیا اور پھر ان سے رابطہ کیا۔ ٹیلیفون پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب راشد صاحب کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے۔ اور کتاب کے متعلق ان کی کاوشوں کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر نجم صاحب عموماً باریک لکھائی کو میگنی فائر سے دیکھ کر پڑھتے تھے انڈیا سے مختار الدین احمد صاحب یا کسی کے بھی خطوط آتے تھے وہ باریک لکھائی میں ہوتے تھے۔ اس کی فوٹو کاپی کروا کر وہ ہمیں دیتے تھے جس کا پڑھنا بہت مشکل ہو جاتا تھا تو انہوں نے مجھے ایک عدد میگنی فائر دیا کہ اگر باریک لکھائی ہو تو آپ اس میگنی فائر کا سہارا لے سکتے ہیں وہ میگنی فائر آج بھی ہمارے آفس میں محفوظ ہے اور اس سے ہم آج بھی استفادہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب انڈیا جانے کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ ان سے انڈیا سے متعلق باتیں بھی ہوتی تھیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا تھا کہ ۱۹۹۰ء میں انڈیا گیا تھا علی گڑھ بھی گیا تھا علی گڑھ

یونیورسٹی میں میرے پھوپھی زاد بھائی کینٹین میں کام کرتے ہیں میں نے علی گڑھ یونیورسٹی دیکھی ہے بہت بڑی ہے تقریباً آدھے علی گڑھ شہر میں تو یونیورسٹی واقع ہے اور میرے ایک چچا علی گڑھ میں ایک مسجد میں پیش امام ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے بتایا کہ میرے ماموں علی گڑھ جانے والے ہیں تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر وہ جائیں تو مجھ سے مل کر جائیں میں ایک دن ماموں کو ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لیے لے گیا ڈاکٹر صاحب نے ماموں سے تفصیلی باتیں کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مختار الدین احمد صاحب کے نام ایک رقعہ لکھ کر ماموں کو دیا۔ انڈیا سے واپسی پر ماموں کی ملاقات میں نے پھر ڈاکٹر صاحب سے کروائی ماموں نے مختار الدین احمد صاحب سے ملاقات کے بارے میں بتایا ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور بتایا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا خط بھی میرے پاس آچکا ہے۔ ماموں نے بتایا کہ واپسی پر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے ملاقات نہ کر سکا کیوں کہ میرے پاس علی گڑھ شہر کا ویزہ نہیں تھا پہلے حاترس شہر کی انٹری علی گڑھ میں ہوتی تھی بعد میں حاترس شہر میں ہی انکو آری آفس بن گیا تھا اور اس کی انٹری وہیں ہوتی تھی تاہم ڈاکٹر صاحب کا خط مختار الدین احمد صاحب کو پہنچانا تھا اور کچھ رشتے دار علی گڑھ میں رہتے تھے ان سے بھی ملنا تھا تو علی گڑھ جانا پڑا لیکن واپسی میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ حال آں کہ ڈاکٹر صاحب نے انھیں اپنا ٹیلی فون نمبر بھی دیا تھا کہ جب آپ دوبارہ تشریف لائیں تو فون کر کے آئیے گا۔ تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو اور مل کر ضرور جائیے گا۔ غالباً ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اور ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی بالمشافہ ملاقات نہیں تھی صرف خط و کلمات کے ذریعے ہی ملاقات ہوتی تھی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مختار الدین احمد صاحب کی باتیں اس طرح بتاتے تھے کہ ان کی ملاقات بالمشافہ ہو۔

ڈاکٹر صاحب آج ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی کمی آج بھی محسوس کی جاتی ہے۔ سورہ رحمن جو میں نے ستمبر 2001ء میں عرصہ چار سال میں مکمل کی تھی اور اس کی تیاری سے متعلق کئی اہم شخصیات کو ڈاکٹر صاحب کے مشورے سے خطوط روانہ کیے تھے اور ڈاکٹر صاحب کی رہ نمائی حاصل کی تھی اور سورہ رحمن کو جن اہل سے گزر کر میں نے تیار کیا وہ سب ڈاکٹر صاحب کے علم میں تھے اس سورہ کی نمائش ان شاء اللہ مارچ 2002ء میں صادقین آرٹ گیلری فیروزہ حال کراچی میں منعقد ہوگی۔ اگر ڈاکٹر صاحب حیات ہوتے اور اس سورہ کی نمائش ہوتی تو وہ اس میں ضرور تشریف لاتے اب مجھے کسی اہم شخصیت کو خط لکھنا ہوتا ہے تو ڈاکٹر صاحب بہت یاد آتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں اور تصحیح شدہ خطوط آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

## ”نگہ بلند سخن دل نواز جاں پر سوز“

”نگہ بلند سخن دل نواز جاں پر سوز“ کی آئینہ دار اس شخصیت سے فون پر رابطہ ہو تاکہ بھابھی محترمہ سے بات کرنی ہے جواب ملتا... ”توقف فرمائیے“۔

یہ سحر انگیز جواب نہایت متاثر کن ہوتا۔ گھر جانا ہوتا تو ان کی نیچی نگاہوں اور کم سن سخی کے باوجود شفقت و محبت کے حصار کا احساس ہوتا۔

بچوں کے حصولِ علم کے سلسلے میں اکثر مضامین وغیرہ کے لیے ان سے رابطہ ہوتا تو بلا توقف کسی بھی عنوان پر یوں قلم رواں ہو جاتا گویا وہ ہمارے ہی منتظر تھے۔

وائے حسرت! انتہائے شوق! کبھی اس سے زیادہ اس سے فیضیاب ہونے کا ہمیں فخر حاصل ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ بھی ان کی گھمبیر اور سادہ شخصیت کی مکمل آئینہ دار ہیں۔ پورا گھر سادگی کا مرقع ہے۔ گھر کیا گویا ایک لائبریری ہے جس سمت نظر اٹھائیے کتابوں کا ایک ہجوم، اہلیانِ ذوق کے لیے تو گویا بس بہتی گنگا تھی۔

شوق کی تکمیل اور لگن نے اس قدر احساس سے عاری اور زندگی سے بیگانہ کر دیا تھا کہ بچوں جیسی نعمت کا شکوہ یا اظہار بھی ان کی یا بھابھی محترمہ کی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس ناچیز کو تھوڑی بہت دلچسپی اردو ادب میں شعر و شاعری سے ہے۔ کبھی کبھی کسی چیز کا کمال شوق نہ صرف دیکھنے، ٹھہرنے بلکہ رکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ جسارت شاعری کی معرفت سپردِ قلم ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے میرا تعلق ان کے برادر عزیز ناصر صدیقی کے حوالے سے ہے۔ اس طرح میری پہنچ ان کے اندرون خانہ اہلیہ محترمہ تک بھی رہی ہے۔ یوں ان کی گراں قدر شخصیت سے اکثر فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔

## تاثرات

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے خطوط اور نہ ماہی انشاء کے ڈاکٹر نجم الاسلام نمبر کے سلسلے میں ہونے والی خط کتابت کے دوران راقم کو بعض ایسے خطوط بھی موصول ہوئے جن میں، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارے میں بلا واسطہ رائے کا اظہار ہوا ہے۔ ان خطوط سے اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ باوجود اختصار کے بعض تاثرات مکمل مضمون کا سا لطف دیتے ہیں۔ چند فقرے یا جملے ایسے بھی تخلیق ہو گئے ہیں جو حسن و لطف کے اعتبار سے ایک مضمون پر بھاری ہیں۔

چند ایسے دست یاب خطوط سے بھی اقتباسات پیش کرنا ہوں جو اگرچہ راقم کے نام تو نہیں ہیں تاہم موضوع سے مناسب رہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد سلیم اختر، اسلام آباد، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۹ جولائی ۲۰۰۱ء "تحقیق کے اب تک شمارے اس بات کا منہ بواتا ثبوت ہیں کہ اس پیرانہ سالی میں بھی وہ جوانوں کی طرح کام کر رہے تھے اور کئی لحاظ سے اس دور انحطاط میں اپنی ذات میں ایک انجمن۔"

نور الحسن راشد، کاندھلہ، بھارت، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۱۳/۶/۲۰۲۲ء "میری ڈاکٹر نجم الاسلام سے واقفیت تو کئی برسوں سے تھی مگر موصوف سے بہ راہ راست خط و کتابت کا موقع کم ہوا۔ سب سے پہلے محترمی پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے مجلہ تحقیق کا چوتھا شمارہ عنایت کیا تھا جس کے بعد سے تحقیق کے مطالعے اور اس کے قیمتی مضامین سے استفادے کا ہمیشہ خیال رہا۔ بعد میں ایک ضرورت سے مجھ کو خط لکھا، موصوف کے اخلاق کریمانہ اور عنایت کا اس وقت سے دل سے معترف ہونا پڑا جب موصوف نے میرے مریض کے جواب سے بلا تاخیر نوازا اور اس کے بعد تحقیق کے شمارے بھی ارسال فرماتے رہے۔ آخر میں تحقیق کا

شمارہ ۱۳-۱۲ ما تھا، میں ابھی اس کی رسید بھی نہیں لکھ سکا تھا کہ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب حادثہ وفات کی اندوہناک خبر سنائی، جی دھک سے رہ گیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون! ایسے خلیق و کریم، ایسے فاضل، صاحب نظر اور محنتی اہل قلم اور محققین بہت ہی کم گئے ہیں۔“

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، لاہور، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۱۵ مارچ ۲۰۰۱ء ”نجم الاسلام صاحب کا انتقال ایک ایسا حادثہ فاجعہ ہے، جس کی شدت الم اور رنج و کرب کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایسی محرومی، جس کی تلافی شاید ہی ممکن ہو۔ ان کا نعم البدل کہاں سے آئے گا؟ یہ طور انسان، یہ طور استاد، یہ طور محقق۔“

پروفیسر رابعہ اقبال، کراچی، بہ نام رفیق احمد خاں  
”ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی وفات بہت بڑا سانحہ ہے۔ میں نے تقریباً ۲۵ سال ان کے ساتھ گزارے۔۔۔ صبر آگیا۔۔۔ مولا کی مرضی میں کون دخل دے سکتا ہے۔“

ڈاکٹر فدا حسین انصاری، شہداد پور، سندھ، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ  
۱۷ جولائی ۲۰۰۱ء

”میں اکثر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خود حاضر ہو جاتا تھا۔ 1985ء تا 1992ء، تو میں اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی بھرپور رہنمائی حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد رسالہ تحقیق کا جب نیا نمبر شائع ہو جاتا تو ڈاکٹر صاحب مجھے اطلاع نامہ ارسال کرتے اور میں اس بہانے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ان کے دولت کدے پر حاضر ہوتا اور ان سے ”تحقیق“ کی دولت لے کر واپس لوٹتا، اس دوران ڈاکٹر صاحب کا دیدار بھی ہو جاتا اور جناب کی علمی و ادبی گفت گو سے فیض یاب بھی ہو جاتا۔“

ڈاکٹر فدا حسین انصاری، شہداد پور، سندھ، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ  
۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء

”اتنے عظیم محقق ہونے کے سبب عدیم الفرصت تھے لیکن کسی نہ کسی طرح اپنے تلامذہ سے رابطہ رکھتے تھے اور قدم قدم پر ہر ضمن میں ان کی رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔“

تحقیق کے بارے میں ۱۰۰ زیادہ سے زیادہ افراد کو باخبر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔  
ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں اور احباب کو تو بلند القاب، آداب سے نوازتے ہی تھے لیکن اپنے تلامذہ  
میں مہذبانہ انداز سے خطوط تحریر کرتے ہیں یہ انہی کا حصہ اور کسر نفسی کی اعلیٰ مثال و روایت تھی۔“

پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، شیخوپورہ، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ

۳ جنوری ۲۰۰۲ء

”۳ خطوط ارسال خدمت ہیں۔ ان سے مرحوم کی محبت و شفقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔  
صرف ایک شکایت ہی ہے (کہ) مرحوم نے حالات زندگی تانے سے گریز کیا۔“

ڈاکٹر توصیف تبسم صاحب، اسلام آباد، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۲۲ مئی ۲۰۰۱ء  
”ڈاکٹر صاحب مرحوم سے میری مراسلت نہ ہونے کے برابر تھی، البتہ تحقیق کے سلسلے  
میں جو رہنمائی انہوں نے میری فرمائی تھی وہ احسان مجھے ہمیشہ یاد رہے گا، جب میں نے منیر شکوہ آبادی  
پر اپنے کام کی ابتدا کی تھی اور فراہمی مواد کے سلسلے میں پریشان تھا، انہوں نے کچھ مخطوطات اور  
مطبوعات لے کر بارے میں فرمایا تھا۔ خیر پور ڈویژنل لائبریری میں منیر کے دیوان اول ”منتخب العالم“ کا  
مخطوط اور علی اوسط رشک کا قلمی دیوان موجود ہے، وہ اگر میری اعانت نہ فرماتے تو میں ان نوادرات  
تک کیسے پہنچتا، یہاں یہ عرض کرنا چلوں کہ اس دیوان کے مطالعے کی بنیاد پر، میں منیر کے سلسلے میں  
بعض بنیادی غلط فہمیوں کا لالہ ازالہ کرنے میں کامیاب ہو سکا!

وہ تحقیق کے آدمی تھے اور اس سلسلے میں بلا تخصیص سب کی مدد کر کے خوش ہوتے تھے۔  
۱۹۵۵ء (۱۹۹۵ء) میں نیشنل لائبریری، اسلام آباد میں موجود بعض مخطوطات کی  
نقول، ڈاکٹر صاحب کو مطلوب تھیں، اس سلسلے میں انہوں نے مجھ کو لکھا تھا ۰۰۰ پھر میرے ایما پر  
انہوں نے ڈائریکٹر، نیشنل لائبریری کو ایک خط ان مخطوطات کی عکسی نقول کے سلسلے میں لکھا،  
ساتھ اس خط کی ایک نقل مجھے بھی بھجوا دی تاکہ میں بھاگ دوڑ کر سکوں، مجھے یاد ہے میں حینظ اخت  
صاحب سے اس سلسلے میں ملا، تو انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کا خط ان کو مل چکا ہے اور اس سلسلے  
میں ضروری کارروائی ہو رہی ہے، اس کے بعد نجم الاسلام کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔“

ڈاکٹر زاہد منیر عامر، لاہور، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ یکم اپریل ۲۰۰۱ء



”ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کا سناؤ، ار تھال آپ کا، میرا ہی نہیں ساری اردو دنیا کا تھا ہے، ایسا نقصان جس کی تلافی میں نجانے کتنا حصہ لگے، ایسا سچا دانش ور، محنتی محقق، باریک نظر ہم اب کہاں ڈھونڈیں گے اور کیسے پائیں گے۔“

پروفیسر محمد یوسف خشک، خیر پور، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۳۱ مئی ۲۰۰۱ء  
 ”ڈاکٹر صاحب (نجم الاسلام) کے خطوط اگر بہ غیر کمپوز کروائے عکسی شائع کیے جائیں مزید بہتر ہوگا، کیوں کہ ڈاکٹر صاحب کی تحریر، اردو ہو یا فارسی یا انگریزی، ان کی شخصیت کی طرز بالکل صاف ہے۔ جسے پڑھنے سے آنکھیں نہیں تھکتیں۔ دماغ کو پڑھنے کی دعوت دیتی ہے۔ یوں بھی ڈاکٹر صاحب کی تحریر کسی خطاط، ٹائپ رائٹر، یا کمپیوٹر کی لکھائی سے کم نہیں ہے۔“

حق نواز خاں، پیرزئی، پنجاب، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۱۲ جون ۲۰۰۱ء  
 ”مرحوم (ڈاکٹر نجم الاسلام) بڑے معروف آدمی تھے لیکن پھر بھی خط کا جواب ضرور دیا کرتے تھے ۰۰۰ میرا صرف ایک خط جو اسے مرحوم رہا جو میں نے ان کی خدمت میں ان کے انتقال والے دن ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء کو لکھا تھا۔ مرحوم جیسے لوگ کسی بھی ادارے کے لیے سرمایہ ہوتے ہیں۔ ہم مسلمان یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان کی موت بے وقت ہوئی کہ موت کا دن اور وقت تو مقرر ہوتا ہے لیکن ان کی موت ہم جیسے کتنے ہی لوگوں کے لیے صدمے کا باعث ضرور ہوئی۔“

ابو سعادت جلیلی، کراچی، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۱۵ مئی ۲۰۰۱ء  
 ”حالی پر مجوزہ منصوبے کا ضمیمہ نذر نجم الاسلام کرنے کا ارادہ ہے۔ احقر نمونہ بد خطی ہونے کے باعث متاثر بھی ہے مگر گزرائے گا بھی۔ ممدوح مغفور بے انتہا طالب علم نواز بلکہ بندہ پرور، اندازت لطف و کرم فرماتے تھے۔“

ڈاکٹر سید معین الرحمن، لاہور، بہ نام رفیق احمد خاں، مرقومہ ۲ مئی ۲۰۰۱ء  
 ”نجم الاسلام صاحب کا غم بڑا شدید ہے۔“

ڈاکٹر سید معین الرحمن لاہور، بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مرقومہ

۱۳ فروری ۲۰۰۱ء

”آپ نے فیض تربیت سے مستمع ہونے والوں میں ارشد اور ارفع ترین تھے۔ ہمارے عمد اور اپنے ہم عمروں میں حد درجہ محتاط اور معتبر۔ بے حد صاحب نظر، انتھک اور بہت خاموش کار گزار۔“

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حیدر آباد سندھ، بہ نام ڈاکٹر سید معین الرحمن، مرقومہ

۲۲ فروری ۲۰۰۱ء

نجم الاسلام صاحب کے یکایک فوت ہو جانے سے سب کو قلق ہے۔ بہت بڑا علمی نقصان ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی۔ دعا کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر سید معین الرحمن، لاہور، بہ نام ڈاکٹر مختار الدین آرزو، پروفیسر نذیر احمد

، علی گڑھ، بھارت (مشترکہ) مرقومہ ۳ فروری ۲۰۰۱ء

”یہ کس درجہ اذیت دو اور دل آزار حقیقت ہے کہ آج دس بجے دن ناگماں، حیدر آباد میں ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کا انتقال ہو گیا، ۰۰۰ آخری بار حیدر آباد میں ان کے گھر پر ملاقات ہوئی تو بتا رہے تھے کہ شوگر لے باعث دواغذا میں حد درجہ احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ اگرچہ انھی کا کہنا تھا کہ یہ گویا تنے ہوئے رت، یا تار پرنٹ کا چلنا ہے جو بے حد احتیاط کا متقاضی ہوتا ہے اور یہ برابر ممکن نہیں ۰۰۰ نماز جنازہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے پڑھائی جو خود اس جاں کاو صدے سے بڑے نڈھال اور خستہ ہیں۔ اللہ ان کا سایہ ہم سب پر سلامت رکھے۔ نجم الاسلام صاحب کا اٹھ جانا درد، فارسی تحقیق کے حوالے سے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ دو ہمارے عمد اور اپنے ہم عمروں میں محتاط اور معتبر ترین تھے۔“

ڈاکٹر مختار الدین احمد، علی گڑھ، بھارت، بہ نام ڈاکٹر سید معین الرحمن

مرقومہ، ۱۹ مارچ ۲۰۰۱ء

”نجم الاسلام صاحب کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ تحقیقی کام کرنے والوں میں وہ اپنے معاصرین میں بہت نمایاں تھے۔ وہ بڑا مفید کام انجام دے رہے تھے، اور مستقبل سے یہ نئی نوبت

انہوں نے بتا رکھے تھے، ان میں سے ایک منصوبہ قوافی پر کچھ غیر مطبوعہ رسالے مرتب کر کے شائع کرنے کا تھا۔ کافی کے رسالے کا متن وہ پچھلے شمارے میں رسالہ تحقیق کے چھاپ چکے تھے۔ میں نے جوش عظیم آبادی اور شتی عظیم آبادی کے رسالہ قافیہ پر مضمون لکھ کر انہیں بھیجا تھا۔ یہ دونوں مضامین وہ "تحقیق" کے موجودہ شمارے میں چھاپ رہے تھے۔ ان کے پروف میرے پاس آئے تھے۔ بدایوں کے ایک صاحب نے اسی قاسم کے ایک موضوع پر کوئی نصف صدی پہلے علی تڑھ میگزین میں لکھا تھا۔ پچاس ساٹھ صفحات کے اس مضمون کا عکس انہوں نے مجھ سے منگوا یا تھا اور میں نے انہیں بھیج دیا تھا۔ وہ غالباً اپنے حواشی کے ساتھ اتے بھی شائع کرنا چاہتے تھے۔"

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کراچی، بہ نام ڈاکٹر سید معین الرحمن، مرقومہ  
۱۳ فروری ۲۰۰۱ء

"یہ خبر شاید مل گئی ہو کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کل صبح دس بجے اللہ کو پیارے ہو گئے حق مغفرت کرے، واقعی خوب آدمی تھے۔"

ڈاکٹر سید معین الرحمن، لاہور، بہ نام پروفیسر فہمیدہ شیخ، مرقومہ ۱۳ مئی ۲۰۰۱ء  
"ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے محروم ہوئے آج تین ماہ ہوئے ہیں۔ آپ کو وہ کس درجہ عزیز رکھتے تھے اس کا اندازہ مجھے ہے۔ میں بھی ان کی مہر و رحمت کا مورد رہتا تھا اور اس پر فخر و افتخار کا سا احساس ہوتا تھا۔"

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حیدر آباد سندھ، بہ نام نفیس احمد شیخ، حیدر آباد سندھ،  
مرقومہ ۲۱ فروری ۲۰۰۱ء  
"ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب واقعی بہت بڑے فاضل تھے۔ اب ان کی قابلیت والا کوئی شخص (شعبہ اردو میں) نہیں ہے۔"

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نام ور شاگرد

”ڈاکٹر نجم الاسلام“

اندانی پس منظر :

ڈاکٹر نجم الاسلام کا حقیقی نام نجم الدین صدیقی نور قلمی نام ڈاکٹر نجم الاسلام ہے۔ وہ شیخ دکان جھور میں سے ہیں جو امیر تیمور کے حملے کے وقت (۱۸۰۱ء) سے قاضی محلہ جھور میں آباد چلے آتے ہیں نور حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر صدیق کی لولاد میں سے ہیں۔ ان کے اجداد اس علاقے (روہیل کھنڈ) میں امیر تیمور کے زمانے سے منصب کھنڈ پر فائز رہے ہیں۔ جمائگیر کے وقت اس محلے میں شیخ عبدالغفور اعظم پوری کے اخلاف بھی آباد ہوئے۔ جو حضرت عمر فاروق کی لولاد میں سے ہیں اور عزیز زاد۔ کھلاتے ہیں۔ صدیوں سے ان دو خانوادوں کی آپس میں رشتے داریاں چلی آتی ہیں۔

ڈاکٹر نجم الاسلام یکم جولائی ۱۹۳۳ء کو جھور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دلو کا نام مولوی نصیر الدین تھا۔ جنھوں نے سول انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا تھا اور اسی وجہ سے مولوی کھلاتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں دوران ملازمت علی گڑھ میں وفات پائی اور بالائے قلعہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کے والد کا نام شہاب الدین تھا۔ وہ ۱۸۹۶ء کو جھور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جھور ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۱ء علی گڑھ کے کالجیٹ اسکول میں تعلیم پائی۔ ان کا انتقال ۱۹۶۶ء میں سکرم میں ہوا۔

تعلیم و تربیت :

ڈاکٹر نجم الاسلام کی تعلیم و تربیت کا آغاز قاضی محلہ کے ایک پرائمری اسکول سے ہوا اور پرائمری کی تعلیم قاضی محلے ہی کے تین میڈیٹل اسکولوں میں یکے بعد دیگرے پڑھ کر حاصل کی۔

گورنمنٹ ہائی اسکول جھور سے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان بدرجہ اول پاس کیا۔ اسکول کی تعلیم بعد کالج کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور انہوں نے انٹر میڈیٹ میرٹھ کالج۔ میرٹھ (یوپی) ۱۹۴۹ء میں اور اسی کالج سے ۱۹۵۳ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء میں جولائی کے اگست کے لواٹل میں وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ یہاں اپنی تعلیم کا سلسلہ رکھتے ہوئے انہوں نے جامعہ سندھ سے ۱۹۶۰ء میں ایم۔ اے اردو کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۹ء ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی زیر نگرانی تحقیقی مقالہ بہ عنوان ”دہستانِ دہلی کی نثر“ لکھ کر جامعہ سندھ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سندھ حاصل کی۔

اساتذہ :

شریف النفس، روشن دماغ اور وسیع العلم و نظر اساتذہ ہی اپنے شاگردوں کے جستجوئے علم کا محرک ثابت ہوتے ہیں۔ ہر بڑے عالم، چاہے ان کا تعلق علم کے کسی شعبے سے ہو عظمت کے پیچھے ایسے ہی چند اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا اثر ضرور کار فرما ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام عظیم محقق اور عالم کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں بھی ان کے چند اساتذہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ میں چند نام قابل ذکر ہیں ان ناموں میں ایک نام شاہ ضیاء الحق گنگوہی کا ہے، جن کا ذکر ڈاکٹر الاسلام نہایت احترام سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”میری محنت صلاحیتوں کو پہلی بار شاہ ضیاء الحق گنگوہی مرحوم و مغفور نے اس وقت بیدار کیا جب کہ وہ ۱۹۴۹ء میں چند ماہ کے لیے میرٹھ میں آکر ہمارے ساتھ رہے۔ اس زمانے میں، میں میرٹھ کالج میں پڑھتا تھا۔ استفادے کا یہ سلسلہ وقفے وقفے سے، ان کے ۱۹۵۳ء میں ان کے پاکستان چلے آنے تک جاری رہا۔“

مزید لکھتے ہیں :

”وہ کوئی رسمی استاد نہ تھے مگر نوجوانوں کی ذہنی و فکری تربیت میں مہارت رکھتے تھے۔ شاہ ضیاء الحق نے ۱۹۱۸ء میں علی گڑھ سے گریجویشن کیا تھا اور فلسفے سے دلچسپی کی بناء پر وہ ضیاء الحق فلسفی کہلاتے تھے۔ وہ اپنے سوالوں کے ذریعے مخاطب کی ذہنی تربیت کرتے تھے اور سکھاتے تھے۔ ایک بار فلسفے کی ایک کتاب سبفا سبفا بھی

پڑھائی۔ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے اور ذہنی صلاحیتوں میں بے  
مثل وہے نظیر، علمی مسائل کا تجزیہ عمدہ طور کرتے تھے۔“

شاہ ضیاء الحق صاحب (مرحوم) ۱۹۵۳ء میں پاکستان آگئے تھے اور اپنے خاندان کے  
تھ ۸۰۔ ایف ماڈل ٹاون میں رہائش پذیر تھے۔ جب کہ ڈاکٹر نجم الاسلام ۱۹۵۶ء میں پاکستان  
آئے۔ یہاں آکر انھیں اپنے رہنما شاہ ضیاء الحق سے استفادے کا شرف صرف چند بار ہی حاصل  
سکا۔

پاکستان آنے کے بعد ڈاکٹر نجم الاسلام کو جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور جنہوں  
نے ان کی ذہنی تربیت کرنے اور تحقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ان میں سب سے  
م لور عظیم نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں چوں کہ خود بے مثال تحقیق  
ملاحظیوں کے مالک ایک بلند پایہ محقق ہیں لور ان کے تحقیقی کارنامے کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں  
بلکہ ایک استاد کی حیثیت سے انہوں نے اپنے شاگردوں کو زیور علم سے آراستہ و پیراستہ کر کے میدان  
تحقیق میں قدم جمانے کے مگر سکھائے ہیں اور جو شاگرد اس میدان میں کچھ کرنے کی لگن لے کر اس  
میدان میں اترے ڈاکٹر صاحب نے ان کی بھرپور رہنمائی لور حوصلہ افزائی کی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کا شمار  
ہی ان کے چند ایسے ہی شاگردوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی تمام تر وہ بے مثال تحقیقی صلاحیتوں کو  
کام میں لاتے ہوئے میدان تحقیق میں اپنی نصرت و کامرانی کے جھنڈے گاڑے۔ وہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ  
خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :

”تحقیقی موضوعات لور طریقوں سے حیرت انگیز اور دلچسپی اور میرا تعلق  
بہت کچھ انہی کا فیضان ہے۔ وہ علم و تحقیق کے ایک روشن مینار  
ہیں جن سے تلاذہ کے ایک وسیع حلقے نے فیض پایا۔ میں آج بھی  
کہ عمر ۶۵ سال سے تجاوز کر چکی ہے، اپنی تحریریں اشاعت سے  
پہلے ڈاکٹر صاحب محترم کو مشورہ دکھا دیتا ہوں لور وہ ازراہ کرم  
النفات فرماتے ہیں۔“

ڈاکٹر نجم الاسلام کے اساتذہ میں درج بالا دو بڑے ناموں کے علاوہ بھی چند اور نام شامل  
ہیں۔ جن کا تعلق ڈاکٹر صاحب کے اسکول کے اساتذہ سے ہے۔ ان میں شمس الحق نظامی (پھر ایونی)  
جو قیام پاکستان کے بعد کراچی آگئے تھے لور ریڈیو کے لیے فیچر بھی لکھا کرتے تھے۔ ہائی اسکول کی

جماعتوں میں دو بھائی اساتذہ وقار احمد اور افتخار احمد تھے۔ ایک شبیر حسن چاند پوری تھے، جو کبھی روزہ اخبار ”مدینہ“ بھجور کے ایڈیٹر رہے تھے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر نجم الاسلام لکھتے ہیں :

”وہ تشریح کے لیے کسی نصابی کتاب کا اقتباس نہیں دیتے تھے۔ بلکہ کسی موضوع پر خود مد جتہ لکھوا دیتے تھے اور وہ نہایت بلند پایہ اور معنی خیز عبارت ہوتی تھی۔“

ایک استاذ نعت علی خاں جھوری تھے جو پاکستان آنے کے بعد کراچی میں نظامت تعلیمات میں افسر ہوئے۔ انہوں نے خان ایم۔ اے کے قلمی نام سے کراچی سے ایک رسالہ ”مستقبل“ نکالا تھا۔ یہ وہ اساتذہ تھے جنہوں نے ڈاکٹر نجم الاسلام کے دل و ذہن میں علم کی جستجو کا نھاسا پودا لگایا۔ شاہ ضیاء الحق نے اس کی آمیاری کی اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی شفقت خاص نے اسے ایک تگور و رخت بنا دیا۔

ملازمت :

ڈاکٹر نجم الاسلام ۱۹۵۱ء میں جب کہ وہ طالب علم تھے۔ میرٹھ سے شائع ہونے والے لوہی رسالے ”معیار“ سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہاں وہ مدیر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ ۱۹۵۶ء تک اسی عہدے پر خدمات انجام دیں اور ۱۹۵۶ء میں ہجرت کے باعث یہ عہدہ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔

پاکستان آنے کے بعد خرابی کالج حیدرآباد میں لیکچرار رہے اور اسی کالج میں ایک مختصر عرصے کے لیے پرنسپل کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔ ۲۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں انہوں نے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کر لی تھی، لہذا اسی بنا پر اسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر ان کی ترقی ہو گئی اور پھر ۱۹۷۷ء میں شعبہ اردو کے صدر مقرر کر دیے گئے۔ ۱۹۹۲ء تک اسی عہدے پر فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے۔ ۳۰ جون ۱۹۹۲ء کو سبکدوشی عمل میں آئی۔ اس کے بعد سے سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں (دو مختصر وقفوں کے ساتھ) وزیٹنگ پروفیسر اور یونیورسٹی کے تحقیقی جنرل ”تحقیق“ کے مدیر کی حیثیت سے یونیورسٹی سے ان کی وابستگی قائم ہے۔

بہ حیثیت مدیر :

ڈاکٹر نجم الاسلام نے ”معیار“ کی لواریت نو عمری ہی میں سنبھالی تھی۔ اس رسالے کو

ہی تحریک کے بہ طور منظم کر کے ایک تحریک بنی کی خطوط پر استوار کرنا اور چلانا ان کا مقصد تھا تاکہ اس ادبی رسالے سے بھی وہی مقاصد حاصل کیے جاسکیں جس کے لیے کوئی فعال ادبی تنظیم وجود میں آئی ہے۔ لہذا جب ڈاکٹر نجم الاسلام نے ”معیار“ کی ادارت سنبھالی تو انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اپنی پوری وابستگی اسی کے ساتھ قائم کر لی اور اس رسالے کے ذریعے اردو ادب کی ترویج و ترقی کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ جن ادبی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اس سالے کا اجراء کیا گیا تھا ان اغراض و مقاصد کو رسالہ معیار کے تنقیدی نمبر ۱۹۵۴ء میں نمایاں کیا گیا۔

اس رسالے سے وابستگی کے دوران ہی ۱۹۵۴ء میں ”آل انڈیا ادبی سمپوزیم“ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں منعقد ہوا جہاں ڈاکٹر نجم الاسلام نے بہ حیثیت مدیر اپنا پہلا کانفرنس پیپر پڑھا جو اس رسالے کے ادبی مقاصد اور نظریات سے متعلق تھا۔ اس پیپر کے بارے میں وہ کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

”میرا پہلا کانفرنس پیپر جو ’آل انڈیا ادبی سمپوزیم‘ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں (۱۹۵۴ء) پیش کیا گیا تھا۔ وہ انہی ادبی مقاصد اور نظریات کی وضاحت میں تھا، پھر یہ ’معیار‘ کے ’تنقیدی نمبر‘ میں شامل ہو کر چھپا اور ’اردو لوب کار تقاء‘ کے عنوان سے اس کے جو مقالات کتابی شکل میں ۱۹۵۴ء میں علی گڑھ سے چھپے ان میں بھی شامل تھا۔“

اس سمپوزیم کے دیگر شرکاء میں خواجہ غلام السیدین، آل احمد سرور، احتشام حسین، ڈاکٹر محمد حسن لور سید اصغر علی عابدی شامل تھے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام ۱۹۵۱ء میں ”معیار“ کے مدیر کی حیثیت سے ”معیار“ سے وابستہ ہوئے اور اپنے فرائض اس خوبی اور ذمہ داری سے انجام دیے کہ اس رسالے کے اجراء کے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ اس سمپوزیم میں ان کی شرکت درحقیقت ان کی مدیرانہ صلاحیتوں کا اعتراف تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”معیار کے منتظمین کو قاضی عبدالغفار کی رہنمائی حاصل تھی انہوں نے رسالہ معیار کی کارکردگی کی جیا پر مقالے کے لیے



میرا بھی انتخاب کیا اور مشاہیر کی صف میں لائٹھایا، حالاں کہ عمر تو اس وقت بیس اکیس برس تھی۔“

۱۹۵۶ء میں پاکستان آمد کے باعث انھیں ”معیار“ کی ادارت سے علیحدگی اختیار کر پڑی۔ یہاں آکر وہ درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن ۱۹۸۶ء میں انھیں ایک بار پھر اپنی مدد پر صلاحیتیں کام میں لانے کا موقع میسر آیا یعنی ۱۹۸۶ء میں یونیورسٹی آف سندھ (شعبہ اردو) کے تحقیقی جنرل ”تحقیق“ کی ادارت انھیں سونپ دی گئی اس وقت سے اب تک تسلسل کے ساتھ وہ اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی ان صلاحیتوں اور بہترین کارکردگی کے اعتراف کے طور پر ڈاکٹر آر۔ اے شاہ (وائس چانسلر جامعہ سندھ) رسالہ ”تحقیق“ کے چھٹے شمارے (۱۹۹۲ء) میں اپنے ”پیش گفتار“ میں لکھتے ہیں کہ :

”میرا خیال ہے کہ ادارتی اور مالی امور میں اس رسالے کی کارکردگی قابل ذکر اور قابل اطمینان ہے۔ جہاں تک علمی پیش رفت کا تعلق ہے برصغیر کے محترم فضلاء کی رائے ”تحقیق“ کے حق میں ہے۔ ہم بھی صاد کرتے ہیں۔ مدیر ”تحقیق“ (ڈاکٹر نجم الاسلام) کی خدمات برائے مجلہ اور بہ طور استاد اور محقق قابل تعریف ہیں۔ ایک خاموش خادم علم اور ماہر علمی جامعہ سندھ کے ایک مثبت اور فرض شناس استاذ ہونے کے ناطے ہم ان کو سلام کرتے ہیں۔“

یہ بیان ڈاکٹر نجم الاسلام کی سنجیدگی، علم دوستی، خلوص اور صلاحیتوں کا بھرپور عکاس اور اعتراف ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام کے بارے میں ڈاکٹر وفاراشدی اپنے خود نوشت سوانح حیات ”داستان وفا“ (مطبوعہ، مکتبہ اشاعت اردو، ۱۹۹۷ء) ص ۱۵۹ پر ان کی محققانہ اور مدبرانہ صلاحیتوں اور رسالہ ”تحقیق“ کی اہمیت و افادیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں :

”ممتاز محقق و نقاد ڈاکٹر نجم الاسلام جامعہ سندھ کے شعبہ جاتی مجلہ ”تحقیق“ کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ تحقیق کا ہر شمارہ پاکستان اور ہندوستان میں جدید تحقیق اور فن تحقیق کے موضوع پر نہایت کارآمد مہینہ

ہوتا ہے۔ ملک و بیرون ملک کے مقدر و معتبر محققین کے علمی و تحقیقی مقالات کی شمولیت بالعموم اور اساتذہ جامعہ سندھ کی نگارشات کی اشاعت بالخصوص رسالہ تحقیق کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے معیار و مقدار کی ضمانت ہے قابل ذکر بات یہ ہے کہ نجم الاسلام نہایت خاموشی سے، لگن اور انتہاک کے ساتھ علمی، ادبی، تعلیمی اور تحقیقی کاموں میں مصروف عمل رہتے ہیں۔“

رائی ادبی سرگرمیاں :

ڈاکٹر نجم الاسلام نے میرٹھ سے تعلیم و تربیت حاصل کی یہاں انہیں ایسا ادبی ماحول میسر جو ان کی ادبی سرگرمیوں میں شمولیت کا محرک ثابت ہوا۔ یہ اسی ماحول کا اثر تھا کہ انہوں نے اپنی بصیرتوں کے زور پر ۱۹۵۱ء ہی میں ”معیار“ کی ادارت سنبھالی اور ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۶ء تک اسی سال سے وابستگی قائم رکھتے ہوئے اس دوران ”معیار تنقید نمبر“ اور اپنی دو کتابیں ”ابھرتی کر نیں“ (۱۹۵۲ء) اور ”عالمی امن“ (۱۹۵۵ء) بھی شائع کیں۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۶ء تک ان کی تمام تخلیقات اور تحقیقات ”معیار“ کی زینت بنتی رہیں۔ اس عرصے میں انہوں نے جو کام کیا اس کے عہد ادبی حلقوں میں جانے پہنچانے جانے لگے۔ اپنی ابتدا کی ادبی کاوش کے بارے میں ڈاکٹر نجم الاسلام لکھتے ہیں :

”الہ آباد کے ایک ہفت روزہ اور لاہور کے ایک ماہنامے میں لول لول چھپنا یاد آتا ہے۔ ایک مضمون اصطلاح سازی پر تھا، یہ افادات سلیم کے اثر سے تھا، اور غزل کے رجحانات پر تھا جو لاہور کے ایک رسالے میں شائع ہوا تھا۔“

ادبی خدمات :

یوں تو ڈاکٹر نجم الاسلام نے تنقیدی مضامین بھی لکھے، منظوم و منثور تراجم بھی کیے لیکن جو خدمات اور جو کارہائے نمایاں انہوں نے شعبہ تحقیق میں انجام دیے پورے برصغیر کے علماء و ادباء اور اہل دانش اس کے معترف ہیں۔ ان کا ایک ایک تحقیقی مضمون ان کی عمیق نظری، وسیع مطالعے اور نقوش طبع کا منہ بولا ثبوت ہے۔ ان کا انداز تحقیق دیگر کئی محققین سے مختلف اور یک سر جدا

ہے۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچنے اور حقائق پر پڑے ہوئے پردے ہٹانے کے ماہر ہیں۔ ان کا شوق اور سنجیدگی ہی اس میدان میں ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اب تک ڈاکٹر نجم الاسلام کے کئی تحقیقی و تنقیدی مضامین و مقالات ملکی و غیر ملکی تحقیقی رسائل میں جگہ پا چکے ہیں اور کئی کتب اور تراجم کے مجموعے وغیرہ مظہر عام پر آچکے ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کے انہی کارناموں کا ذکر مختصراً کیا گیا ہے۔

مطبوعہ کام :

۱ "ابھرتی کر نیں" ۱۹۵۳ء

۲ "معیار" (تنقید نمبر) ۱۹۵۴ء

۳ "عالمی امن" ۱۹۵۵ء

"ابھرتی کر نیں" اور "عالمی امن" ڈاکٹر صاحب کی تصانیف اور "معیار" کا تنقید نمبر کے "معیار" سے وابستگی کے دور کے کارنامے ہیں۔

۴ "نقش و نغمہ" ۱۹۶۰ء

۵ "دین و ادب"

یہ کتاب ڈاکٹر نجم الاسلام نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی رہنمائی میں ۱۹۶۰ء میں مکمل کی لیکن اس کی اشاعت ۱۹۸۹ء میں "لوارہ اردو" حیدرآباد کی جانب سے عمل میں آئی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں :

"اس کتاب کا موضوع پہلی بار ۱۹۵۴ء کے آغاز میں ذہن میں آیا جب کہ راقم الحروف ماہنامہ "معیار" میرٹھ کی لوارت سے ولستہ تھا اس کی تحریک علی گڑھ میں سید اصغر علی عابدی صاحب کے ایک مقالے کو سن کر ہوئی تھی۔ جس میں برصغیر کی چند مشہور دینی شخصیتوں اور تحریکوں کا ضمیمہ ذکر آیا تھا۔"

کتاب میں نو ابواب ترتیب دیئے گئے ہیں۔ پہلے باب میں دین اور ادب کے تعلق کو واضح کرتے ہوئے بڑی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر نجم الاسلام نے قرآن و احادیث اور اقوال اصحاب کے ذریعے اس بات کی توضیح کی ہے کہ اسلام نے کن شعراء اور کس قسم کے کلام کو

اسلامی معاشرے کے لیے فتنہ قرار دیا ہے اور کون سے شعراء اور کس قسم کا لوب معاشرے کے لیے مفید اور افراد معاشرہ کے اخلاق کو سنوارنے کا باعث ہو سکتا ہے۔

اگلے آٹھ ابواب میں ہر باب ایک الگ مذہبی تحریک کے دور میں وقوع پذیر ہونے والے اردو لوب کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ وہ مذہبی تحریکیں تھیں جو بد صغیر میں مختلف ادوار میں اسلام کی سربلندی و سرفرازی کا عزم لے کر اٹھیں اور ان تحریکوں میں شامل بزرگوں میں سے کچھ نے شاعری کے ذریعے اسلام کی روح اور اسلام کے اصولوں کو عوام الناس پر واضح کیا تو کچھ نے قرآن و احادیث کے تراجم و تفاسیر سے مقامی لوگوں کی زبان میں پیغام حق ان تک پہنچایا۔ کچھ نے فن خطابت سے اسلام کی تبلیغ کی تو کچھ نے مضامین و مقالات کے ذریعے اسلام کا پیغام لوگوں کے دل و ذہن میں اتارا۔ غرض کسی طریقے سے انہوں نے اسلام کا پرچار کیا لیکن انہوں نے اس مقصد کے لیے جو زبان استعمال کی وہ اردو تھی۔ چاہے وہ ”مہدوی تحریک“ ہو یا شیخ مجدد کی ”نقشبندیہ تحریک“ یعنی ان بزرگان دین نے اردو کو نشر و اشاعت کا ذریعہ بنایا کیوں کہ اردو اس خطے کی ایک ایسی زبان تھی جو کئی علاقائی رنگ لیے ہوئے تھی مثلاً دکنی، دہلوی، گوجری اور سندھی وغیرہ۔ لہذا یہی وہ واحد زبان تھی جو اس خطے میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں یکساں بولی اور سمجھی جاسکتی تھی۔ سید احمد شہید کی ”تحریک جماد“ ہو یا شاہ ولی اللہ کی تحریک ”تحریک رد عیسائیت“ ہو یا ”تحریک دیوبند“ ہر تحریک میں شامل بزرگان نے اپنے پیروکاروں کو فیض پہنچانے کے لیے اسی اردو زبان میں تصانیف، تراجم ترتیب دیے۔ بعد میں ان بزرگان کی یہ تعلیمات جو تصانیف، تراجم، تفاسیر اور اشعار کی صورت میں تھیں اب اس لوب میں ایک سرمائے کی حیثیت حاصل کر گئیں۔ اس کے علاوہ جب یہ تحریکیں مختلف مذاہب میں پھیلی پھولیں تو علاقائی زبانوں کی آمیزش سے اردو اٹلا اور اردو زبان میں تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔

مختصر یہ کہ بد صغیر کی ہر مذہبی تحریک کے دور میں بہت سی نئی دینی اور مذہبی تصانیف اردو لوب کے سرمائے کے طور پر اردو لوب میں داخل ہوتی چلی گئیں۔ اور آج یہ اردو لوب کا ایک عظیم سرمایہ ہیں جسے کسی صورت اردو لوب سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

## ۶ مطالعات: ۱۹۹۰ء

یہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے بارہ تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جو کتابی صورت میں ۱۹۹۰ء میں ”لوہارہ اردو“ حیدرآباد کی جانب سے شائع ہوا جب کہ اس مجموعے میں شامل مقالات ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء تک درمیانی مدت میں ”نقوش“، ”صحیفہ“، ”لور نیٹل کالج میگزین“، اور رسالہ ”تحقیق“

میں شائع ہو چکے ہیں۔ مجموعے میں شامل مقالات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

### (۱) تین نثری نوادر

اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے شمالی ہند کی ابتدا کی اردو کے تین ایسے نوادر نمونوں کا تعارف پیش کیا ہے جو اب تک اردو ادب کی کسی نثری تاریخ میں جگہ نہیں پاسکے حالانکہ بھول ڈاکٹر نجم الاسلام ”تینوں ہی کسی نہ کسی لحاظ سے تقدیم کی فضیلت کی حامل ہیں۔“

### (۲) فورٹ ولیم کالج

یہ اس مجموعے میں شامل طویل ترین مضمون ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں فورٹ ولیم کالج کی تاریخ، اس میں رائج نظام تعلیم، اصول و ضوابط اور طریقہ امتحانات وغیرہ پر مفصل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

### (۳) فضلی کی کربل کتھا

اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے ”کربل کتھا“ کے اس مخطوطے کا تعارف پیش کیا ہے جسے ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ۱۹۵۵ء میں جرمنی کی ایک یونیورسٹی کے کتب خانے سے دریافت کیا اور اس مخطوطے کی عکسی نقل اپنے ساتھ ہندوستان لاکر والک رام کے ساتھ مرتب کی اور یہ کتاب ان دونوں صاحبان کے مقدمے اور حواشی کے ساتھ شائع ہوئی۔

### (۴) گربہ نامہ اور اس کا مصنف

تحسین کی ”نوبطرز مرصع“ کی تحریک پر کئی قصے لکھے گئے۔ انھی قصوں میں ایک قصہ ”گربہ نامہ“ بھی ہے لیکن یہ قصہ گذشتہ صدی اور اس صدی میں بھی کئی بار شائع ہونے کے باوجود اردو ادب کی نثری تاریخ میں جگہ نہیں پاسکا۔ جب کہ اس کے دستیاب نسخوں میں اس کے مصنف کا نام تضادات کا شکار ہے۔ اس مضمون میں اس کے مصنف سے متعلق ہی تحقیق کی گئی ہے۔

### (۵) بیاض مرزا جان طپش

مرزا جان طپش جو کہ فورٹ ولیم کالج کے ارباب قلم میں سے ہیں ان کی ایک بیاض کا مخطوطہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ذاتی لائبریری میں موجود تھا اس مضمون میں اسی بیاض کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

## (۶) بیاضِ میم

اس بیاض کا مخطوطہ جامعہ سندھ کے مخطوطات کے مشرقی سیکشن میں موجود ہے۔ (۱)

تحقیقی مقالے میں اسی بیاض کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

## (۷) غالب کی لسانی تصریحات

## (۸) مختصاتِ نثر غالب :

درج بالا دونوں مضامین میں بالترتیب غالب کی لسانی تصریحات اور مختصاتِ غالب کی

مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

## (۹) دو آہنگ

اس مقالے میں غالب کے ایک شاگرد منشی محمد حسن محمود نثوری کے مجموعہ کلام

”دو آہنگ“ کا تعارف پیش کیا ہے جس میں محمود نثوری نے غالب کی پیروی میں جو غزلیں کہیں

انھیں مرتب کیا ہے۔

## (۱۰) یا صاحب الجمال ویا سید البشر

یا صاحب الجمال و یا سید البشر  
من و جہک المنیر لقد نور القمر  
لا تمکن العناء کما کان حقہ  
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس نعتیہ قطعے کو مختلف ادوار میں مختلف شعراء سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن یہ معاملہ

اب تک تحقیق طلب ہے کہ اس کا تخلیق کار کون ہے۔ اس مقالے میں یہی اشعار اور ان کا ناظم ڈاکٹر

صاحب کا موضوع ہے۔

## (۱۱) غزۃ الکمال کے دو قلمی نسخے

اس عنوان کے تحت امیر خسرو کے تیسرے دیوان کے دو خطی نسخوں کا تعارف پیش کیا

گیا ہے جن میں سے ایک نسخہ نیشنل میوزیم کراچی اور دوسرے سندھی ادبی بورڈ کا ہے۔

## (۱۲) کلیات شائق

انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود میر غلام حسین شائق لکن فتح علی الرضوی الجالیسی کے ایک سو تیرہ اوراق پر مشتمل فارسی دیوان موسومہ کلیات شائق کا تعارف اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔

تراجم:

کسی زبان کے ادب کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ عمل ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مترجم دونوں زبانوں کے مزاج گہرائی اور گیرائی سے اچھی طرح واقف ہو اور متبادل الفاظ کا ایک بواذخیرہ اس کے پاس موجود ہو۔ اس صورت میں ہی ایک زبان کا ادب دوسری زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ لفظوں کے انتخاب میں معمولی سی کوتاہی بھی عبارت کے مفہوم کو بدل دیتی ہے۔ بات جہاں منظوم ترجمے کی ہو وہاں یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے، کیوں کہ کسی بھی شاعر کے شعر کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اس کے خیال اور احساس کا ترجمان ہوتا ہے۔ اگر ترجمہ کرتے وقت اس خیال اور اس احساس کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو شعر اپنی معنوی سطح سے گر سکتا ہے۔ لہذا ترجمہ کرتے وقت شعر کی اصل روح تک پہنچنے والا مترجم ہی کسی شعر کے ترجمے کا حق ادا کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام بیادی طور پر ایک محقق ہونے کے ناطے شعر کی معنویت اور اصل روح تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اپنی اسی صلاحیت کی بنا پر انہوں نے کئی نامور سندھی شعر کا کلام اردو میں منظوم و مہجور ترجمہ کیا ہے۔ جس طرح وہ سندھی زبان کے مزاج اور گہرائی سے بہ خوبی واقف ہیں بالکل اسی طرح انہیں فارسی اور انگریزی زبان سے مکمل واقفیت اور پوری دسترس حاصل ہے۔ اس کا ثبوت ان کے وہ تراجم ہیں جو انہوں نے انگریزی اور فارسی سے کیے۔ ذیل میں ان کے سندھی، فارسی اور انگریزی سے کیے گئے تراجم کا ذکر ہے۔

(۱) محسنِ انسانیت

یہ لیڈی ایلسا قاضی کی طویل انگریزی نعتیہ نظم کا ترجمہ ہے جو ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہوا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر نجم الاسلام ”دو آہنگ“ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:

”اس منظوم ترجمے کی ترغیب استاذی و مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے دلائی تھی۔“

## (۲) ایاتِ سندھی خواجہ محمد زماں

”محسنِ انسانیت“ کی طرح ”ایاتِ سندھی“ بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ترغیب کا نتیجہ ہے۔ یہ خواجہ محمد زماں کی ایاتِ سندھی کا منظوم اردو ترجمہ ہے جو ۱۹۸۰ء میں پروفیسر پیر سعید حسن نے کراچی سے شائع کیا۔

## (۳) ایاتِ شاہِ کریم

ایاتِ شاہِ کریم سندھ کے قدیم سندھی شاعر شاہ کریم بلوچی والے لور ان کے پیر قاضی قاضی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ جو اکتوبر ۱۹۸۷ء کو انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی جام شورو کی جانب سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کی سندھی سے واقفیت کے بارے میں مہتاب اکبر راشدی ”ایاتِ شاہِ کریم“ کے ”حرفِ ناشر“ میں لکھتی ہیں:

”اس کتاب کے مترجم لور مرتب محترم ڈاکٹر نجم الاسلام نہ صرف اردو کے بڑے نقاد ہیں بلکہ سندھ یونیورسٹی میں سالہا سال پڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کو سندھ کی ثقافت کا گہرا فکری تجربہ ہے وہ اس فکری صورتِ حال کی اصل روح یعنی صوفیائے کرام کے متعلق گہری شناسائی رکھتے ہیں لور سندھی زبان کے تخلیقی مزاج کو اردو میں نقل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔“

## (۴) فکرِ لطیف

جناب اے۔ کے بروہی کے صدارتی خطاب کا اردو ترجمہ جو انھوں نے ۱۹۷۹ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ”پاکستان فلا سیمینل کانگریس“ کے شاہِ لطیف سیشن میں انگریزی میں کیا۔ یہ ترجمہ ”انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی“ جام شورو کی جانب سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

## (۵) دو آہنگ

منتخب فارسی اشعار کا یہ منظوم اردو ترجمہ ۱۹۸۹ء میں ”لوارہ اردو“ حیدرآباد کی جانب سے شائع ہوا۔ اس کا حصہ دوم زبدِ طبع ہے۔ اس مجموعے کا یہ نام ”قالب“ کے ایک شاگرد محمد حسین محمود کے مجموعہ کلام ”دو آہنگ“ سے مستعار ہے۔



## فارسی مقالات کے تراجم :

- (۱) ”سر العالمین کاغزالی سے انتساب“ از علی رضا ذکاوتی فراگز لو (”تحقیق“ ۹۷-۱۹۹۶ء)
- (۲) ”رسالہ نوریہ کس کی تصنیف ہے“ از جمال الیاس (”تحقیق“ ۹۷-۱۹۹۶ء)
- (۳) ”کتاب السعادة والاسعاد“ از نصر اللہ حکمت (”تحقیق“ ۹۷-۱۹۹۶ء)
- (۴) ”خیام کی اصیل رباعیاں“ از سید علی میر افضلی (”تحقیق“ ۹۷-۱۹۹۶ء)

درج بالا چار فارسی مقالات کے تراجم کے علاوہ تمام متذکرہ کام کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ اب ذیل میں ڈاکٹر نجم الاسلام کے اس کام کا ذکر ہے جو ابھی کتابی صورت میں شائع ہونا باقی ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام جن مخطوطات کی تحقیق و تدوین کے بعد کتابی صورت میں پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے اکثر مخطوطات کا تعارف اپنے تحقیقی مقالات میں پیش کر چکے ہیں۔

- (۱) ”روضۃ الانوار“ (تحقیق و تدوین)
- (۲) ”قصہ احوال روہیلہ“ (تحقیق و تدوین)
- (۳) ”کلیات مرزا جان طپش“ (تحقیق و تدوین)
- (۴) ”تفسیر مرادیہ“ (تحقیق و تدوین)
- (۵) ”انتخاب خریطہ جواہر با ترجمہ منظوم“
- (۶) ”مزید مطالعات“
- (۷) ”Descriptive Catalogue of the Manurcripts of Sindh Adabi Board“

سندھی ادبی بورڈ کے مخطوطے کی یہ وضاحتی فہرست ڈاکٹر نجم الاسلام نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی زیر نگرانی تین سال کی محنت اور کاوش کے بعد تیار کی۔

## جام شورو کے مخطوطات :

جام شورو کے مخطوطات کا تعارف ڈاکٹر نجم الاسلام نے رسالہ ”تحقیق“ میں قسط وار پیش کرنا شروع کیا اور اب تک اس سلسلے کی پانچ اقساط شائع ہوئیں جن میں جام شورو کی لائبریریوں اور سندھی ادبی بورڈ میں موجود مخطوطات کا تعارف پیش کر دیا گیا ہے۔ اب یہ کام کتابی صورت میں شائع ہونا ہے۔

## مطبوعہ تحقیقی مقالات

ڈاکٹر نجم الاسلام کے تحقیقی مقالات مختلف اوقات میں مختلف ادبی و تحقیقی رسائل و غیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں ذیل میں ڈاکٹر صاحب کے مطبوعہ تحقیقی مقالات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۰۵ ش، ۱۹۶۶ء	نقوش، لاہور،	۱۔ تین نثری نولور
۱۰۵ ش، ۱۹۶۶ء	نقوش، لاہور،	۲۔ دو آہنگ
۱۰۸ ش، ۱۹۶۷ء	نقوش، لاہور،	۳۔ بیاض مرزا جان پٹش
۱۱۱ ش، ۱۹۶۹ء	نقوش، لاہور،	۴۔ غالب کی لسانی تصریحات
۱۱۸ ش، ۱۹۷۳ء	نقوش، لاہور،	۵۔ فضلی کی کربل کتھا
۱۲۱ ش، ۱۹۷۷ء	نقوش، لاہور،	۶۔ رسالہ معارف لور اقبال
۱۲۳ ش، ۱۹۷۷ء	نقوش، لاہور،	۷۔ رسالہ معارف لور اقبال (۲)
	نقوش، لاہور، (زیر طبع اقبال نمبر)	۸۔ اقبال کا ایک مکتوب اور اس کا ماخذ
۳۳ ش، ۱۹۶۸ء	صحیفہ، لاہور،	۹۔ گربہ نامہ
۳۶ ش، ۱۹۶۹ء	صحیفہ، لاہور،	۱۰۔ محضات نثر غالب
۵۵ ش، ۱۹۷۱ء	صحیفہ، لاہور،	۱۱۔ گربہ نامے کا مصنف
۱۹۸۲ء	لور نیٹل کالج میگزین، لاہور	۱۲۔ بیاض صاحب الجمال
۱۹۸۱ء	”مجلد تحقیق“، پنجاب یونیورسٹی لاہور،	۱۳۔ غرہ الکمال کے دو قلمی نسخے
۱۹۶۱ء	صریر خامہ، سندھ یونیورسٹی،	۱۴۔ اردو ادب پر درگان دین کے اثرات
قصیدہ نمبر، ۱۹۶۹ء	صریر خامہ، سندھ یونیورسٹی	۱۵۔ دکنی میں مدیہ شاعری
قصیدہ نمبر، ۱۹۶۹ء	صریر خامہ، سندھ یونیورسٹی	۱۶۔ بھوپال کے قصیدہ گو شاعر
نعت نمبر، ۱۹۷۸ء	صریر خامہ، سندھ یونیورسٹی	۱۷۔ اردو نعت کے مطالعے
قصیدہ نمبر، ۱۹۷۷ء	صریر خامہ، سندھ یونیورسٹی	۱۸۔ اقبال مستشرقین کی نظر میں
۱۹۷۷ء	صریر خامہ، سندھ یونیورسٹی (پرکھ)	۱۹۔ اقبالیات لور سندھ یونیورسٹی
۱۹۷۶ء	مجلد، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی	۲۰۔ قومی تشخص لور قائد اعظم
۱۹۷۷ء	مجلد، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی	۲۱۔ معارف لور اقبال
۱۹۸۳ء	پشاور یونیورسٹی جنرل ”خیابان“	۲۲۔ مذہب لور ادب

۱۹۷۹ء	نئی قدریں، حیدر آباد، سندھ	نواب شمس الدین خاں اور ولیم فرزر
۱۹۷۱ء	چراغِ راہ، (خصوصی نمبر)	اردو شاعری میں ایک آواز
		اسلامی ریاست کا تصور
۱۹۷۳ء	نئی قدریں، حیدر آباد، (خصوصی نمبر)	اردو ادب پر اسلامی تحریکات کے اثرات
۱۹۸۱ء	اردو کا لہجہ کراچی	قومی ذخیرہ: خلافتی نظموں کا ایک مجموعہ، برگ گل، اردو کالج کراچی
۱۹۸۳ء	نئی قدریں، حیدر آباد	ہمارے لورے تحقیق
۱۹۸۳ء	نئی قدریں، حیدر آباد	اردو زبان اور روزمرہ
۱۹۸۳ء	نئی قدریں، حیدر آباد	پاکستانی ادب کے تقاضے
۱۹۸۳ء	نئی قدریں، حیدر آباد	آرمی اور اقبال
۱۹۸۳ء	نئی قدریں، حیدر آباد	ادب میں اسلامی اقدار
۱۹۸۷ء ش ۱	مجلد تحقیق، شبہ اردو، جامعہ سندھ	ہمارا قدیم طرزِ تحقیق
۱۹۸۷ء ش ۱	مجلد تحقیق، شبہ اردو، جامعہ سندھ	رسمیات و تقالید نگاری
۱۹۸۶ء	نقوش لاہور	فورٹ ولیم کالج
ش ۱	رسالہ، حیدر آباد	اقبال ایک شاعر: ایک مطالعہ
	تحقیق	سید حسن غزنوی پر مقالے کا جائزہ
۱۹۸۸ء	تحقیق	بیاض مقیم
۱۹۸۹ء	تحقیق	قدیم اردو کے چند نولور
۱۹۸۹ء	تحقیق	کلیات شائق
۱۹۹۰ء	تحقیق	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی چند اہم تصانیف
۱۹۹۰ء	تحقیق	مہندس کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی
۱۹۹۱ء	تحقیق	بیاض دولت رائے سندھی
۱۹۹۲ء	تحقیق	مکتوبات بہراج
۱۹۹۳ء	تحقیق	شاہ عالم بانی کی ستر
۱۹۹۳-۹۵ء	تحقیق	دیوان غمگین
۱۹۹۶-۹۷ء	تحقیق	دو موضح قرآن

۱۹۹۶-۹۷ء	تحقیق	ایک مکتوب اور اس کا مآخذ
۱۹۹۶-۹۷ء	تحقیق	ہنگامین کے تعاقب میں
۱۹۹۶-۹۷ء	تحقیق	پشاور کے مخطوطات سے متعلق
۱۹۹۶-۹۷ء	تحقیق	ایوداشتیں منسوبات کچھ تحقیق منسوبات بدے میں

### کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت

ڈاکٹر نجم الاسلام نے کئی قومی، بین الاقوامی اور شعبہ جاتی کانفرنسوں اور سیمیناروں وغیرہ شرکت کی اور انہیں وہاں اپنے کانفرنس پیپر پڑھنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا مثلاً:

آل انڈیا لوی سپوزیم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۱۹۵۳ء میں شرکت کی اور اپنا کانفرنس "توبہ عقیدہ کا تعمیری نظریہ" پڑھا۔

۱۹۷۵ء میں کراچی میں Sindh through centuries پر ہونے والے بین الاقوامی سیمینار میں اپنا کانفرنس پیپر پڑھا جو ۱۹۷۸ء میں ایک مقامی لوی رسالے میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا "صورت بید کی راگ مالا"۔

پانچویں آل پاکستان رائٹرز کانفرنس ۱۹۸۵ء میں اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ اس میں اپنا "پاکستانی توبہ کا ماضی حال اور مستقبل" پڑھا یہ مقالہ ۱۹۸۶ء میں "پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز" ہلام آباد نے شائع کیا۔

لسانیات پر شعبہ جاتی سیمینار میں مقالہ "لہرو لسانیات کا سرمایہ" پڑھا۔ (سندھ یونیورسٹی) پشاور یونیورسٹی کے شعبہ جاتی سیمینار کے لیے ۱۹۸۳ء میں اپنا مقالہ "شیرانی" پڑھا، شرکت کی تصدیق آئی۔

۱۹۸۲ء میں ظفر علی خاں پر ایک مقامی سیمینار میں مقالہ "ظفر علی خاں کی وضع کردہ اصطلاحات" پڑھا۔

Iqbal Colloquium Karachi میں "اقبال اور خوشحال" پڑھا۔

میرپورخاص میں منعقدہ سیمینار میں "اقبال لہر کی سرگرمیاں" پڑھا۔

Felicitation Conference انجمن کراچی میں "آہ کہ من و انم" پڑھا۔ ۱۹۸۹ء

انجمن کراچی میں "بلاے اردو" ۱۹۹۰ء میں پڑھا۔

سیمینار "پاکستان نیشنل اکیڈمی" منعقدہ کراچی ۱۹۹۵ء میں "خیر کثیر" کے عنوان سے

پہر پڑھا، اس میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے اوصاف جمیلہ پر اظہار خیال ہے۔

طویل مقالات اور کانفرنس پہر ز کے علاوہ ڈاکٹر نجم الاسلام نے شعبہ اردو جامعہ سندھ

"مجلس تحقیق و مذاکرہ" کے زیر اہتمام ہونے والے مباحثوں میں بھی مختصر پہر ز پڑھے جن

تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) "اردو زبان و ادب کی تاریخیں"۔

(۲) "سحر البیان کا ایک نادر قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۹ھ"۔

(۳) "مہندس کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی"۔

(۴) "بیاض دولت رائے سندھی"۔

(۵) "ارشاد نامہ مولوی مخصوص اللہ نیر شاہ ولی اللہ"۔

(۶) "بیاض عاجز"۔

(۷) "لب التوارخ و کاستا"۔

(۸) "کریم الدین پانی پتی کی شرح و انتخاب کلام سودا"۔

(۹) "رسالہ تقیید کلام شہید"۔

اعزازات :

ڈاکٹر نجم الاسلام نے اردو ادب کی ترقی و ترقی میں جو کردار ادا کیا ہے اور تحقیق و تنقید کے

میدان میں جو خدمات اور کارنامے انجام دیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی انہی تحقیقی خدمات کے

صلے میں انہیں "نقوش ایوارڈ ۱۹۸۶ء" دیا گیا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام کے لیے ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ ان کے استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ

خاں نے ۱۹۹۲ء میں گابا ستر کراچی کی جانب سے شائع ہونے والے اپنے تحقیقی مقالات کے مجموعہ

"سراج البیان" کا انتساب ان کے نام کیا۔

خدمات :

۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۳ء تک جنرل لاہوری سکمر کے جنرل سیکریٹری رہے۔ اس دوران  
ادارے کو نئے سرے سے منظم کیا۔

۱۹۸۱ء میں وفاقی وزارتِ تعلیم اسلام آباد کی جانب سے ”نیشنل اقبال ایوارڈ کمیٹی کے ممبر

ب ہوئے۔ اور تاحال اس کمیٹی کے ممبر ہیں۔

ڈاکٹر نجم الاسلام کی زیر نگرانی سات اسکالرز نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تحقیقی مقالات لکھے۔  
ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی اور تین صاحبان نے ایم۔ فل کی سند کے حصول کے لیے ڈاکٹر نجم  
اسلام کی زیر نگرانی تحقیقی مقالات لکھے۔









## ڈاکٹر نجم الاسلام کے خطوط — کچھ معروضات

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم (یکم جولائی ۱۹۳۳ء - ۱۳ فروری ۲۰۰۱ء) کے، اب تک دو سو سے زائد خطوط بازیافت کر چکا ہوں۔ اس سلسلے میں خطوط بھی لکھے، ٹیلی فون اور ای میل کا ذریعہ بھی استعمال کیا اور بعض فضلاء کرام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ موقع بہ موقع یاد دہانی کے خطوط بھی لکھے تاہم سوائے چند ایک کے تمام حضرات نے بھرپور تعاون فرمایا۔ مکتوبات کی تلاش و ترسیل کے لیے محترم مکتوب الہم اور بعض ورتاء کا تذکرہ دل سے ممنون ہوں۔ ان شاء اللہ مناسب حواشی، ضروری تصریحات اور مکتوب نگاران کے مختصر سوانحی کوائف کے ساتھ، یہ خطوط مناسب موقع پر کتابی شکل میں شائع کیے جائیں گے۔

مکتوبات کے اس وسیع ذخیرے سے چند خطوط بہ طور انتخاب پیش کیے جاتے ہیں۔ قبلہ، ۲۹ ماہی انشاء (شمارہ ۲۹، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، مشتمل بر ”گوشہ ڈاکٹر نجم الاسلام“ کی خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے پانچ عدد خطوط بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پیش کیے جا چکے ہیں۔ یہ چند خطوط ۱۹۸۵ء تا ۲۰۰۰ء کی زمانی مدت پر محیط ہیں ان کی نوعیت ذاتی کم، علمی و ادبی زیادہ ہے۔ رسالہ تحقیق کے اجراء (۱۹۸۷ء) کے بعد ادارتی رنگ غالب نظر آتا ہے۔

خطوط ذات کا پردہ کشائی کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ شخص بہ ظاہر و باطن کے موازنے میں ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں انسان بہ نسبت دیگر تجربوں کے قدرے بے تکلف، آزاد اور شوخ نظر آتا ہے، تاہم خطوط میں رویے اور رجحان کا انحصار موقع و محل، مراتب اور مکتوب نگار کے اپنے مزاج پر ہوتا ہے۔

جب سے خطوط کی اشاعت عمل میں آنے لگی ہے تب سے بعض بڑی شخصیات نے اس ذیل میں خاص احتیاط اختیار کر لی ہے چنانچہ اس جبری احتیاط کے نتیجے میں خطوط کا حسن ماند پڑ گیا۔

من فطری جذبات و احساسات اور ذاتی نوعیت کی باتوں کا آزادانہ اظہار خطوط میں کیا جاتا تھا، ان پر نقات کے پردے پڑ گئے اور یوں خطوط کے ذریعے شخصیات کی نفسیات اور ان کے مزاج کا کھوج لگانا اتنا مشکل ہو گیا۔ یوں کہیے کہ ظاہر باطن سے جدا ہو گیا۔ آمد کا لطف جاتا رہا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے خطوط میں اس نوع کی بے تکلفی، آزادی اور شوخی قطعی میں پائی جاتی جس کی عام طور پر توقع کی جاتی ہے۔ وہ ایک سنجیدہ، متین اور پر تکلف شخص تھے۔ ان کے جن لوگوں سے مراسم و تعلقات تھے وہ بھی انھی کے ہم مزاج تھے۔ انہوں نے کسی سطح پر بھی ندگی کے ذاتی پہلو کو کبھی نمایاں نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ نام پر کام کو فوقیت دی یہی وجہ ہے کہ ان کے خطوط میں بھی یہ پہلو اتنا واضح اور نمایاں نہیں ہے تاہم وہ ”زابد خشک“ بھی نہیں تھے۔ اپنی زندگی اصولوں کے مطابق گزارنے کے عادی تھے۔ موقع کی مناسبت سے اپنے رویے کا اظہار کرتے تھے۔

ان کی زندگی کا بڑا حصہ بہ طور محقق اور مدبر گزرا ہے۔ یہ دونوں حیثیتیں ان کے مزاج کے من مطابق تھیں۔ خطوط میں پائی جانے والی عالمانہ سنجیدگی اور سادگی کچھ ان کے مزاج اور کچھ ادارتی سے واریوں کا تقاضا تھی۔ ان میں بناوٹ کا نہیں احتیاط کا عنصر غالب ہے۔ جب ہم خطوط کو مجموعی طور پر دیکھتے ہیں تو وہ ان کی شخصیت کا پر تو نظر آتے ہیں۔

پاکیزہ تحریر، فقرے و جملے ساخت و معنی کے اعتبار سے کسے اور جڑے ہوئے، سلام و آداب سے ابتداء، دعائیہ کلمات پر اختتام، مختصر اور جامع کلام۔ غیر ضروری بات، طوالت اور مبالغے سے قطعی پاک۔ مناسب القاب و آداب سے مزین۔ کم عمر و کم مرتبہ شخص سے بھی نہایت ادب سے مخاطب ہوتے ہیں۔ معمولی کوتاہی پر بھی بہت زیادہ عذر کا اظہار کرتے ہیں۔ مناسب موقع اور مقام پر برکت اور چست اور معنی خیز فقرہ لکھے بنا بھی نہیں رہتے۔ تضحیک و دل آزاری ان کے خلاف مزاج تھی۔ کذب و افتراء اور جھوٹی تسلیوں اور تشفیوں سے بھی ان کے خطوط پاک ہیں۔

زبان و ادب کے مسائل بالخصوص تحقیق ان کا موضوع رہا ہے۔ رسالہ تحقیق کے اجراء کے بعد ہمیشہ تر خطوط میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ اس سے ان کے شوق و انہماک، غیر معمولی دلچسپی اور احساس ذمہ داری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خلوص اور جرأت اظہار بھی ان کے خطوط کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

”گوشہ مکتوبات“ میں دوسرے حصے کے طور پر، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نام فضائل کرام کے دست یاب خطوط میں سے چند بہ طور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

Dated... 4. 10. 1998...

جناب ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب

۱- تازہ کتاب "لنا اعمالنا" کا ایک نسخہ تحفہ "ملا" کے ادا کرتا ہوں۔ کتاب نہایت پرکشش تحریروں سے مزین ہے اور نہایت پیشکش کے ساتھ ہے۔

۲- دیوان رودکی کی تلاش میں کل جام شورو "تباہا" دیکھے، نہیں ملا۔ بسرا ذخیرہ حسام الدین راستی کا سندھالوہی وہ دیکھنا باقی ہے۔ کسی دن پھر جام شورو جاؤں گا۔

۳- قبلاً (سال سدا سال) مجھے بھی اس کی ضرورت تھی، نہیں مل سکی۔ اس دیوان کے دو ایڈیشن (مطبوعہ) فہرستوں میں مذکور ہوئے ہیں۔ اس میں قطران برزلی کا کلام / دیوان علی شامل ہو گیا۔ دوسرا سعید نفیسی کی تصحیح کے ساتھ چھپا ہے، یہی نسخہ ہے۔ اور مطلوب ہے۔

مناز مند:

یحیٰی الدین

۱۔ سالہ کفینق میں منبر بابت کی کفینق کے تحت، "فہرستوں میں مذکور اس کا ایک نسخہ" اور "Pseudo-Rudaki + Rudaki" اور سعید نفیسی کا مقالہ فارسی "دیوان محمول رودکی" اردو میں منتقل کر کے شامل کرنا چاہتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے دیوان رودکی دیکھنا چاہتا تھا۔

*Dr. Najmul Islam*  
Professor of Urdu

C-27, Block-C, Unit No. 6  
Lalabad, Hyderabad Sindh, Pakistan.  
Ph: 893102

Dated... 3/3/2000...

جناب ڈاکٹر صاحب !

سلام و آداب

کل 2/3/2000 کی ڈرک سے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا حیران معارف ملا،  
اس میں دو نکتہ بابت (۲۳ فروری، اور ۲۷ فروری) آپ کے نام کے ہیں، پیش کیے  
جاتے ہیں۔

دو نکتہ بابت (۱۸ فروری، اور ۲۳ فروری) میرے نام کے بھی ہیں۔ لہذا  
اطلاع ان کی عکسی نقل بھی ملفوف ہے۔

سازگار

محکم السلام

خدمت گرامی :  
جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب، اولاد کمپلیکس، حیدرآباد۔

بہ نام ڈاکٹر نذیر احمد

جامعة سندھ

# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Allama I. I. Kazi Campus,  
Jamshoro (76080) 'Sindh' Pakistan.  
Tel. Add: "UNISINDH"



Editor

Dr. Najmul Islam

راستہ کے لیے :-  
سی ۲۷، بلاک سی، رینڈ ٹنر ۶،  
عطیف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰) پاکستان

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated 16.3.1997

حرم ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب  
یہاں آپ کے سات اہمقاہت (۵ فریڈی، ۲ دیکم) کے پروف  
ڈاکٹر سے روانہ کر چکا ہوں، اور اسی روز جداگانہ ایک خط بھی، ہوا  
پھر آپ کا مکتوب گرامی مورخہ ۱۴ مارچ مع مطلع دعائے "مینا بازا" کے  
رجسٹری ڈاک سے موصول ہوا۔ ممنون ہوں۔ آپ اسے علمی کاموں میں کس قدر متوجہ  
ہیں، رشک آتا ہے، اور دلچسپی ساختہ، درازی عمر اور فحمت و عاقبت کے لیے دعا کرتی ہے۔  
"مینا بازا" نسبت اقا نقار سے، خیال ہے کہ اس کی تحقیق نیشنل کی جگہ  
خدا کرے کہ اس سال سنہ ۱۴۱۸ کے لیے ویزا مل جائے۔  
قاضی عبدالودود یادگار نے تمہیں لے کر، مسنون پیش کروں گا، ان شاء اللہ۔  
آپ کی طرف سے دعاؤں کی درخواست کی تھی، ان کا رتہ آتا ہے، وہ کھینچے ہیں،  
خدا نکھیں تو حرم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کو میرا نود بازا سلام مسنون  
عرض کر دیں اور یہ بھی کہ بلا تاخیر تمہارے وقت آپ کے لیے  
اور ڈاکٹر نقار الدین صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میرے لیے  
سعادت ہے۔

حرم ڈاکٹر نقار الدین احمد صاحب! اپنے وطن سے واپس تشریف لے چکے ہوں گے،  
یہ اسلم بیچارے مجھے مسنون فرمائیں۔

نیاز خدیجہ ختم الام سلم

خدمت فاضل گرامی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، علی گڑھ۔

جامعة سندھ



# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of U

Editor

Prof. Najmul Islam

Allama I. I. Kazi  
Jamshoro (76080) 'S

Tel. Add: "UNI"

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated 26. 3.

۲۷ مئی، بلاک سی یونٹ نمبر ۶، لطف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)

مترم ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب  
آپ کی طرف سے دو کتابوں، تین رطوبہ مقالوں کا سیکٹ کل ۲۵ تاریخ کو  
ملا۔ شکریہ۔ گو کہ کسی قدر تاخیر سے ملا، اور اب ان مقالات کی تکمیل  
کرنی پر لگی یا لغاری یادداشتوں سے کام چلانا پڑا۔  
سالہ طباعت کے لیے دیا جا چکا ہے اور نصف کے بعد چھپ بھی جائے گا تاہم  
آخری حصے میں اب کچھ ترمیمیں نکال لی جائے گی۔  
کمال احمد صدیقی کی کتاب "غالب کی شخصیات" میں بھی ایک مقالہ  
ایسا نکلا جس کا ضرورت تھی۔ کتاب "زینتِ زمان گو یا جلد دوم" شامل ہوئے ہیں۔  
سان السراء کس مرحلے میں ہے؟  
ایک آف پرنٹ برز مترم ڈاکٹر صاحب! اللہ صواب کی امداد سے  
جس میں جمالی دہلوی اور جمال اردستانی سے متعلق آپ کے دو مقالوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے  
شکریہ ادا کرتا ہوں اور سلام پیش کرتا ہوں۔ پہنچا کر ہمنون کیجئے۔ مصباح اللارواح کا شمار  
آپ کا مقالہ "کیا مصباح اللارواح کا مصنف جمالی دہلوی تھا؟" کے عنوان سے ہم پہلی ہی  
شامل کر چکے ہیں۔

مبارکباد

بیم الاسلام

خدمت فاضل گرامی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، علی گڑھ۔

بہ نام ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ

جناب ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب  
 تحقیق شماره ۴ (نہایتی شماره) کا ایک نسخہ شیخ کی طرف سے  
 آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ملتمس ہوں کہ از راہ کرم اظہارِ رائے  
 سے سرفراز فرمائیں اور مشوروں سے نوازیں۔

اسی کے ساتھ، اپنی دو کتابیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ قبول فرما کر  
 عزت افزائی فرمائیں۔ شکریہ۔

نیاز مند  
 حکم الاسلام

24.7.1991

بخدمت فاضل گرامی ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ  
 اولڈ کیمپس، حیدرآباد۔

جامعة سندھ



# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Editor

Prof. Najmul Islam

Allama I.I. Kazi C  
Jamshoro (76000) \*Sindh  
Tel. Add: "UNISLI"

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated ۹.۱۲

جناب ڈاکٹر صاحب محترم!  
للم و آداب  
رسالہ 'کفتون' (نمبر ۱۲-۱۳) میں شائع شدہ آپ کے  
دو مقالات کے آف پرنٹ پيش کرنا ہوں۔  
مزید یہ کہ "مخطوطات ذخرہ ذکر" بلوچ ترقیہ ڈاکٹر  
خضر نوشاہی کے بھی باج آف پرنٹ بھیجے جاتے ہیں  
(بقیہ رتبہ کو بھیجوانے حاشا کے)  
آئندہ شمارت میں اشاعت کے لیے کون سا مقالہ  
عنايت فرمانے کی مؤدبانہ درخواست ہے۔

سازندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدمت فائنل گرامی ڈاکرونی بخش خان بلوچ رٹر  
اولڈ ایبمس حیدر آباد -



پہ نام ڈاکٹر فرمان فتح پوری

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No. 6,  
Lafabad, Hyderabad. Sin  
Ph: 663102

Dated 18.9.1994

مزم ڈاکٹر فرمان صاحب! سلام و ادب

آپ کے طرف سے اظہارِ رفاہندی کے بعد، ڈاکٹر عطا خورشید کا مقالہ بعنوان  
"اردو میں فنی فنون" ماہرانہ رائے کے اظہار کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ مختصر رائے بھی  
کفایت کرے گی، لیکن ہم مزید مضمون کے اگر کوئی اضافی یادداشت آپ اس پر  
لاگو کر بھیج سکیں۔ یہ مستقل عنوان "اضافات" کے تحت جہاں گانہ طور سے  
شامل اشاعت ہو سکتا ہے۔ اس خط کے ساتھ، ایک خصوصی نمبر کا خاکہ بھی منسلک ہے۔ یہ شمارہ ہم  
برائے ۱۹۹۵ء ہوگا۔ تحقیق منویات کے موضوع پر لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔  
شمارہ ہجرت ۱۹۹۴ء زیر ترقیب ہے۔ اس کے لیے کچھ عنایت  
بھیجیے، اگر تیار ہو۔

بناؤمند:

عجم الاسلام  
(مدیر تحقیق)

بخدمت فاضل گرامی ڈاکٹر فرمان صاحب فتح پوری، کراچی

پس نوٹ • مرسلہ مضمون میں تسامحات کی نشان دہی سرخ روشنائی سے فرمادیں، اگر  
کچھ ہوں۔

• مضمون واپس کیا جانا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک لغاف منسلک ہے۔  
• ازراہ کرم اظہارِ رائے سے جلد سرفراز فرمائیں۔ شکریہ

۹

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No. 6,  
Lalitad, Hyderabad, Sindh, P  
Ph: 82102-863102

Dated ۱۹۹۵ء  
۲۵/۳/۹۵

محترم ڈاکر صاحب

سلام و آداب

ممنون ہوں کہ اسے ڈاکر ذوالعزیز الفارسی کے مقالے  
(سنہی الیرار محبت اور محبت خان محبت) کو نہایت دقت نظر  
کے دیکھا۔ آپ کے ماہرانہ رائے میرے پاس محفوظ ہے  
اور اسکے مطالب کے مقالہ نگار کو مطلع کر کے نظر ثانی  
کے لیے کہا گیا ہے۔ اس مقالے کی نقل اگر آپ کے پاس  
رہ گئی ہو، ازراہ کرم حاصل بننا محمد عقیل صاحب کو دے دیں  
میرے پاس نہیں ہے (مل نہیں رہی ہے)۔ شکریہ۔

نیاز مند  
محمد الدار السلام

خدمت فاضل گراہی ڈاکر فرمان فتحپوری صاحب  
سیکرٹری ادو لغت لورڈی قلمشہاد گراہی

بہ نام جناب خلیل الرحمن داؤدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## University of Sindh



Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Allama I. I. Kazi Campus,  
Jamshoro (76000) 'Sindh' Pakistan.  
Tel. Add: "UNISINDH"

Editor

Prof. Najmaul Islam

Ref. No.

Dated

✓ ماسٹ کے لیے :  
۲۷ مئی، بلاک سی، یونیورسٹی  
طیف آباد، حیدرآباد سندھ  
(۷۸۰۰)

۱۹۹۸  
۶ ستمبر

محترم داؤدی صاحب! سلام و آداب و نیاز  
گرامی نام مورخہ ۲۰ اگست شرف صدور لایا،  
معلوم ہوا کہ رسالہ تحقیق کا رسالہ شماره (۱۱-۱۰)  
آپ کو مل گیا اور آپ نے لکھا تھا۔ کلمات خیر کے لیے  
تمہارے دل سے شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ اور متوقع ہوں کہ تفصیلی  
تقریر سے بھی نوازیں گے۔  
مطلوبہ سابقہ شمارے، جو بھی دستیاب ہیں،  
بیسری ڈاک سے بھیجے جائیں گے۔ موصول ہونے پر مطلوبہ  
قیمت منی آرڈر سے بھیجی جاسکتی ہے۔ شکر ہے۔  
امید ہے کہ آپ سے الحیر ہوں گے۔

نیاز مند :  
نجم الاسلام

بخدمت گرامی : جناب خلیل الرحمن صاحب داؤدی  
جناب خلیل الرحمن صاحب داؤدی، گلشن راوی، لاہور۔  
۲۷ - بی، مقدس پارک، گلشن راوی، لاہور۔

شمارے بھیجے گئے رقم موصول ہوگی بذریعہ سی آر ڈی

پہ نامہ ڈاکٹر وفاراشدی

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

Dept. of Urdu,  
University of Sindh, Jamshoro 76080.

Dated 14.9.94.

مذہبی ڈاکٹر وفاراشدی صاحب! السلام وادب  
گرای فاجر روز ۱۲ ستمبر موصول ہوا۔ شکریہ۔ یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ آپ اپنے علمی  
دن میں برابر منہمک ہیں۔ داسان دنائی نو فسطح، تیرے بزرگ ہرے ہرے "کا زہرا شامت جونا" دارالعلم وادب  
نام، ریسرچ لائبریری، دارالمطالعہ — یہ سب آپ ہمارے اور شوق وشفق کے آئینہ دہی کر رہے ہیں۔ خدا  
ت خدا اور تو انا اور سلامت باکرات رکھے۔

میران لغت کے چھپے زیادہ وقت ہو گیا۔ اب تو آپ پر ایک مضمون منظر اُترانے کا خیال ہمارے  
قیوں کے ذہن میں ہے جو یہاں سے براہ راست نکال رہے ہیں (اس کے نئے شمارے نکال چکے ہیں)۔ سید  
پرواقبال صاحب کل سے آئے ان کو آپ کا مکتوب میں نے دکھایا۔ اس موقع پر انہوں نے بتایا کہ ایک مضمون آپ کی  
خدمت پر سالہ الشاد میں چھپوانے کا خیال ہے اس میں میران لغت پر اہلکارانے عملیہ عمل کر لیں گے  
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ اعجاز صاحب کا ایک مکتوب لکھا ہے "براہ راست لکھو" یہاں سے انا ہر  
پاپے اس میں العلم میں چھپے ہوئے مضمون پر کچھ اضافے ہیں۔ اللہ اوقات اور سار حاصل ہونے پر درازہ  
خدمت گرامی میں اور حضور احمد سلیم صاحب کا خدمت میں آپ کا سلام پہنچایا جائے گا۔

رسالہ کفین کا شمارہ "ملکہ سمارے" ایجن کو برابر بھیجے جاتے ہیں۔ تازہ شمارہ "مدر  
ہی زبان کے نام بھیجا جا چکا ہے۔ اگر آپ تفصیلی معرہ بصورت مضمون (رولویو آرٹیکل) لکھ کر چھپوانے کے تو  
ہم آپ کے مضمون ہوں گے، "مدر فنی زبان کو شمارہ" مضمون پہنچایا ہوا ہے تو مطلع فرمادیں۔ پھر بھیجا جائے گا  
آپ کی طبیعت و سلامتی اور ہمتوں کی بلندی کی مخلصانہ دعاؤں اور ملک وملت  
کے ساتھ ہیں اور سب رفقاء شعبہ اسلام بشت کرتے ہیں۔ اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کی قائم کردہ  
ریسرچ لائبریری میں آج کے جمعہ کو کون کون سے ہیں۔

بنازند  
تم الام اسلام

اساتذہ میں تینوں کے مضمونات شمارہ "مجمعہ" میں لکھ کر بھیجیں۔

خدمت فاضل گرامی ڈاکٹر وفاراشدی صاحب

بی ایم، شاہ فیصل ٹاؤن، ملیر مالٹ، آراچی، یوٹیکوڈ ۷۵۱۰۰۔

پس نوشت: کفین کے مضمون شمارے، شمارہ پنجم اور شمارہ "مجمعہ" بذریعہ ڈاک ارسال کیے جائیں۔

# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Allama I. I. Kazi Campus,  
Jamshoro (76080) Pakistan.  
Tel. Add: "UNISINDH"

Editor

Najmul Islam

ہدایت کے لیے :-  
سی ۲۷، بلاک سی، لوڈنگ نمبر ۶،  
لطیف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)

Ref. No.

Dated 29.3, 1997

حرم و فاضلاب!

اسلام و آداب

داستان وفا کے چار نسخوں کا پبلیکیشن سول برا، اور مکتوب گرامی مورخہ ۲۸۰ مارچ کو آپ کا پبلیکیشن پہنچ گیا تھا۔ اپنے نام کا نسخہ رکھ کے، باقی نام اور دیگر حضرات کو بھیجا دینے گئے۔

کتاب نہایت دل چسب اور خدایت لوح ہے کہ اول تا آخر پڑھنے اور جلد تر مکمل کرنے پر قاری کو مجبور کرتی ہے۔ آپ کی داستان حیات کے کئی سیرتائیں اور سبق آموز ہیں۔ اللہ کا کرم بھی بیش ریش شامل حال رہا ہے۔

نفاذ فلسفی کی دلیل سے دامن بجا کر صاف نکل آئے اور پھر محنت، لگن اور علمی شغف کی بدولت ایک ممتاز اور پلندہ والا مقام پر پہنچے ہیں۔

بہ چہچہ کو لوں تو سب ہی جیسے جاتے ہیں مگر

یہ زندگی اسی کی ہے جو اس سے کام لے (فکر)

صحیح و عافیت کی دلی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ:

نیاز مند:

خیم الاسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :- دو بار نہ عرض کیا جاتا ہے کہ رسالہ 'تحقیق' میں قہرے کے لیے جو کتابیں منتخب کی جاتی ہیں اس نوعیت کی ہوتی ہیں تاکہ بتقدیر میں کسی بھی رنگ پر قرار دے۔ اس پالیسی کے تحت اس مقالہ تحقیق پر توجہ آجکا ہے۔ سب بزرگ اور داستان وفا پر توجہ کسی اور دیا جائے گا۔ آپ کو خیال نہ نہ تائیں کہ یہ مقالہ رسالہ 'تحقیق' کی پالیسی کا نتیجہ ہے۔

بڑے لیکن برا انسانہ نوعیت کی ہیں۔ فقط =

بہ نام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

DEPARTMENT OF URDU

Dated 15.3.198

محبی ڈاکٹر ہاشمی صاحب! سلام و آداب

آپ کے زور کے خط کی نقیب میں ترجمان بخوردی کی عکسی نقل بھیجی جا چکی ہے، اصلی ہوگی۔  
 کچھ دن تو ناشر سے رابطہ لے کر ملنے کی امید میں انتظار کیا، پھر فونو لوگالی کراچی۔ اس نسخے پر ریس کا  
 نام درج نہیں۔ ناشر نے درج کرایا ہی نہیں۔ آرا ایچ ایم کا ایک بڑا پبلشر ہے لیکن سندھی پر  
 کتابوں کا، اردو میں ابتدائی دور میں کچھ کتابیں چھاپی تھیں۔ اب اس کے پاس ترجمان بخوردی کا کوئی نسخہ نہیں  
 رہا۔

آپ نے رقم ویا تھا، جس پر رقمی مطالبہ کا مکتوب دیکھا، 12 جنوری 1989 (جو آپ کے نام تھا) تاریخ اردو  
 کے متعلق معلومات کے سلسلے میں عنایت کیا تھا۔ اس مہربانی کے لئے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ  
 بارے رفیق شعیب نے اسلام بیگ سے لے لیا تھا۔ وہ جب کبھی لاہور آئے تو سلسلے میں سربراہی معلومات  
 حاصل کرنے کے لئے آپ کی مدد چاہیں گے۔

آپ کا محفل  
 عم الدین

خدمتگراہی :  
 جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب  
 اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو  
 پنجاب یونیورسٹی اور سنٹل کالج لاہور

## University of Sindh

CHAIRMAN  
DEPARTMENT OF URDUJamshoro, Sindh, Paki  
Tel. No. "UNISIND"  
Phone QR: 71292/

Ref. No. ۱۹۹۱

Dated ۲۵ اپریل ۱۹۹۱

برادرم اسلام و آداب

مرسلہ مضمون (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ افغان کی اقبال شعاسی) مع مکتوبہ  
تاریخ ۱۸ اپریل ۱۹۹۱ وصول ہوا۔ شکریہ۔

آپ نے مضمون بھیج کر ڈاکٹر افتخار مہتاب سے کیا ہوا وغیرہ  
پورا کر دیا ہے مگر تاخیر کی وجہ سے تحقیق شماره لم میں شامل نہ ہو  
رسالہ پورا ہو چکا، چند روز میں پونٹ کر دیا جائے گا۔

مضمون اخطا شماره میں شامل ہو سکتا ہے۔

ایک کتاب راجم کی (مطالعات) چھپکر آئی ہے، وہ جس  
ڈاکٹر سے ارسال ہے۔ بلنے پر مطلع فرمائیں اور اپنی رائے سے بھی  
نیازیں۔ شکریہ۔

خدمت گراہی :  
ذباب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مہتاب، لاہور۔

نیازیں :  
مجموعہ الاسلام

تاریخ ۸ جون ۱۹۹۳ء

نمبر

۲۸/۷/۹۳

محبی ڈاکر صاحب اسلام آباد  
 ممنون ہوں کہ آپ نے یاد فرمایا۔ آپ کا نام ۲ مئی کا خط موصول ہوا،  
 جو خاصا کڑا مطالبہ ہے۔ فاران سے متعلق معلومات آئندہ خط میں پیش  
 کی جائیں گی۔ مختصر یہ کہ اشاریہ نگار نے سب شماروں کا احاطہ کیا ہے اسوائے  
 ۲۸ شماروں کے جو دستیاب نہ ہو سکے۔ اس کا کچھ حصہ ایک تقاضی رسالے

(اشارہ) پہلی قسط کے بطور بھیجا ہے، بھیجا جائے گا۔  
 ابھی اقبالیات کے تین سال کے دو نسخے موصول ہو گئے اور ان کے ساتھ کتابچہ  
 "علامہ اقبال: منتخب کتابیات" کے دو نسخے بھی۔ ایک ایک نسخہ ان کا استعجاب  
 لاہوری سے داخل کرادیا گیا ہے۔ اقبالیات پر آپ کی نابراہ دسترس میں  
 پیر فقار افاقہ قابل رشک ہے، ماشاء اللہ۔ دو سال پیش آپ نے اپنی کتاب  
 "اقبالی جائزے" عنایت فرمائی تھی۔ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے  
 اس کی رسید دی تھی۔ فریاد بھی۔

"اردو ناولوں کا مضموعاتی جائزہ" کے دو نسخے موصول ہو گئے۔ متعلق معلومات  
 آئندہ مہیا کی جائیں گی۔ مختصر اشارہ علا کا ایک نسخہ فاضل گرامی تعلیم صوبائی  
 صوبہ کی خدمت میں بھی بھیجا تھا تھا۔ مطلع فرماتے کہ کیا موصول ہو گیا۔ شکریہ۔ اور  
 عند اللغات پر اسلام بھی بہتا ہے۔ زید شکریہ۔

ایک کتاب (الکلام) اردو ڈاکٹر صاحب نے بھی بولی تھی اس سے اس سے پتہ چلا کہ  
 خدمت فاضل گرامی لاہور ڈاکٹر رفیع الدین نامی صاحب  
 استاد ممتاز اردو  
 اور نسل کاغذ، لاہور

یوں کی معلوماتیں اس کے لیے فراہم کی گئیں۔  
 C-27, Block - C, Unit No. 6, Hafizabad, H-8, Islamabad



## University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ"; Department of Urdu



Editor

Prof. Najmul Islam

Allama I.I. Kazi Co  
Jamshoro (76080) Sindh  
Tel. Add: "UNISIN"

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated 3.2.20

✓ دست کے لیے :

سی ۲۷، بلاک سی، پوسٹ نمبر ۶،  
لطیف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)محبی ڈاکر ہاشمی صاحب!  
سلام و آداب

آپ کی تازہ مطبوعہ کتاب "تفہیم و تجزیہ" (سزبان علامت گل و غنیمت، خار و دو برگ نسیم) کے دو نسخے ڈاک سے وصول ہوئے۔ ایک میرے لیے، دوسرا نسخہ اردو کے کتاب خانے کے لیے نام زد تھا۔ اپنا نسخہ جلد تر پڑھ لیا، دوسرا نسخہ کو بھجواتا ہوں۔

کتاب کے مشمولات نہایت پرکشش اور مرمت ذوق و رجحان کے عین مطابق ہیں، آپ کی تحریریں پسند آئیں اور مستفید ہوا۔

آپ کی فیصلی جاگ رہی ہے، پہلے ڈاکر و حیدر ہاشمی صاحب کے مقالات کا مجموعہ شائع کیا تھا، اب آپ کے مقالات کا مجموعہ شائع کیا ہے۔ مبارک باد پیش کرتا ہوں، آپ کو اور فیصلی کی موجودہ سربراہ کو۔

نیاز مند:

بخم الاسلام

خدمت فاضل گرامی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب،  
پنجاب یونیورسٹی اور سنٹل کالج، لاہور

پس نوشت: تفہیم و تجزیہ کا ایک نسخہ رفیق المذہب صاحب (کلچر سٹیڈی اردو) سندھ یونیورسٹی کے حوالے کر دیا ہے اور رسالہ تحقیق میں ہفتے کے لیے مبارک کر دیا، اگر ہفتے کی مدت میں ایک نسخہ آپ اٹھیں بھی بھجوادیں تو اچھا ہے۔

بہ نام ڈاکٹر سید معین الرحمان

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No  
Latifabad, Hyderabad,  
Ph: 8202 863102

Dated ۱۹.۱۵.۱۹۹۵

محرم ڈاکٹر معین صاحب! سلام و آداب  
گرای نامہ مورخہ ۳۱ جنوری لاہور، مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۹۵ء (طبع نو) بھیجے کی  
اطلاع تھی، پھر آج وہ کتاب بھی ملی۔ شکریہ۔  
الوقار جیلی کیشنز کا قیام مبارک ہو۔ ممنون ہوں کہ کتاب مذکور کے اس نئے ایڈیشن میں راقم کی  
ایک تحریر کو بھی اقتباس کے طور پر طبع سے پہلے اپنی رتبہ کتاب کو آپ ڈیٹ کرنے کا کس قدر اہتمام  
آپ نے کیا ہے۔ قابل تحسین اور قابل تقلید ہے آپ کا یہ طریقہ۔  
بنازمند:  
نجم الاسلام

خدمت گرامی:  
ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب  
پروفیسر اور صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، لاہور۔

پس نوشت:  
اپنی سچو کے مطابق، چند گزارشات دوستانہ طور پر پیش کرتا ہوں:  
(۱) ص ۱۳: مولانا حامد حسن قادری (معروف نام بزرگولانا ہی بہتر ہے)۔  
(۲) ص ۱۶: وجاہت (کتاب کے لیے؟)۔ ہمزہ کی ضرورت نہیں۔  
(۳) ص ۱۸: شعبہ نائے اردو (ذمہ داری اخذ فرمائی؟)۔  
(۴) ص ۱۹: فورٹ ولیم (اسی طرح ص ۲۳ پر، فونٹس والے مضمون میں کتابت کی غلطی سے لفظ کالج لکھا گیا ہے)۔  
(۵) ص ۳۲: اسی طرح ص ۱۲۹ پر: میر عبد اللہ مسکن کو فورٹ ولیم کالج سے کچھ تعلق نہیں۔ کراچی میں  
۱۱۴۵ء میں اس کا رتبہ شامل ہے۔ ۱۱۵۵ء میں منسوخ ہو گیا۔ پھر ۱۲۱۱ء میں ۲۲ برس بعد  
کشمیری کی ملازمت میں گونگرا آسکا تھا؟ ضحیفی کی بنا پر ہی تو میر کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں  
نہیں ہوا تھا اور میر امن کو کالج کی ملازمت چھوڑنی پڑی تھی۔ ص ۹۷ پر مسکن کے ذیل میں تقریبات  
کا اضافہ چاہیے۔ اردو رتبوں پر علی حاد زیدی کی کتاب میں آگے کہ مسعود حسن رضوی (دہلی) نے  
کے پاس مسکن کے ۵۷ غزطوں پر مرتبے سے ۱۱ اب وہ ان کے ذمہ خطوطات میں علی گڑھ میں لکھے گئے  
جہاں پر ذمہ لکھا ہے۔ مسکن کا ایک بڑے بڑے ہندوستانی ادبی بورڈ جہاں بورڈ کے ذمہ خطوطات میں لکھے گئے  
(۶) ص ۸۹: ترجمہ قرآن شاہ عبدالعادر۔ اولاً کلکتے سے چھپا تھا (ہندوستانی پریس کلکتہ - ۱۸۲۹ء) ص ۸۵  
پھر مطبع احمدی سیرام پور (من مضافات کلکتہ) قائم کردہ سید عبداللہ ابن میر بہادر علی حسینی۔ دونوں مطبعوں نے

برائے نذیم میں موجود ہیں۔ دیکھیہ فہرست مطبوعات

(۷) ص ۹۰ : "قیاسات کی بنا پر یہ بات یقینی ہے" وقار احمد رومان میں لکھ گئے۔ قیاسات کی بنا پر کوئی بات یقینی کہوں کر ہوگی؟

(۸) ص ۱۲۵ : طیش کا سنہ وفات (۱۱۱۵ھ) درج ہو چکا ہے۔ سنہ وفات ۱۲۳۰ھ ہے۔ شائق کا قطعہ تاریخ وفات بھدرت عکس اولاً راجہ کے ایک مضمون "کلیات شائق" مشمولہ تحقیق شماره دسوم میں اور پھر راجہ کی کتاب مطالعات میں شامل ہو کر چھپ چکا ہے

طیش کا فورٹ ولیم کالج سے ملازمت کا تعلق بھی مشکوک ہے۔ وہ کہتی کا سزا یافتہ باغی مجرم تھا اقد میں رہا تھا۔ اپنی کاملازم کہوں کر بن سکتا تھا؟ کلیات طیش کا جعبہ بھی مشکوک ہے، مگر اس قدر ہے کہ کلیات کا ایک قطعی نسخہ فورٹ ولیم کالج کے ذخیرہ کتب میں تھا۔ پھر وہ حکیم حبیب الرحمن اعزلیت شادابی صاحب فاروقی سے ہوتا ہوا میرے پاس پہنچا ہے۔ اس پر فورٹ ولیم کالج کی موجودگی۔

(۹) ص ۱۵۱ : حشر و فیض : (کتاب چھپی آئی ہے۔ اس کو تلاش کر کے حاشیہ لکھنا چاہیے۔ جے خیل آتا ہے کہ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ کفتر یا کانبور کا مطبوعہ میرے پاس ہے۔ قدیم زمانے میں مطبع العلوم دہلی ۱۸۱۹ء، ۱۸۵۰ء کی مطبوعات میں نام آتا ہے۔ دیکھیے حمد عشق صدیقی کی کتاب "عربیہ ہندوستانی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات"۔

(۱۰) ص ۱۵۲ : سید عبداللہ ہاری (اس مصنف پر مختار اللہ احمد صاحب کا ایک مضمون ۴۱-۴۰، ۱۹۰۱ء) یہ رسالہ نذیم گما میں چھپا تھا۔ رسالہ بیدل لاہور سے کراچی میں سنیہا سے اس مضمون کا عکس حاصل کر کے میں نے مختار اللہ احمد صاحب کو علی گڑھ کے ان کے سے بھیجا تھا۔ رسالے کا درست سنہ اور ماہ اس وقت یاد نہیں۔ عکس میرے پاس بھی ہے۔ ٹیوشن کر کے لکھنا چاہیے۔

فقط

ایک جز:

ڈاکٹر سید سنی احمد ہاشمی سکبرہ دہلی سے بعد کراچی میں مقیم تھے۔ سال گزشتہ کی طرح اس سال بھی عمرہ کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے، دہلی سے ۱۱ روز کی تیاری کے وقت مکہ مکرمہ میں انتقال فرمائے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے بیٹھتے ہی تاریخ وفات لکھی ہے جس کے پتلے دہلی سے، بری سنہ اور درجہ عیسوی سنہ برآمد ہوتا ہے۔ سنی ۱۲۱۵ھ اعلیٰ گڑ ہاشمی (۱۲۱۵ھ) بہشت آستیاں جنتی جنتی (۱۹۹۵ء)

یہ المکتبہ صحیحہ کراچی ہے

جامعة سندھ

# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu



Editor

Prof. Najmul Islam

راست کیلے پتا:  
سی ۲۷، بک سی، پوسٹ نمبر ۶  
لطیف آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)

Allama I.I. Kazi Campus,  
Jamshoro (76000) 'Sindh' Pakistan  
Tel. Add: "UNISINDH"

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated ۱۹.۱. \_\_\_\_\_

عزت ڈاکر صاحب!

سلام و آداب

والا نامہ، جو ۲۷ دسمبر کو شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی جام شورو کے  
پتے پر پوسٹ کیا گیا تھا، مجھ آج ملا۔ جام شورو سے جمع شدہ ڈاک کو تک پہنچنے میں  
تاخیر ہو جاتی ہے۔ رٹائرمنٹ کے بعد (۱۹۹۳ء) میں سالے کا سارا کام گھر پر ہی کرتا ہوں  
اور کم سے کم شعبے میں جانا ہوتا ہے، اس لیے گھر کا پتا اوپر لکھ دیا ہے، اس پتے پر  
راست فرمائیں تو بہتر ہے۔

آپ کا مقالہ لجنان استاد علامہ دکتہ سید جعفر شہیدی "زیر طبع شمارے  
(۱۲) میں شامل ہے۔

ارادہ ہے کہ شمارہ ۱۲ میں شمارہ ۱۳ کی صفحات یکجا کر کے اسے دو بند  
کر دیا جائے، جیسا کہ سابقہ شمارہ سفر کہ دہم و یازدہم تھا۔ اس لیے ایک اور مقالہ  
بھیجنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہم اسے بھی شامل کر لیں گے۔  
رسالہ تحقیق کے جو سابقہ شمارے آپ کے پاس نہ ہوں، یہاں سے  
تحفہ بھیجے جا سکتے ہیں، بے تکلف تحریر فرمادیں۔

مخلص نجم الاسلام

خدمت فاضل گرامی ڈاکر محمد سلیم اختر صاحب

بہ نام سید انیس شاہ جیلانی

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No. 6,  
Latifabad, Hyderabad, Sindh,  
Ph: 82102

Dated ۱۹۹۴  
۱۷ جون ۱۹۹۴

محرم شاہ صاحب! سلام و آداب  
مرسلہ کتاب "ادی غنیمت" موصول ہوئی، جلد ہی مطالعہ فرمائی۔  
ایک ماہ سے، آپ اردو اچھی لکھ رہے ہیں، مگر انگریزی  
بہت ہے۔ آپ کے قلم حقیقت رقم نے اپنے آپ کو بخشنا ہے معزز مایا کو۔  
نشریت کم کیجیے، اگر ممکن ہو۔ بطور خواہش لکھا ہوں۔ ہمارے  
مکرم شیخ محمد فاضل کو سلام پہنچا کر ممنون رہیں۔ شکریہ خالص

بیم اللہ اسلام

خدمت گراہی: شاہ جیلانی  
سید انیس شاہ جیلانی  
محمد آباد (صادق آباد) -

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No. 8,  
Latifabad, Hyderabad, Sindh, Pakista  
Ph: 82102863102

Dated 10.7.1995

محرم شاہ صاحب! سلام و آداب  
واللہ نامہ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۸۸ء ملا۔ خط کے کاغذ سر اس کے نام کا چھپا ہوا طبری  
کس قدر دل فریب اور نظر افروز ہے۔ کس خطاط کی یادگار ہے؟  
کتاب "مرا علی کریم" محقق ہے، اس خط کے ساتھ منظوم کی جاتی ہے۔  
ابیات شاہ کریم تین تاحات کی نشان دہی کر کے مہزون فرمائے۔ انتظار  
رہے گا۔

ابیات سندھی قولہ محمد زماں لواری م ۱۱۸۸ھ کا منظوم اردو ترجمہ  
میں کیا تھا، وہ ۱۹۸۳ء میں پرنسپل سید حسن صاحب کی کتاب میں شامل ہو کر چھپا۔  
مدگانہ حیات میں اس کی اشاعت ہوئی باقی ہے۔ کتابت ہو چکی ہے۔  
آپ نے ابیات شاہ کریم کے منظوم ترجمے پر اپنے خیالات سے نوازا تو  
ابیات سندھی کا منظوم ترجمہ بھی تحقیق سے ہیے پیش کروں گا اور اس کا  
کی نشان دہی کی درخواست کروں گا تاکہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔

مخلص  
محمد اللہ اسلام

خدمت گراہی سید انیس شاہ صاحب جیلانی  
ڈاک خانہ محمد آباد  
تحصیل صادق آباد، پاکستان۔

منسلک: محقق کتاب "مرا علی کریم"

یہ نوشت: رسالہ تحقیق کا شمارہ ہشتم زیر طبع ہے۔ اس میں ایک گونہ  
"گونہ" آخر کے نام سے قاضی احمد میاں آخر جو ناگراہی کے لیے محقق کیا

قاضی کریم کے نام سے منظوم اردو کا ایک خط مورخہ (راجستھان) کے لکھا ہوا (۱۹۶۹ء کا)  
دکتاب "مرا علی کریم" کے ذریعے میں قاضی احمد میاں آخر جو ناگراہی کا خط نام سے منسلک ہے۔  
ازراہ کریم علی کی یاد اور منسلک نقل مناسبت کیلئے تاکہ شامل اشاعت کیا جائے۔ شکریہ۔ محمد اللہ اسلام

بہ نام آپروفیسر شفقت رضوی

Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C, Unit No. 6  
Lalabad, Hyderabad Sindh, Pakistan.  
Ph: 863102

Dated... 27... 12... 99...

محترم پروفیسر رضوی صاحب !

سلام و آداب

مکتوب گرامی مورخہ ۲۰ دسمبر موصول ہوا، شکریہ۔ قبلاً، آپ کی تازہ  
تالیف "تذکرۃ الشہداء از حسرت موہانی" کا ایک نسخہ برائے بقرہ دارک کے ذریعے  
مل گیا تھا۔ اس کتاب پر عتیق احمد جیلانی صاحب بقرہ لکھ رہے ہیں۔  
آپ با شہداء اللہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنے علمی کاموں کو پورا کر رہے ہیں  
اور جنہوں نے وہ تحفہ کر سائے بھی آ رہا ہے۔ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

یہ معلوم کر کے تشویش ہوئی کہ پچھلے دو ماہ میں آپ کو دو آپریشنوں کے  
گزرنا پڑا۔ شافی مطلق صحت کھلی عطا فرمائے اور مزید بہت سا علمی کام انجام  
دینے کے لیے سلامت بکراست رکھے۔

شاہ انجم صاحب، عتیق احمد جیلانی صاحب اور سید جاوید اقبال صاحب  
کے آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ ہم سب آپ کے علمی کاموں کی دل سے قدر  
کرتے ہیں اور آپ کے لیے دست بہ دعا ہیں کہ صحت کاملہ و عاجلہ و مستمرہ  
عطا ہو۔

مکتوب میں آپ کا یہ فقرہ برہا کہ طویل العمری کا خمیازہ جھگت رہا ہوں۔  
اسی پر مولانا انصاری ہوی یاد آئے۔ وہ مضطر کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

مصیبت اور لمبی زندگان  
بعض ایک شاعرانہ بات ہے بہتر بات ہے کہ زندگی کو ایک نعمت اور امانت  
سمجھ کر بسر کیا جائے۔ اور اچھے کاموں کو، جن میں علمی کام بھی شامل ہے،  
بیش از بیش انجام دینے کے لیے مالک حقیقی سے زیادہ سے زیادہ مہلت  
کی تمنائی اور امتنک رکھی جائے۔

نیازمند :  
نجم اللہ سلیم

خدمت گرامی :  
جناب پروفیسر شفقت رضوی صاحب  
۷۲۳، النور سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، بلاک ۱۹،  
کراچی۔

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No.  
Lafabad, Hyderabad. S  
Ph 86310

Dated ... ۱۵.۹.۱۹۹۶

مقام پروفیسر صاحب! سلام و آداب  
والا نام مورخہ ۳۰ اگست (بابت رسید کتب) شمارہ ہفتم (موصول ہوا۔  
اظہار پسندیدگی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ شمارہ ہفتم میں آپ کی کتاب پر تبصرہ  
لکھنے کا شکریہ سبزی راہ اقبال کو پہنچا دیا گیا، بلکہ آپ کا خط برعکس ہوا یا گیا۔  
خط میں لکھا ہے آپ کی دونوں رسائل کتابیں (مکاتیب اقبال بنام سید سلیمان ندوی، اور مطالعہ احسن  
برہانی) نہیں ملیں۔ ان کا دیکھنا بالکل یاد نہیں۔ حمایت طلب سے اب رابطہ نہیں رہا۔  
وہ کتب کے رٹائر ہو کر کراچی میں معیم ہیں۔ مکاتیب اقبال، جو سکتے ہیں، سبھی میں جمع ہوئی  
ہو۔ معلوم کیا جائے گا۔

آپ کی شہرہ کتاب "مفہوم محی الدین" سبھی کی لائبریری کے لیے سوزوں ہو سکتی ہے  
حمایت کیجیے، مگر کسی معتبر روزے سے۔ ریاست حیدر آباد سے مالی اعانت حاصل کرنے  
والے اہل قلم حضرات پر آپ کی کتاب یقیناً دل چسپ اور معلومات افزا ہوگی۔ اس کے شائع  
ہونے کا انتظار رہے گا۔ آپ کی کتابوں کی رفتار اور اشاعت حیران کن ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے  
آپ پر۔ حیدر آباد شریف لانا ہو تو ازراہ کرم شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع دیکھیں  
پہلے سے اطلاع ہو جائے گی تو رفقاءے شہم کو بھی شرف ملاقات حاصل کرنے موقع مل جائے گا۔  
جملہ رفقاءے شہم کی طرف سے سلام و آداب اور شوق نیاز۔

مخلص  
محمد ملاح

خدمت گرامی :  
پروفیسر شفقت رضوی صاحب، کراچی۔



بہ نام پروفیسر سید محمد سلیم

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C Unit No. 6.  
Latifabad, Hyderabad, Sindh, Pakistan.  
Ph: 863102

Dated ۱۹۹۷  
اکتوبر ۱۹۹۷

محرمی پروفیسر سلیم صاحب! سلام و اُداب

لاہور سے والہی پریگراہی نام پورے ۲۰ ستمبر تک اضافی یاد دانت بابت شیخ احمد یعنی شروانی  
ملا۔ سنکریم۔ شیخ احمد بہت مشہور شخص ہے اور اس کے اختلاف میں محمد عباس رفتہ  
شروانی غالب کا شاگرد ہے، اس کا ذکر بھی تفصیلاً آتا ہے۔ اس پر تو ایک نوبل سفینوں کی گنجائش  
آپ لکھیں تو کیا ہی اچھا ہو جائے

یا زمند:  
مختم السلام

غالب

لے "نزمۃ الخواطر" تذکرہ علمائے ہند و غزہ میں شیخ احمد کا ذکر آتا ہے "تلامذہ"  
مؤلفہ مالکدرام میں محمد عباس رفتہ شروانی کے ذیل میں عمرہ طور سے شیخ احمد کا ذکر بھی  
آتا ہے۔ انساٹیکو پیدلے کئی زکوٰۃ لیجے پنجاب یونیورسٹی والا شاید اس میں کئی تذکرہ ہو۔

بہ نام پروفیسر ممتاز احمد خاں

جامعة السند التحقیق

# University of Sind



Departmental Research Journal "TAHQIQ"

Jamshoro (Sind), Pakistan

Te. Ad. "UNISIND"

Phone Off: 712921

CHAIRMAN  
DEPARTMENT OF URDU

Ref. No. Urdy/183/788

Dated 11.6.1988

عزیز گرامی پروفیسر ممتاز احمد خاں! سلام و رحمت

گرامی نامہ مورخہ ۱۰ اربار لکھ ملا۔ بہتر معلوم اس تاخیر کا کیا سبب ہے۔ بہر کیف آپ کے مخلصانہ جذبات اور اشتیاق کا خیال کر کے فی العذر جواب لکھا ہوں۔  
خدا آپ کو سلامت رکھے اور علمی کاموں کے مواقع پیش از پیش عطا فرمائے۔  
یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ آپ ادو تحقیق کی طرف متوجہ ہیں، اور یہ کہ آپ کو اپنے تحقیقی کام میں محترم ڈاکٹر الٹ صاحب جیسے فاضل عمر استاذ الاساتذہ اور بہترین محترم کارکن کی رہنمائی حاصل ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ اسے ایک بڑی نعمت سمجھ کر آپ کو پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور خوب خوب محنت اپنے اس کام میں کرنی چاہیے۔  
میں بھی کبھی گرامی آتا ہوں۔ آپ کا تہا اب میرے پاس ہے، رائے کی کوشش کروں گا۔ تحقیق کا دوسرا شمارہ زیر طبع ہے۔ خیر اندیش

محمد الاسلام

الجامعة الإسلامية

# University of Sind



CHAIRMAN  
DEPARTMENT OF URDU

Jamshoro (Sind), Pakistan

Tel. Ad. "UMSIND"

Phone Off: 712921

Ref. No. \_\_\_\_\_

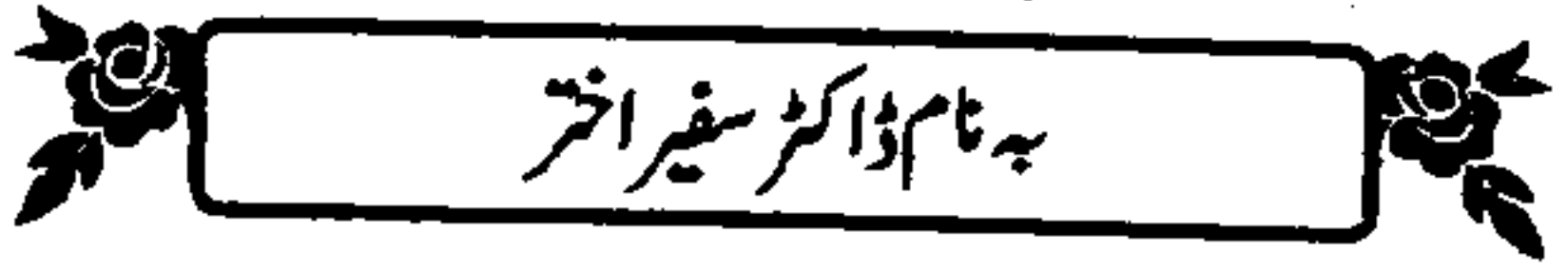
Dated

۲۰ دسمبر ۱۹۹۰ ۱۹

عزیز مکرم پروفیسر ممتاز الدخان صاحب  
آپ کا مکتوب مورخہ ۲۳ دسمبر ملا۔ معنون ہوں کہ آپ نے یار کیا۔ آج کل  
حالات بہتر ہیں۔ دعا ہے کہ بہتری قائم رہنے والی ثابت ہو۔ پورے روز جانا  
ہوتا ہے، صبح کو نیو کیس جام شروع، شام کو (کبھی کبھی) اولڈ کیس خیر آباد۔ خرافاتی  
رکھے اور آپ کو علمی مقاصد میں پیش از پیش کامیاب فرمائے۔  
خیر اندیش:

عبداللہ

خدمت گرامی :  
جناب ممتاز الدخان صاحب



پہ نام ڈاکٹر سفیر اختر

جامعة سندھ



University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Editor

Prof. Najmul Islam

مراسلت کے لیے:  
صی ۱۲۷، بلاک سی، پوسٹ نمبر ۶۶  
طیبت آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰)

Allama I.I. K.  
Jamshoro (76000)  
Tel. Add: 0

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated \_\_\_\_\_ 2.

محترم ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب  
گراہی نامہ مورخہ ۱۶ اکتوبر موصول ہوا۔ شکریہ۔  
قبلہ ایک اور مکتوب گراہی بھی آپ کی طرف سے ملا تھا، جس میں  
شاہ محمد عبدالحی چانگانی کی سرت پتھرہ لکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ متامل  
رہا اور ہوں۔ اس سترمنڈلی میں کہ منی جواب کیا لکھوں بروقت جواب  
نہ دے پایا۔ امید ہے کہ آپ کو خیال نہ فرمائیں گے۔ بہت سے ایسے کتاب  
مذکورہ ارسال نہ فرمائیں تو بہتر ہے۔  
مطلوبہ کتاب "لوائح خالقہ مظہریہ" کا ایک نسخہ آپ کی  
خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔  
مزید یہ کہ رسالہ کھنقہ کا تازہ شمارہ (۱۲-۱۳) شائع  
ہوا ہے، اس کا ایک نسخہ بھی تحفہ ارسال کیا جاتا ہے۔  
مخلص  
محمد اسلم

خدمت گراہی  
جناب ڈاکٹر سفیر اختر صاحب

پس نوشت  
مراسلت کے لیے گھر کا پتہ لکھیں۔  
پتے پر آئی ہوئی ڈاکٹ تاخیر سے ملتی ہے۔  
جام مشورہ جانے کی باسندتا نہیں رہی اور اس کے  
کیا کرتا ہوں۔ اس کی ترتیب کی تمام تر ذمے داری آپ کی ہے۔

بہ نام مظہر محمود شیرانی

# تحقیق

شعبہ جاتی  
تحقیقی مجلہ  
جام شورو

ناشر: شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔ ۲۰۸۰ء (پاکستان)

تاریخ ۱۰ جون ۱۹۹۳ء

نمبر

محرم ڈاکٹر شیرانی صاحب! سلام، آداب  
گرای نام بروز ۱۹ مئی موصول ہوا جس میں تحقیق شمارہ ۱۱۱  
کی اطلاع ہے۔ اس شمارہ کے ساتھ ایک خط بھی آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا  
جس میں ایک مضمون کی نقل آپ کے توسط سے چاہی تھی۔ شاید وہ خط  
آپ تک پہنچا۔ اس لیے مجر عرض مدعا کرتا ہوں۔

مخزن لاہور بابت مارچ ۱۹۲۹ء میں تھنے والے ایک مضمون  
کا حوالہ نظر سے گزارا تھے جس میں حافظ محمود شیرانی ترجمہ کا ایک قول آیا ہے  
کہ سانسائے کے مطالعے کے لیے فرینک تو اس شخص سے سو مندے۔ ازراہ کرم  
اس مضمون کی عکسی نقل حمایت فرمائیں۔ مضمون شیرانی ترجمہ کا عکسی  
نقل فرور فرمائیں۔ اس کے رہہ مقالات میں ایسا کوئی مضمون نہیں ملا  
جس میں یہ حوالہ ہو۔ اگر کسی اور کے مضمون میں یہ قول آیا ہو تو اس  
صورت میں بھی کرم فرمائیں اور عکسی نقل بھی بھیجیں۔

مضمون کا۔ شیرانی ترجمہ  
اپنی بطور یا غیر بطور محضوں میں لیکن مضمون فرینک تو اس کا ذکر فرمایا ہو تو اس کی نشان دہی  
کردیں۔ اور یہ ازراہ کرم یہ بھی فراحت فرمائیں کہ فرینک تو اس کا کون سا  
نظمی نسخہ امکاناً مطالعے میں آیا ہوگا۔ کیا کوئی نسخہ خود ان کے پاس بھی تھا ہے۔

سوالات کر لیں۔ مفردت تو آہ مضمون، مگر یہ معلومات آپ ہی سے مل سکتی ہیں۔  
آج کل تعطیلات گریا ہیں۔ اس لیے  
جواب کلم کے پتے پر عنایت فرمائیں۔ شکریہ۔

فصل گرای ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی صاحب  
گورنمنٹ کالج، شیخوپورہ۔

مخلص: غلام الاسلام  
سی۔ ۲، بلاک سی، پوسٹ نمبر ۶،  
لطیف آباد، حیدرآباد سندھ  
(فون = ۸۲۱۰۲)

رہتے ہیں۔ میں نے آپ کے خط کے حوالے کر کے ڈاکٹر شیرانی صاحب کو مطلع کیا ہے۔



# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of U

Editor

Prof. Najmul Islam

Allama I. I. Kazi  
Jamshoro (76081) Sindh  
Tel. A/c: "UNIS"

Ref. No.

Dated 24-11-

بہر حق، شہنشاہی کی بجائے شہنشاہی کی تہذیب اور  
 ۱۹۷۷ء کا ایک علمی مجموعہ، جس میں  
 ۷۰۰ کے قریب علمی اور ادبی مضامین  
 شامل ہیں۔

ی۔ ۲۷، بلاک سی، یونیورسٹی کیمپس، لطیف آباد، حیدر آباد سندھ۔

محرم ڈاکٹر شہزاد صاحب! سلام مسنون و آداب  
 بہت ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی فاضلانہ کتاب "داد محمد شہزاد اور  
 ان کی علمی و ادبی خدمات" کی ذمہ داری جلد بھی ارسال فرمائی۔ جو ہاں مجھے شہرے  
 دن ۲۰ کو مل گئی۔ آپ نے مبارک یاد پیش کرتا ہوں، آپ کو بھی اور آپ کے  
 محنت و بصیرت قابل داد ہے۔ ہندوستانی صاحب تو بھی، جزئی نگرانی میں یہ کام  
 نگران، ہمارے مکرم ڈاکٹر صاحب کی غلط انشابات کی تحقیق سے متعلق  
 حسن و خوبی تکمیل کو پہنچا ہے۔ غلط انشابات کی تحقیق سے متعلق  
 شہزاد صاحب سے اہولوں اور لفظوں کو اپنے کسی علم سے واضح کیا ہے۔  
 رسالہ تحقیق کا ایک حصہ ہی نہیں تحقیق منسوب ہے کہ ہر موضوع پر نکالنے کا  
 ارادہ ہے جس کا خاکہ اس خط میں تو مینیاں کیا جاتا ہے اور درخواست  
 کی جاتی ہے کہ اس کے لئے کوئی مقالہ عنایت سے لے کر اس کے لئے حد مسنون  
 ہوں گے۔ مقصد یہ ہے کہ محققین اور باہر سے متعلق فضلاء کے اہولوں  
 اور لفظوں کی وضاحت، اس موقع پر دستاویز کردہوں کے تعارف  
 کے ساتھ یکجا سامنے آجائے۔ از اہتمام اس سلسلے میں مشورہ بھی  
 دیجیے اور ایک مقالہ بھی حسب اہتمام سے درخواست کی گئی ہے۔  
 خدا آپ کو صحت و عافیت  
 بیش از بیش ارضائی فرمائے۔

مخلص: نجم الاسلام

خدمت فاضل گرامی ڈاکٹر منظر محمد شہزاد صاحب، شیخوپورہ۔  
 زید محمد قرغزار، بابت مارچ ۱۹۹۵ء کا ایک رسالہ کتاب کے ساتھ  
 ملفوف ملا۔ سیکرٹری، رہائش مشرق اور دل، جس کے ساتھ آپ کا  
 انٹرویو پڑھا اور تقریر دیکھی۔ اس طرح اس نادیدہ نیاز مند کو ادھی زیارت ہو گئی، اور یہ

پہ نام سید عارف نوشاہی

# University of Sind

Jamshoro (Sind), Pak  
Tel. Ad. "UNISIND"  
Phone Off: 712921

Ref. No.

Dated ۱۹ دسمبر ۱۹۹۹ء

CHAIRMAN  
DEPARTMENT OF URDU

محرمی سید عارف نوشاہی صاحب! سلام و آداب  
بیش قیمت کتاب نزہۃ المجالس، اس پر ایک مضمون کی عکسی نقل  
اور گرامی نام درجہ ۷ دسمبر موصول ہونے پر تہ دل سے آپ کا شکریہ  
ادا کرتا ہوں۔ ضرورت واقعی شدید تھی اور وہ آپ کی عنایت سے پوری ہو گئی۔  
مضمون ہوں۔

میں سمجھ رہا تھا کہ میرا خط آپ کو اسلام آباد میں ملے گا اور آپ  
یہ کتاب وہیں اپنے پاس اور ذخیرے سے مستعار مہیا کریں گے، لیکن  
آپ نے ایران سے یہ کتاب (خرید کر) بھیجی ہے۔ اس کا توجہ آپ پر  
نہیں ہونا چاہیے۔ از راہ کرم مطلع فرمائیں کہ مجھے کتنی قیمت پیش کرنی ہے۔  
مزید مضمون ہوں گا۔

دو اسٹک کا ایک نسخہ چرمین ڈیپارٹمنٹ آف اردو، تہران یونیورسٹی  
تہران کے نام رجسٹرڈ پوسٹ سے بھیجا جاتا ہے۔  
تحقیق کا تازہ شمارہ (۱۹۹۰) جنوری میں تیار ہونے والے گا اور آپ کے اسلام آباد  
کے پتے پر بھیجا جائے گا۔ تہران سے نشر دانش اور معارف کے شمارے  
تبادلے میں موصول ہوئے ہیں، انھیں بھی تحقیق بھیجا جائے گا۔ ایران میں اردو  
مخطوطات کا مسودہ کس ضخامت کا ہے؟ ہم اسے  
چھاپ سکتے ہیں، ۱۹۹۱ء کے شمارے میں۔  
مخلص: نجم الاسلام

خدمت گرامی:

سید عارف نوشاہی صاحب  
صندوق پستی ۳۸۸۵/۱۱۳۶۵، تہران، ایران۔



# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Editor

Prof. Najmul Islam

مراست کے لیے :-  
سی - ۲۷، بھٹکری، پوسٹ نمبر ۶، لطیف آباد،  
حیدر آباد سندھ۔

Allama I. I. Kazi Centre  
Jamshoro (76080) 'Sindh'  
Tel. Add: "UNISINDH"

Ref. No.

Dated 18.6.

مخرم ڈاکر عارف صاحب ! سلام و آداب

بشتر آپ کا ایک مکتوب گرامی پر مکتوب فرمایا تھا، اس کے بعد کفین کے شمارہ ۸-۹  
ایک نسخہ زخمی ڈاک سے ۵ خون کو بھجوا دیا گیا تھا۔ توقع ہے کہ بل چکا ہوگا۔ میں  
پھر مکتوب گرامی مورخہ ۱۴ جون بھی موصول ہوا جس پر آپ نے کفین کے بارے میں  
ایک طرف تو ازا ہے اور شہادت کے بارے میں مفید اضافی معلومات درج کی ہیں۔  
ی تلامذہ اور مکتوبات میرا الو العلاء سے متعلق معلومات ڈاکر انڈر احمد صاحب کو بھیجالی جا سکتی ہیں۔  
تلامذہ سے محمد بن الو سعید (سید) حسنی کے انتساب پر وہ بہتر رہنمی ڈال سکتے ہیں۔  
الو العلاء کے مکتوبات کے جس عملی نتیجے کی نشان دہی کی ہے، کیا وہ ڈاکر انڈر احمد صاحب  
لیے مل سکتی ہے؟

مخرم ڈاکر عارف صاحب سے راقم کو بھی شرف ملاقات حاصل رہا ہے،  
مخرم ڈاکر عارف صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ مخرم ڈاکر عارف صاحب سے ملاقات کا تازہ شمارہ ان کی  
دست میں مقامات نظری میں درج شدہ ہے پھر بھیجتا ہوں۔

موسم کچھ بہتر ہوتا ہے پھر میرا ارادہ اسلام آباد آنے کا ہے، وہاں کام کے  
وقاات میں آپ کو جان مل سکتے ہیں؟ میرا ارادہ زیادہ تر نیشنل لائبریری کے مخطوطات کے  
ذمہ شادانی) دیکھنے کا ہے۔ کفین کے آئندہ شمارے میں ایک نوٹ کفین شہادت کے  
پر ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ کا تعاون کر سکتے ہیں،  
ازراہ کرم لکھیے۔ کیا اس سلسلے میں ۴

بیم الا سلام

خدمت گرامی

صاحب ڈاکر عارف نوشاہی صاحب،

۶۹، ماڈل ٹاؤن، ہیمک،

اسلام آباد۔

۴ ایرانی فضلا کے کاموں کی نشان دہی کر سکیں گے۔ گورنر کفین شہادت کا

فاکر منسلک ہے

شہادے پر ادراہ کہ غلط استنباط  
کی کفین کے طریقوں کی وضاحت  
ہو جائے۔



الجامعة السینڈھین

# University of Sindh



Jamshoro (Sindh), Pakistan

Tel. Add. "UNISINDH"

Phone Off: 712921

CHAIRMAN  
DEPARTMENT OF URDU

Ref. No. U/264/178/16-5-89

Dated 15.5.89.

محترم عارف نوشاہی صاحب! سلام و ادب

گرای نامہ مورخہ ۱۰ مئی کل موصول ہوا۔ شکر ہے۔ ازراہ کرم اپنے دستاویز میں جس کی دوسری ہم جنس شکل بھی دیکھی، اسی طرح یہ بھی کرنا ہر سے قریب تر کر لی اور ہم جنس نام لکھا ہے۔ عنایت ہوگی دونوں کا حرف اول مستور کی نظر دونوں دلشاد زسروری مرے پاس ہے۔ اس میں وہ مثنوی نہیں ہے جو بیاض رقم میں اور ہی جواز ہے مضمون اس کے نقل کرنے کا ورنہ فرودت نہ تھی۔ کون نہیں اب یہ کتاب شناسی کے لیے مقالہ فرودت پیش کیا جائے گا۔ کیا نہیں اب یہ کیا خوب لکھ چکے ہیں کہ اس سال ۱۹۸۹ اور کھنکھن کے فون نکال کر وہی ہے۔ ازراہ کرم کھنکھن شماره ۳ کے لیے اپنا مقالہ "پاکستان میں خطوطات" لکھی۔ شماره اس کھنکھن نقل ہوئی ہے۔ اور اس شماره میں کتابت کے دونوں پر لکھا ہوا ہے کہ ہمیں پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

آپ کا خلیفہ:

بیم الاسلام

الجامعة الإسلامية

# University of Sind



CHAIRMAN  
DEPARTMENT OF URDU

Jamshoro (Sind), P  
Tel. Add. "UNISD"  
Phone Off: 7129

Ref. No.

Date: ۲۳ جولائی ۱۹۹۹ء

✓ C-27, Block-C, Unit No. 6  
Latifabad, Hyderabad

محترم سید صاحب! سلام و آداب مزاج گرامی  
امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ مجھے آپ کی لائبریری کے ذخیرہ آذر  
ایک شکر فورٹ سے یہ خط لکھنا ہوں۔ "دوازدہ مجلس از کریم الدین" کے  
کے ایک اردو خطوطے (نمبر شمار ۶۲ موسم "دوازدہ مجلس از کریم الدین" کے  
خند صفحات کے نمونوں (اول اور آخر اور درمیانی) کی نقل ایک دوسرے خطوطے  
سے مقابلے کے واسطے درکار ہے۔ عینی نقل اور محصول ڈاک کے خرچ کے لیے  
خند روپے میں آرڈر سے علی تعاون فرما کر گھر کے پتے پر بھیج دیجیے جو اوپر درج ہے  
ارسال ہیں۔ از راہ کرم علی تعاون فرما کر گھر کے پتے پر بھیج دیجیے جو اوپر درج ہے  
تم دل سے ہمنون ہو گا۔

نیاز مند  
عجم الاسلام

خدمت گرامی: ۱۰/۷/۹۹ء

بہ نام ڈاکٹر زاہد منیر عامر

Prof. Najmul Islam (Hyderabad) (1800) Dated 21.9.1999

محرمی! سلام و آداب  
 گرامی نامہ مورخہ ۱۶ ستمبر موصول ہوا۔ شکریہ۔ (۱)  
 آپ کے ڈین اکنس سے دو پبلک مطبوعات کے ملے تھے اور تحفہ سندھ یونیورسٹی  
 کے لیے تھے جیسا کہ ڈین کے خط میں درج تھا۔ وہ سب مطبوعات لاہور میں سندھ یونیورسٹی  
 بھجوا دی گئی تھیں، میرے علم میں نہ تھا کہ اس کے محرک آپ تھے۔ بہر کیف، اظہار شکر کے  
 اب یہ چند سطریں لکھتا ہوں۔ ڈین کو پہنچنے کی اطلاع کا خط پہلے ہی لکھ دیا تھا۔  
 مبارک ہو، پی ایچ ڈی کے جلد مراحل خوں ملے کر لیے پر، یہ ایک اچھی خبر ہے جو  
 آپ کے خط سے ملی۔ (۲)

قومی ڈائجسٹ لاہور میں شائع سندھ، آپ کے مقالے کی اقساط جن کے بھیجے جانے  
 اطلاع آئے دی ہے، تا حال موصول نہیں ہوئی۔ ملنے پر یہی معلوم ہوگا کہ اچھی سز کاغذ سے  
 آپ کو کیا دل چسپی ہے۔ (۳)

یہاں اسلامیات کی فیکلٹی میں اپنا کوئی قریبی روابط رکھنے والا نہیں رہا، کچھ تھے جو  
 ٹائٹل ہو گئے اور باہر چلے گئے یا انتقال کر گئے۔ اس لیے جو صاحب نے پی ایچ ڈی یہاں سے کرنے کے  
 خواہش مند ہیں، وہ براہ راست خط و کتابت کا سلسلہ قائم کریں (۴)

رسالہ تحقیق کا شمارہ ۱۲ زیر ترتیب ہے۔ کچھ بھیجیں اگر تیار ہو، گوشش  
 کی جائے گی کہ ماہرانہ رائے کے لیے پروسیسنگ جلد عمل میں آجائے۔ (۵)

مخلص، نجم الاسلام

بخدمت گرامی،  
 ڈاکٹر زاہد منیر صاحب، عامر، لاہور

بہ نام پروفیسر رابعہ اقبال

Dr. Najmul Islam  
Professor of Urdu

C-27, Block-C, Unit No. 6  
Lallabed, Hyderabad Sindh, Pak  
Ph: 863102

Dated... 22... 12... 96

مکتبہ رابعہ بہن صاحبہ!

سلام سنون و آداب

جیسا کہ ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی، آپ کا ڈاکر نیا پتہ مل جانے کے بعد مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی (ناظم معنی الہی بخش نشاۃ الکیہی، محلہ مولویان، کاندھلہ ضلع مظفر نگر، یوپی) کا خط آپ کے نام آیا ہوا ہے جتنا ہوں اس میں الہی بخش نشاۃ الکیہی کی بکٹ لکھی ہے آپ کے مقالے (رسالہ تحقیق شماره ۵ علی) کی تحسین ہے۔ اس کے ساتھ اپنے نام خط کی عکسی نقل بھی منسلک ہے، اس میں بھی بکٹ لکھی ہے اس کا حوالہ دہندہ ہے اور رسالہ تحقیق کی تحسین ہے۔

رسالہ تحقیق کے زیر طبع شمارے میں مولانا نور الحسن راشد کے ایک طویل مقالے سے اخذ کر کے، ہم نے الہی بخش نشاۃ الکیہی کے احوال و آثار سے متعلق کچھ اضافی معلومات دی ہیں۔ مولانا راشد اپنی الکیہی کے تحت "احوال و آثار" کے نام کے ایک رسالہ نکالتے ہیں۔ اسی رسالے سے یہ اضافی معلومات لی گئی ہیں۔

اہلہ آپ کو یاد کیا کرتی ہیں اور شیخ کے رفقاء بھی۔

حزرت ڈاکر ذمہ اقبال صاحب کی خدمت گزالی میں سلام عرض ہے۔

وہ انجمن اشفاق حسین صاحب کو جب ہی خط لکھیں میرا سلام لکھیں

سنون ہوں گا۔

والسلام

بہ اگر آپ جاہیں احوال و آثار کے کچھ شمارے مطالعے کے مستعار بھیجے جاسکتے ہیں۔

عجم اللہ السلام

خدمت گزالی

حزرت پروفیسر رابعہ اقبال صاحبہ

سفاری بلیوارڈ، فریڈا، بلاک ۱۵، فلیٹ نمبر ۶/۶،

گلستان جوہر، کراچی

منسلکات: حسب بالا۔

بہ نام اللہ ودھائیو بلوچ

الہ نمبر / اردو / ۹۱ / ۲۲۱ / ۹۱  
پورخہ ۱۹ اگست ۹۱

محبتی ڈاکٹر بلوچ صاحب!

سلام و آداب

۵

بڑی خوشی ہوئی ہم سب اساتذہ کو آپ کا خط پا کر۔ جہاں تک ممکن ہوا آپ کا سلام بنام پہنچایا۔ سب سلام لکھواتے ہیں۔ اور آپ کو یاد کرتے ہیں۔  
تحقیق (۲) ارسال ہے۔

اس کے ساتھ دو تعارف نامے بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے توسط سے اسلام آباد کے کسی ایک یا دو بیک اسٹالوں سے ہمارا رابطہ خرید و فروخت کا ہو جائے تاکہ اسلام آباد میں ہماری مضبوطی عملی پر آجائیں۔ ازراہ کرم اس سلسلے میں کچھ تحریک کیجیے۔ شعبہ آپ کا ممنون ہوگا۔ اس طرح رسالے کے فروغ میں ہمیں آپ کا قیمتی عملی تعاون مل جائے گا۔ شکریہ۔

نیاز مند

۱۹/۸/۹۱  
(ڈاکٹر نجم الاسلام)

صدر شعبہ

بخدمت گرامی

جناب ڈاکٹر اللہ ودھائیو بلوچ

پہ نام جناب محمد نھل ڈہر

الذی یشتد التخصیص

# University of Sind



CHAIRMAN  
PARTMENT OF URDU

76086

Jamshoro (Sind), Pakistan

Tel. Add. "UNISIND"

Phone Off: 71292/ 90

Ref. No. \_\_\_\_\_

Dated 31.10.92 19

محرم ڈہر صاحب اسلام و آداب

گرامی نام پورخ ۱۸ اکتوبر شرف صدور لایا۔ محب علی سندھی کے بارے میں مائزہ می سے  
اقتباس پیش کرنے میں بہت تاخیر ہو گئی۔ تعذرت خواہ ہوں۔ آج کل میں ماساری اطمینت اور  
طویل طبی رحمت پر ہوں۔ صحت بحال ہو رہی ہے۔ دوبارہ اہل اہل کے لئے اور ان کے لئے لکھوں گا  
خواجہ محمد رمان لواری کے سندھی ابیات کا منظوم اردو ترجمہ جو ان کے لئے لکھا ہوا ہے سندھی  
کے کتابت میں شامل ہو کر نیا ہوا اس کا ایک نسخہ خدمت گرامی میں ارسال ہے۔ ان کے ترجمے کو الگ سے لکھوانے کا  
میں ارادہ ہے۔

ابیات شاہ کریم کا منظوم ترجمہ ہی راقم نے کیا تھا جسے انسٹی ٹیوٹ آف سداھانی نے بھیایا تھا۔ کسی کو نسخہ

وہ بھی پیش کر دے گا۔

جامشورو کے مخطوطات کے عنوان سے ایک فہرست شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کے رسالے "تفتیح" میں

چھپ رہی ہے۔ یہ آپ کے کام کی ہو سکتی ہے۔ اس رسالے کے شمارے قیمت حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص

محمد ادا سلام

خدمت فاضل گرامی محمد نھل صاحب ڈہر

شاہ عبداللطیف بھٹائی ریسرچ لائبریری

گوٹہ غلام محمد ڈہر، پوربٹ آفس ڈہر کی، تعلقہ ادباوڑو، ضلع سکر، سندھ۔

لہ آپ سے تمہیں اور تمہاری ڈاکر اتر نامی صاحب سے تمہیں۔ خزانہ صحت کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔

میں مشتعل ذخائر مخطوطات سندھ یونیورسٹی لائبریری، سندھی ادب پورا ڈاکٹر ڈہر، انسٹی ٹیوٹ آف سداھانی لائبریری۔

بہ نام صاحب زادہ سید محمد زین العابدین راشدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

Allama I. I. Kazi Campus,  
Jamshoro (76080) 'Sindh' Pakistan.  
Tel. Add: "UNISINDH"



Editor

مراسلت کے لیے پتہ: —  
سی - ۲۷، بلاک سی، یونٹ نمبر ۶،

Ref. No. \_\_\_\_\_

طیغ آباد، حیدرآباد سندھ (۷۱۸۰۰) of. Najmul Islam

Dated 5.7.1999

محرمی! سلام  
سندھ و آداب  
آپ کی محقر کتاب "شہباز و لایت" موصول ہوئی  
اور گزراہی نامہ مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ بھی شرف صدور لایا۔  
ممنون ہوں۔  
آپ کا مقالہ "شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علمائے سندھ"  
جس کے زیر تحریر ہونے کی خبر آپ کے گزراہی نامے میں مئی، آج شب  
اس کے پڑھنے کا موقع ملا، جب کہ المصداق کا تازہ شماره  
شاہ انجم صاحب بخاری نے عنایت فرمایا۔ آپ کی دونوں علمی کوششوں  
سے مستفید ہوا۔

ملا عبدالحکیم سیال کوٹی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے  
حوالے سے آپ کے شمار کا تشفی بخش جواب، تلاش اور  
تحقیق کے بعد شاید شاہ انجم صاحب دتے سکتے، میرے پاس اس  
سلسلے میں کوئی قابل ذکر علامات ہمدست نہیں۔ یہ خط لکھنے سے  
پہلے شیخ عبدالحق محدث کی سوانح عمری "مرآة الخالق" دیکھنا  
چاہتا تھا، میرے پاس مئی، لیکن تلاش نہیں کر پایا۔

مخلص  
بیم اللہ اسلام

خدمت گزراہی:

صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

مسجد محدث العظم، مولانا بلبل سندھ روڈ، لاڑکانہ

بہ نام جناب محمد احسن خاں

DEPARTMENT OF URDU

Ref. No.

Dated ۱۰ جنوری ۱۹۹۱ء

محرمی خالص صاحب! سلام و آداب  
 گرامی نامہ مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۰ء موصول ہوا۔ مشکوٰۃ - گرا اور دفتر کے پتے سے آگاہی ہوئی۔  
 "مطالعات" (مجموعہ مقالات) اس وقت جلد بندی میں ہے۔ تحقیق شماره ۴م زیر طبع ہے۔ جنوری کے آخر تک تیار ہوگا۔  
 تیار ہونے پر دونوں نظریات پیش کی جائیں گی۔ مشقی طلب اد حسن نظر طلب کر آپ کا سلام پہنچایا۔ ڈاکر صاحب  
 سے ملاقات مشکل ہے، کراچی منتقل ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ کا سلام نہیں پہنچا یا جاسکا۔  
 آپ کا ۱۰ ستمبر کا خط ابھی تک جواب طلب ہے، کاغذات میں مل نہیں پاتا تھا۔ آج اس کو بھی ڈھونڈ  
 نکالا ہے۔ امید ہے کہ لغت لورڈ کی ڈاک اب آپ کو برابر موصول ہو رہی ہوگی۔ ہم نے لورڈ والوں کے بتا دیا تھا کہ آپ لاہور  
 جا چکے ہیں۔ اخبار اردو اسلام آباد سے بھلا جھٹکا اب بھی آتا ہے، اب آپ کا نیا پتہ (م ۳، راوی بلاک -) مل جانے پر اخبار  
 ویس وی ڈائریکٹ کیا جائے گا۔ بھر ہوگا کہ آپ پتے کی تبدیلی کے لیے اخبار اردو والوں کو لکھ دیں۔  
 خریطہ جولہ ربع دلوان نظر رتبہ ڈاکر غلام مصطفیٰ افان پر قیمت درج نہیں۔ اس کے نائز کا پتہ ہے: سید  
 "جناب شعور الد فاروقی، المصطفیٰ الیہامی، ڈی ۵م - بلاک سی ۲ - یونٹ ۸ - لطیف آباد احمد آباد  
 اگر آپ کو ضرورت ہو تو مجھے لکھیں، کتابریسیا کی جائے گی۔ خریطہ جولہ ربع اسفار کا منظوم اردو ترجمہ میں نے کیا ہے۔ چھپنے کی  
 نوبت آئی تو پیش کیا جائے گا۔  
 فسانہ عجائب کے حسن بطور محنتی نسخے کام میں نے آپ سے ذکر کیا تھا، وہ طبع الازار الہی الہ آباد کا  
 "فسانہ عجائب مع حاشیہ خزانہ غزالی" ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ مولانا احسن مارہروی کا رتبہ کرہ ہے۔ فرزند  
 مشکوک نقابات کو یوں پڑھا جائے: (۱) فقیر نے پڑھا ہی وہ بھی (۲) کہ اوہیں گنگوڑ - [گنگوڑ پڑھا ہی تھا ہی  
 = آگئی، چالکی] (۲) دوتے کے داؤ پر ادھی نہ لگان، ایک روپیہ پورا خواہ سو، کہم دیا پو، سیکڑوں لاد لکھنا، پڑھا ہی  
 [منجے گئے = بار میں رہے: سچ سے نہ بچے گئے = سچ نہ ہند رکھا] دکن کا بیجا = دکن کا سہ جا ہوا، سچ سے: اصل تو ایک ہی ہے  
 (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰)  
 سچا اور سچا ہے - کرن اور بات کھینچ میں اسے تو بکھریں طبع فرمایا۔

نیاز شدہ:  
 محمد اسلم

خدمت گرامی:  
 محرم محمد احسن خاں صاحب  
 م ۳، راوی بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔



بہ نام پروفیسر محمد عابد ضیائی

Dated 21.6.1989.

عزیز مکرم عابد صاحب! سلام و رحمت

آپ کا جس جوں کا توں ملا کلماتِ خیر کے لیے تہ دل سے بہنوں ہوں اور آپ کے  
 مخلصانہ جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے اور اپنے والد سے بھی دعاؤں کے لیے کہیں۔  
 آپ نے گفتگو کو استعارت کرانے کے لیے جو دل جسی لی اس کا بھی تذکرہ۔  
 تیرا ستارہ روبر طبع ہے۔

خیر اندیش:

بخم الاسلام

# مکتوبات بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام

ڈاکٹر وحید قریشی

بِاقْبَالِ كَاتِبَاتِنَا مِنْ مَجَلَّةِ

## IQBAL

A Quarterly Journal of Basm-i-Iqbal  
27 CLUB ROAD, LAHORE (PAKISTAN)  
EDITOR: Dr. Waheed Qurashi



# اقبال

شعبہ روزنامہ لاہور فون ۶۳۶۳۰۵۲

پراغہ لاری، ڈاکٹر وحید قریشی

حوالہ : ۶۶۵

مورخہ : ۹۲ - ۲ - ۲

ادرم بحم الاطلام صاحب

سلم

آج کا ایک اور گرامی ماں گنا ادھر کچھ اور کیا ہے؟

یہ بھی انشاء اللہ ارسال خدمت ہوگی۔

مرسالہ تحقیق کے سلسلے میں آج سے جو عہدہ ایجاب و انہام ہے

سہاوت سائبت ہیں۔ تحقیق کے امور کے سلسلے میں میں سے اس میں کیا ہے

ادب کا تحقیقی مطالعہ کے شروع میں ایک مضمون لکھا تھا آج کے مقالے

کا۔ والسلام

آج کا

مقالہ

Dr. Waheed Qurashi

Dr. Waheed Qurashi

Dr. Waheed Qurashi



ڈاکٹر مختار الدین احمد  
سابق استاد شعبہ عربیہ و اسلامیات یونیورسٹی علیحدہ

۱۳۰۹ھ  
۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
۱۴۰۰ھ کی تاریخ کا گیارہواں روز جمعہ کو صبح ۵ بجے  
۱۰ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱۱ بجے کو کھانا کھا کر  
۱۲ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱ بجے کو کھانا کھا کر

پھر ۲ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۳ بجے کو کھانا کھا کر  
۴ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۵ بجے کو کھانا کھا کر  
۶ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۷ بجے کو کھانا کھا کر  
۸ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۹ بجے کو کھانا کھا کر  
۱۰ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱۱ بجے کو کھانا کھا کر  
۱۲ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱ بجے کو کھانا کھا کر

۱۳ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱۴ بجے کو کھانا کھا کر  
۱۵ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱۶ بجے کو کھانا کھا کر  
۱۷ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۱۸ بجے کو کھانا کھا کر  
۱۹ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۲۰ بجے کو کھانا کھا کر

۲۱ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۲۲ بجے کو کھانا کھا کر  
۲۳ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۲۴ بجے کو کھانا کھا کر  
۲۵ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۲۶ بجے کو کھانا کھا کر  
۲۷ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۲۸ بجے کو کھانا کھا کر  
۲۹ بجے کو کھانا کھا کر پھر ۳۰ بجے کو کھانا کھا کر

جلد ۱۰  
۱۰/۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روز ۱۵ خجندیہ اور اجماع لا۔ اس کے لئے نام لکھو اور خجندیہ کا نام اور جو ۱۵ خجندیہ کے لئے  
و ظاہر ہے اس وقت تک اس کو نہیں ملا اور اس کو فرود کرنے

رسالت لکھو کہ جو روز خجندیہ ہے وہ روز اکیس و بیس ہے۔

خدا ۱۵ خجندیہ کے خجندیہ سے مراد ہے۔ ہمارے ہندوستان پر آج کل کا کوئی اندیشہ نہیں

تو ابی ہر روز ہر سال کے ہر روز کے لئے۔ ہندوستان کے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے ہر روز کے لئے

ڈاکٹر جمیل جالبی

ڈاکٹر جمیل جالبی

ز - ۱۹۳۷



دارالعلوم

- فروری ۱۹۹۲ء

محترمی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب، السلام علیکم

"تحقیق" کا ہانجواں شمارہ موصول ہوا جس  
کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے چند سال کے عرصے میں  
اس مجلے کو معتبر بنا دیا ہے۔ آج کل آپ کے اس  
شمارے سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔  
امید ہے آپ بھر وصالیت ہوں گے۔

آپ کا مدنی

جمیل جالبی

(ڈاکٹر جمیل جالبی)



صدر نشین

تاریخ: ۲ - ستمبر ۱۹۹۲ء

فون: ۵۱۳۹۳۸  
کمر: ۸۵۱۳۳۷

ڈاکٹر جمیل جالبی

ذ - ۱۹

محترمی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب، السلام علیکم

"تحقیق" کا ساتواں شمارہ موصول ہوا جس  
کے لیے تو دل سے شکر گزار ہوں۔ پچھلے شمارے کی  
طور پر شمارہ بھی معیاروں، تحقیقی مضامین پر مشتمل  
ہے اور آپ یقیناً مبارک بار کے مستحق ہیں کہ اس  
دور میں بھی علم کی شمع آپ کے ہاتھوں روشن ہے۔  
امید ہے آپ بھیر و عافیت ہوں گے۔

آپ کا مخلص

جمیل جالبی

( ڈاکٹر جمیل جالبی )

پروفیسر نظیر صدیقی

Sector 9-10/2

Islamabad - 44800

الذیبر ۱۹۹۸

کرم فرماتے بندہ ڈاکٹر نجم اللہ سلیم صاحب سلمہ دنیا  
 سالہ تحقیق کے شمارہ خاص کا اشتیاق اللہ - مصنفہ یاہ اور  
 کے محروں ہوں۔ رسالے اور کتابیں خرید کر پڑھنا تو  
 لیکن میری فوج خرید نہ ہونے کے برابر ہے۔ لہذا میں  
 تاہم کہ خدا آپ جیسے محقق اور صاحب علم کو سمجھنے کے  
 کے تاکہ آپ علم کے خزانے میں پیش ہوا اضافہ کر کے  
 بے معذور ان اضافوں کے مستفید ہو سکیں یا نہ ہوں کیونکہ  
 اچ کرانی نچر ہوگا۔

نظیر صدیقی



ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی

مظہر محمود شیرانی

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ  
تاریخ ۱۳ اپریل ۱۹۸۱ء

محمود شیرانی روڈ، سید محمد پور  
شیخوپورہ

محرمی ڈائر صاحب - سلام سنون

یاد فرمائیں گا شکریہ۔ امید ہے آپ نے معلومات کی علیحدگی قبول کر کے  
کے طور پر محرم ختم الدین احمد آرزو صاحب کو یا ڈائر نذیر احمد صاحب کو ہی  
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔

تحقیق کے شیروں شمارے وصول ہوئے۔ ممنون ہوں۔

ایک نعمت ارسال خدمت کر رہی ہوں۔ اگر مناسب معلوم ہو تو تحقیق کے شمارے  
شمارے میں شامل کر لیجئے۔

میں محرم المعام ڈائر عندم بصلیٰ خان صاحب کی خدمت میں ان کی زلفت کے  
پیش نظر براہ راست عرضہ پیش کیا۔ عنہا ملاقات ان کو مزید ڈائر  
سخا احمد صاحب کو براہ سلام پیش کر دیجئے گا۔

والسلام

اپنی طرف  
مظہر محمود شیرانی

## ڈاکٹر سید حسن عباس

ایران - ایرون

انقلاب - خیابان ۱۶ آذر  
تہران ۹

۱۴۱۷۴  
۱۴۱۷۴

مستون  
اسیڈر نزارج گڑھی بھیری کا کافی عرصے بعد آپ کی خدمت میں  
فطرت کتب کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ تا فر ک و صبر رسالہ تحقیق شمارہ  
۵ کا انتظار تھی اور اب بھی ہے کیوں کہ آپ کی جانب سے  
ارسال کردہ میرے مقالے ایران میں اردو خطوطات کی سات آف  
پرنٹس تو مل گئیں مگر رسالہ اب تک نہیں ملا۔ اگر مکان میں تو  
دوسرا گا کی بھیج دیجئے۔ عارف نوشتہ صاحب نے بھی آپ کو بتایا کہ  
رسالہ نہ تو بھیج ملا اور نہ ہی دائرۃ المعارف کے دفتر میں آتک پہنچا ہے۔  
بہر حال اس خط کے ذریعے آپ کی محبت کا شکر ادا کرنا مقصود ہے اور  
رسالہ صحیفہ لاہور میں "گڑ بنامہ" پر آپ کے مقالے کا عکس مطلوب ہے  
آپ جانتے ہیں کہ میں "اعمال و آثار میر غلام علی آزاد بنگلہ" پر لایچر  
کے لیے تحقیق مقالہ لکھ رہا ہوں اور اس کے لیے ایک جھوٹا سا اردو رسالہ بنانا  
آزاد بنگلہ کے نام سے شائع ہوا تھا لہذا اس رسالے پر کتب و وقت آپ  
کے مقالے گڑ بنامہ کا ہونا میرے لیے ضروری ہے چونکہ صحیفہ کا کوئی شمارہ  
ہاں دستیاب نہیں ہے لہذا اس کام کے لیے براہ راست آپ سے رجوع  
کر رہا ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ میرے لائق کوئی خدمت دہ  
خدمت خیر فرمائیں۔ سر اور محترم عارف نوشتہ صاحب خیر ہیں

آپ کے جواب کا نشہ سے انتظار کر رہا ہوں۔ والسلام

عید رسالے دو چار ماہ قبل چھوٹے تھے سید حسن عباس

۱۱/۸/۹۲

میلے ڈول کے اگر توجید انٹرنیٹ پر اردو  
عربی کے پرانے شمارے چاہیں تو چھوڑ سکتے  
ہوں۔ شکر ہے کہ لاہور میں رہیں گے۔

تہران  
29/5/93

۲۸۹

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

سلام مستنون

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ ایک عرصے سے آپ کو کون سا خبر  
نہیں ملی خدا کرے آپ اطمینان خاطر کیا تو اپنے علمی ادب اور تحقیقات  
کاروں میں مشغول و تنہا ہوں گے۔ آپ جس محبت و خلوص اور محنت  
عالمگشاہ سے مجھے تحقیق نکال رہے ہیں واقعہ علمی ادب دنیا میں بہت  
نبردست اضافہ ہے اور جب جب وقت گزرتا جائے گا اس رسالے کی  
اہمیت بڑھتی جائے گی۔ میں نے "اردو نخطوط" کی تلاش کا کام  
خارج رکھانے اور مزید پندرہ بیس نخطوط تلاش کئے ہیں جنہیں ایک  
ترتیب کیا تو آپ کی خدمت میں جلد ہی روانہ کروں گا۔

میں آپ کے شعبے کے لئے وقتاً فوقتاً اسلاموفونوغرافی کے رسالے  
جیسا رہتا ہوں جو یقیناً آپ کو ملتے ہوں حال ہی میں فارسی تراجم کی ایک  
کتاب "دستور پود مند" بھی آپ کے لئے بھیجی ہے۔

میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اگر امکان ہو تو تحقیق کے بعینہ جاری شمارے  
راہب سے جاری میرے لئے زمینی ڈاک کے بھیج دیجئے تاکہ وقتاً فوقتاً ان سے  
استفادہ کروں گا خاص کر آپ کی مرتب کردہ سندھی ادبی بورڈ کے نخطوطات  
کی فہرست تو ہر حال میں مطلوب ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں وہی اگر مذکورہ  
چاروں شمارے بھجوادیں تو بے حد ممنون ہوں گا۔ برادر محترم غارف نوشتہ ہی صاحب  
کی ایچ ڈی مکمل ہو گئی ہے ۶/۵ کو طلبہ دفاع تھا جو حسن و خوبی انجام پائی  
اب دوسرے ڈاکٹر جو چکے ہیں وہ ایک دو ماہ بعد انتہا دلدادہ پاکستان چلے جائیں  
آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔ میرے لائق کونوں خدمت ہو تو ضرور حکم فرمائیں  
واللہ اعلم بالصواب

باب! چند ماہ ہوئے "ایران میں غالب شناسی" پر ایک تفصیل مقالہ  
ابنیں روانہ کیا ہے۔ اب آپ کو مقالہ "ایران میں اقبال شناسی" زیر تکرار ہے اگر آپ کو بھیجوں  
پراخیال سے تو اس طرح "ایران میں بیول شناسی" و "ایران میں خسرو شناسی" وغیرہ جاری ہیں۔  
غیر تکرار ہے اگر آپ کو بھیجوں۔  
دعوت ہے کہ آپ کو بھیجوں۔  
غیر تکرار ہے اگر آپ کو بھیجوں۔  
غیر تکرار ہے اگر آپ کو بھیجوں۔

## جناب سید سبط حسن رضوی



# دانش

ضلع بنیلا پبلک اسکول، بنیلا، ضلع بنیلا، پاکستان

۲۰۱۳

جناب محترم نجم الاسلام صاحب مدیر تحقیق

وعلیکم السلام آپکا خط مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۱ء موصول ہوا مجلہ دانش میں جو مقامیں شائع ہوتے ہیں انکی نقل یا ان سے اقتباسات یا انکا ترجمہ شائع کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ مجلہ دانش کا حوالہ واضح طور سے درج کیا جائے آپکی گرامس نامہ کے جواب میں اس خط کو ہماری طرف سے تحریری اجازت بصورت فرمائیں آپکا مجلہ تحقیق ہمکو وصول نہیں ہوتا ہے۔ اپنی فہرست میں "دانش" نامہ بھی شامل کریں۔

ارادتمند

سید سبط حسن رضوی

(سید سبط حسن رضوی)

## محترمہ ایم سلطانہ بخش

حزرم ڈاکر صاحب!

سلام و آداب .

دو لپتے قبل آپ کا عنایت نامہ اور تحقیق "کاٹاڑہ" شمارہ

وصول ہوا۔ میں بہ حد ممنون ہوں۔

آپ نے جس طرح میری حوصلہ افزائی فرمائی، اس کے لیے شکریہ قبول کرنے

بہیاری طور پر تو میں تحقیق کی طالب علم ہوں۔ جو ادارہ میں نے قائم کیا وہ اور کار کا سلسلہ ہے۔

لنڈن اپنے لیے پہلی ضروری ہے۔ لیت سوچ بچار کے بعد پیشہ نگار کا کام شروع کیا۔ لکھنے آپ

جانتے ہیں کہ اب مطالعہ کا ذوق و شوق الیٹراٹک میڈیا کی نذر ہو گیا ہے۔ تاہم مارکیٹنگ

کے لیے شروع میں میں نے عظمت کی کتاب کے ہروشہ تمام بک سیلز کو بلجیے۔ دو ایک نے جواب

دیا۔ کچھ ذاتی کوششوں سے کراچی کے دو بڑے اداروں سے 50'50' کتبیں منگوائیں۔

ملتان کے ایک بک سیلز نے منگوائیں۔ لاہور میں فیروز سنز، شعاع ادب اور اظہار سنز

نے 70 کتبیں منگوائیں۔ راولپنڈی میں کچھ بھیجی گئیں اور اسلام آباد میں جہاں

جہاں میری دلچسپی تھی کتبیں بھیجی دیں۔ اس کا مطلب یہ ہے مارکیٹنگ کے سلسلے میں

جتنی کوشش کی گئی تھی۔ نتیجہ 25% رہا۔ امید ہے کہ یہ کتب آہستہ آہستہ نکل جائیں گی۔

میں نے اپنا بڑا ڈیپ کا مقالہ "لنڈن" کے کتب کی شکل دے دی ہے۔

داستان اور خراج "کے عنوان سے مغربی پاکستان اوردو ایڈیٹی لاہور، شائع کر رہی ہے۔

آج کل ایک قحطی درگم کر رہی ہوں۔ "داستان رنگین نگار" اس کے مصنف

عظمت اللہ تیناز ہیں لیکن عرصہ دو سال سے ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں کوشاں ہوں

اور نا کام ہوں۔ تمام تذکرے قاری نہیں اور دیگر وار جہاں مارا۔ اس داستان کے نئی نسخے دستیاب

کرنے میں۔ اگر آپ کے پاس جو پورے حکیموں پر کئی کتب پر توجیہ الملغ دیکھیے۔

یہ نسخہ 1810ء کا ہے۔

تحقیق "کے شمارہ کے لیے بہ حد ممنون ہوں۔ میرا لائن کون

خدمت پر تو میں حاضر ہوں۔ اسلام آباد سٹریٹ لائبریری تو ملاقات کی سبیل ہو۔

بہ حد شکر ہے کہ سادہ تلفظ

ایم سلطانہ بخش

اسلام آباد

پورے، جام حورو۔

پروفیسر سید محمد سلیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پروفیسر سید محمد سلیم

تنظیم مشعل

۳۰ - بہاول شہر اردو

زنگ - لاہور

۲۷ اکتوبر ۱۹۹۱

مکرمہ قوم جناب ڈاکٹر - زید کدیم  
اسم مکرمہ دتہ ارشدہ - ڈاکٹر - ڈاکٹر

تحقیق مدعوں پر - بہت پسند آیا - جناب ڈاکٹر  
تحقیق کی مجلس دتہ میں شرکت کی جائے - ایک ترجمہ  
شدہ مضمون پڑھا - وہاں اس کی ترجمہ - مدعوں حالت  
میں ترقی - تمام مضمون کی حالت میں ہے اس لاش  
وہ مجلس تحقیق میں بار پانے ۵ اپنی ترجمہ دیا جائے  
ترجمہ اپنے کسی شاگرد کو فرمادیں کہ وہ حاشیہ لکھ  
نوشاید بار میں لکھے -

اور اگر بالفرض یہ ۵ شعور ہو تو یہ لکھ دے  
کہ میں اس اعتراف میں مستحق کرادوں گا -  
یہ ایک معلوماتی مضمون ہے -

ڈاکٹر عنقریب معلقہ اخبار کے معلقہ ان لفظوں سے کسی  
معداات حاصل ہوگی - اسے لکھو ان کو مدعوں کو عطا کرے  
اور ان کے قلم کو سبب دے - پھر ان سے مدعوں کو  
برادر مضمون سید عبد الرشید کی ناکو کا مضمون پر سید زید کدیم  
ترجمہ - شہید حیدر آباد - حیدرآباد - گراہی مضمون  
سید مدبر چید جادوں کا -

معداات میں کس کا ہے - اسے لکھو ان کو مدعوں کو عطا کرے  
تیا جب - اور یہ سید رشید کدیم کا ان کی مدعوں پر ہوتی - ش  
حاشیہ مضمون - لکھو -

مکرمہ قوم جناب ڈاکٹر  
بہاول شہر  
عبد حیدر آباد  
شعبہ اردو

جناب ظہیر احمد صدیقی

Dept. of Urdu  
Delli University  
20.3.90

محترم نجم الاسلام صاحب اسلام منٹون

آج کا عنایت نامہ اور جلد 'تحقیق' موصول ہوا۔ اس لطف خاص کے لیے ممنون ہوں۔ یہ بڑھ کر خوشی ہوئی کہ تحقیق کا آئندہ شمارہ پروفیسر غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ کی خدمات سے تعلق ہوگا۔ اس کا رخصتے کے لیے آج کو مبارکباد دیتا ہوں۔ حقیقت ہے کہ ذیل نام مصطفیٰ صاحب کی ذات گرامی علم کی آبرورکن ہے۔ ان سے بزرگوں کی ذات ہے جو رحمت خداوندی کا سایہ ہی ہوئی ہے۔ خدا ان کو زندگی جاوید موت کے ساتھ عطا کرے۔

میں ان شاء اللہ کو سنٹی کروں گا کہ جلد کوئی مضمون حاضر خدمت کروں۔ یہ میرے نئے سادت ہوگی۔ اس کا اندازہ ہو جائے تو اچھا تھا کہ مضمون کب تک درکار ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ قبلہ غلام مصطفیٰ صاحب سے ملاقات ہو تو برا سلام نیا زخدا نہ ہو نجاتی اور دعا کی درخواست کر رہے۔

نماز مند

ظہیر احمد صدیقی

سید جمیل احمد رضوی



PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY  
LAHORE - 2/12

Phone: 52222

67962

7.7.1987

موتری ڈاکڑ صاحب!

السلام علیکم۔ نقوش ایوارڈ ملنے پر یہ مبارکباد پیش کرتا  
ہوں۔ کل بلڈن لاہور میں نقوش کے مورخ فضل نیر کی افتخانی  
تقریب تھی۔ اس میں نقوش ایوارڈ کی تقسیم ہونے پر بھی  
کہا گیا۔ آج بھارت میں بھی اس کا ذکر ہے۔ خداوند عالم  
آپ کو عینت کریمہ کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

واکھس

سید جمیل احمد رضوی

محمد حنیف

جناب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب



ڈاکٹر ظفر اقبال



Dr. Zafar Iqbal

Dept. of Urdu University of Karachi Karachi - 75270

محترم ڈاکٹر صاحب  
سرم صنون

آپ کا مکتوب گزری مدد حاصل ہوا۔ تحقیق کے حالیہ شمارے بابت جاوید اقبال صاحب سے  
بالشمارہ گفتگو ہوئی جس میں اس میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ ان شمارے کی تم از ہم دو نمایاں میرے لیے اور تین  
نمایاں مشیر نے دیگر اساتذہ کے لیے بھجوا دیں۔ گذشتہ ماہ میرا ارادہ ہے کہ وہ آباد آئے گا تا کہ  
۲۳ اکتوبر کو مجھے ہارٹ ایٹک ہوا جس کی وجہ سے پہلے تو میں ایک ہفتہ اسپتال میں داخل رہا  
اور اب جو ہفتہ کے لیے جبری آرام پر ہوں۔ آپ کے اس دعا کی درخواست ہے۔  
آپ کی ذرا لکھی تحقیق کی پانچ نمایاں مجھے بھیجنا دیکھیں گے۔

ظفر اقبال

۲۱ نومبر ۲۰۰۷

جناب ابو سعادت جلیلی

سلیمان پلازا سی ۱، گلشن اقبال  
کراچی ۴۴، پاکستان ۷۵۳۵۵

۹۵۰۹

عشر النوار حضرت نجم الامام  
سلام، ابراہیم

برکت نامہ بقدر تاخیر تو لکھ رہا ہوں، وجہ تشکر۔

فہم اے اب اب لکھ، وہ مع الجزیرہ۔

غزیرہ کو ترند و تمولینی کے نائل کری ابراہیم۔

حکمتیں شمارہ ۹۳ کا اطلع انتقاد و اثناف سے

کار لائے میں فکر زائر، فریت دعائیت سے مستور۔

کم تر مصلح  
ابو سعادت جلیلی

جناب ابوسفیان اصلاحی

محترم و مہتمم جناب ابوسفیان اصلاحی صاحب مدظلہ العالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو علم و فضل سے نوازا جائے اور آپ کو ہر کام میں کامیاب و سربلند رکھے۔

THANK

ابوسفیان اصلاحی

13-6-93



جناب محمد احسن خاں

ستمبر ۱۹۹۸ء

محرمی نغم الاسلام ماہ، السلام علیکم

آپ کا ۲۵۔ اگست کا لڑائی نام مجھے یہ تاخیر یعنی آٹھ روز بعد ۲۔ ستمبر کو ملے  
بار زنگ کے لیے ممنون ہوں

سنا سہیلے ۶۔ اگست کو تحقیق، گا گزراں جری نری ہی مل گیا تھا جس  
۷ رسالہ پلنے کا اطلاق در شتہل ایک خط چند روز بعد ہی لکھ لیا تھا بلکہ بروہ  
ڈاک کے حوالے نہ کر سکا۔ سخت تادم ہوں

سبھی جواب میں در اس لیے پورا ہم میں اپنی ہی لوری کوشش کرنا، آگ کسی کو  
ڈاکر صاحب تریبی ملک کے ہاں میرا دن اور ان کے <sup>رہنے کے لیے</sup> تاثرات آپ تک پہنچاؤں  
بلکہ ان دنوں میں شدید معرقت اور پریشانیوں کا شکار ہوں اس لیے ان سے  
فرزیرا۔

بند روز ڈاکر صاحب آپ کی محنت اور احتیاط بندہ کی بہت قربت کر کے ہمارے ہمارے  
۷ مرے بطورہ معززوں کے میں کو درست نہ سمجھنے کی وجہ سے راہ نام کر کے  
صحیح میں حاصل کیا اور ہر معاشقہ میں ہر اعفرں جہا ہے۔ ہر جہت سے ہمارے  
حیا تک رہے تاثرات ہر نکلنے کے کچھ باب سے کم مجھے رسالہ بہت لہذا آتا ہے۔  
صحیح میں سے ہر آپ کو ہر ایک کے ہر ایک سے ہے!

میں ڈاکٹروں کو تحقیق کے آئینہ شامی ہی اس صبار کے بلکہ اس سے ہی زیادہ  
 صبار کے حامل ہوں۔ اس بات کے لیے آب ماہیہا ہوں کہ آپ نے پرانام اوتنا و سلسلہ میں شامی  
 نظر میں نسبتہ صاب کی حالت اب بہتر ہے ابی اور کیا ہیں۔ غالباً دستاورد میں  
 اکتان تشریف لایے ہیں۔ شامی اور کیا پہنچ کر ان ماہیہ ۱۵۔ پونڈ سے ہی زیادہ ہوا  
 ہے۔ یہی وہ صاب ہے کہ مسیحا صاب بانگشاہ پہنچ کر ہر پور علمی دادی زندہ کی تڑپیں  
 صبر یعنی صاب ہی صوم کپڑے ہیں

نہ سے زرا عترت بہ خوبی صاب۔ وال صوم  
محمد آس

خواجہ علی احمد صاب ماہیہ نام (دو طبقہ میں) آپ کے پاس ڈال سے  
محمد آس

## جناب حق نواز خاں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گورنمنٹ ہائی سکول شمس آباد  
ضلع الہنگ  
۶۳۶۹۵ - ۶۳۶۹۵  
مورخہ..... ۱۹۹۲ - ۱۵ - ۲۴

حق نواز خاں  
ہیڈ ماسٹر

DISTT. ATTOCK

محترم جناب ڈاکٹر صاحب

بعد تحقیق کے بخیراتہ بڑے شامیے - از سر تکرار -  
برہم کے اپنے شیخ سے شہادت کہ مکمل فریٹ ہو اور اس پر بھی مکتوب  
میرزا کے جوہر ضروری فرستیں ان کے مجموعی قیمت کیے اور اس پر  
مکتوب رعایت کرنا ہے؟  
آپ کے کتاب "دین وادب" اور دیگر کتب کے حصول اور قیمت سے بھی آگاہ فرمادیں۔ دیکھ کر  
آپ کے جو کتب سیمینار ہو رہا، اس میں پڑھنے کے مقاصد چھپتے ہیں۔ ان کے حصول  
کا طریقہ کیا ہے؟

برہم کے بعد تحقیق کے آئینہ ستاروں سے بھی آگاہ رکھ کر اس کو فریٹ از سر تکرار  
یوگا۔ آپ کے عقیدت لہو سے ۶۹ میں خاتیرہ کے مقالے پر بلا کر مکتوب بھی لکھا  
بیکر سونے۔ کیونکہ وہ آپ سے جتنے سے سیراب ہوتے ہیں ان کے تہ  
تو مسلم ہے۔ میری مراد اسے ڈالنا کہ تم نے ڈاکٹر غنیمت سے  
مذللہ ہے۔ ہذا ان کے بھراؤ ہے!  
آپ سے مزاج حال عزیز ہے۔

فقط نیاز ہے  
۱۱۹

(حق نواز خاں)

SHAMS ABOAD  
DISTT. ATTOCK  
(PANTJAB) PAK

پروفیسر محمد یوسف خشک

SHAH ABDUL LATIF UNIVERSITY  
KHAIRPUR SINDH PAKISTAN

۱۹ ستمبر ۹۶

۹

گرامی مرتبت، فیض درجت پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام  
سیلام نیاز

بعد اہدیہ سیلام، شیازمندانہ گزارش ہے کہ شعبہ اردو جامعہ شاہ  
حیدر پور نے ایک تحقیقی مجلہ "العماس" کے نام سے جاری کیا ہے۔ جس  
نقشہ اول آپ کے سامنے ہے۔ وصول یابی اور ذاتی رائے سے مطابقت  
فرمائیں گے شکریہ۔

۱۰

جناب والا ملک کے مقتدر ادبی رسائل حضور کی عکاشات  
سے مزین نظر آ رہے ہیں۔ آپ کی ادبی کاوشیں اور میدان تحقیق  
جناب کی مساعی جلیلہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ العماس کے  
ثانی کے لیے آں جناب سے استدعا ہے کہ زبان و ادب کی سرپرستی کرتے  
اپنے فیوض سے آپ جامد کو مستفید فرمائیں گے۔

آپ کی عکاش عالیہ کاشدت سے انتظار رہے گا تا  
نقاشی نقش ثانی کو اول سے بہتر و برتر کر سکے۔

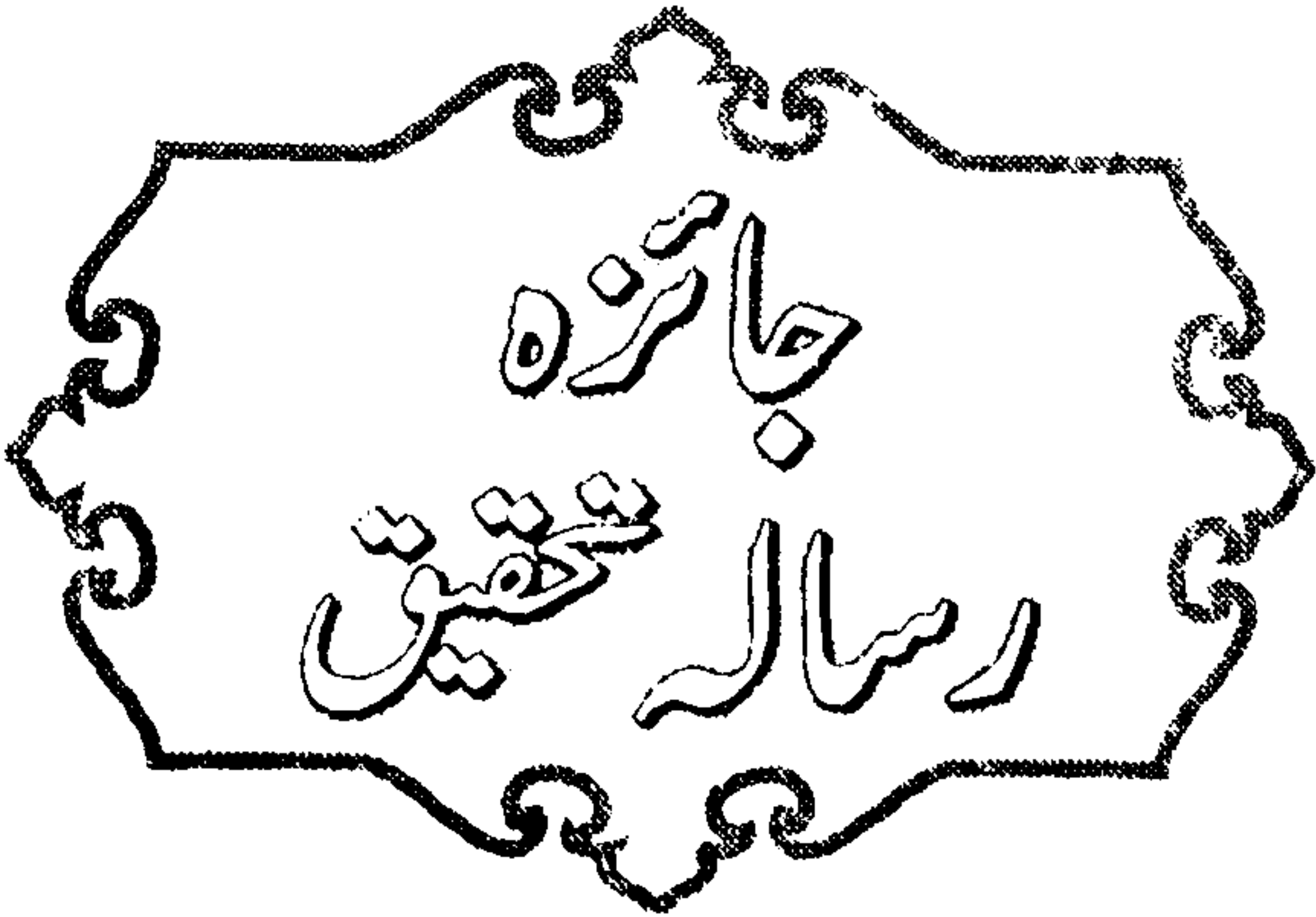
والسلام

آپ کے تعاون کا امتنا

۱۹-۹-۹۶

محمد یوسف خشک

مدیر العماس







## اشاریہ تحقیق

شعبہ جاتی تحقیقی جرنل "تحقیق"

شعبہ اردو، جامعہ سندھ، جام شورو

مدیر: ڈاکٹر نجم الاسلام

شمارہ-۱ (۱۹۸۷ء) تا مشترکہ شمارہ، ۱۲-۱۳ (۹۹-۱۹۹۸ء) کا اشاریہء مضمولات۔

مقالات	مضامین	شمارہ نمبر
☆ لہجہ اہم ڈار، محمد، پروفیسر	۱۱ صفحات	۱۰-۱۱
ادویان خواجہ معین الدین چشتی اجیری	گوشہ تحقیق منسوبات	۱۰-۱۱
☆ اختر جو ناگڑھی، احمد میاں، قاضی	۶ ص	۸-۹
ادور آخر کا ایک غیر مطبوعہ مضمون	گوشہ اختر	۸-۹
"خواجہ بزرگ" (مخزونہ کتاب خانہ مشفق خواجہ)		
۲- یادداشتہای اختر (ایضاً)	۲۰ ص	ایضاً
۳- تزک اختر: ایک نا تمام نیف کے اجزاء (ایضاً)	۵ ص	ایضاً
۴- سعدی کا سلسلہ سومات		
(انگریزی۔ کانفرنس پیپر۔ خلاصہ)	۳ ص	ایضاً

۵۔ مرزا غالب اور امیر مینائی

۱۱-۱۰	گوشہ تحقیق منسوبات	۵ ص	(بہ سلسلہ غلط انتساب کی ایک مثال اور اس کا رد) ☆ ادارہ (ڈاکٹر نجم الاسلام، مدیر تحقیق)
۹-۸	گوشہ اختر	۱۲ ص	۱۔ معاصر رسائل کے ساتھ قلمی تعاون۔ ۲۔ باقیات اختر
ایضاً	ایضاً	۲ ص	۳۔ سپاس نامہ کارکنان انجمن۔
ایضاً	ایضاً	۱ ص	۴۔ تصانیف تراجم اختر
ایضاً	ایضاً	۹ ص	(مخزونہ کتاب خانہ مشفق خواجہ) ۵۔ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ
۱۱-۱۰	گوشہ بلوچ	۲ ص	کے مطبوعہ علمی کاموں کی فہرست ☆ الطاف علی بریلوی
ایضاً	ایضاً	۳ ص	۱۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزہمی۔ ☆ الیاس عشقی، ڈاکٹر
۶		۴ ص	۱۔ بیاض دولت رائے سندھی کے متعلق اضافی نوٹ
۶		۸ ص	۲۔ مشر اور صاحب مشر
۷		۱۶ ص	۳۔ دوہے کافن۔۔۔۔۔ چند تصریحات
۹-۸	گوشہ اختر	۳ ص	۴۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزہمی کی یاد میں
۱۳-۱۲			۵۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا مطبوعہ مقالہ علمیہ : ”حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات (اول)“
ایضاً		۷ ص	۶۔ کتاب ”قاضی عبدالودود: تحقیقی اور تنقیدی جائزے“ مرتبہ پروفیسر نذیر احمد کا ایک مطالعہ۔ ☆ امیر اللہ شاہین
۱۱-۱۰	گوشہ تحقیق منسوبات	۱۱ ص	۱۔ پرتھوی ران راسو کی تاریخی حیثیت

			☆ امیر حسن عابد، سید
ایضاً	ایضاً	۸ ص	۱۔ بلبلہ بہ عیش کوش والا شعر کس کا ہے؟
ایضاً	ایضاً	۱۳ ص	۲۔ دیوانِ مخفی
			☆ انیس شاہ جیلانی
۹-۸		۲ ص	۱۔ دو مکتوباتِ اختر بہ نام حیرت
			☆ ایوب قادری، محمد، ڈاکٹر
۱۱-۱۰	گوشہ تحقیق منسوبات	۱۰ ص	۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب بعض رسالے
			☆ آصفہ زمانی بیگم، ڈاکٹر
ایضاً		۱۳ ص	۱۔ غالب کے غیر متداول کلام کی واحد مکمل شرح
۵		۲ ص	۲۔ صغیر میں فارسی تحقیق کے عناصر اربعہ (تفصیلاً)
			☆ جاوید اقبال، سید
۲		۶۱ ص	۱۔ مطالعاتِ امیر
			۲۔ افاداتِ امیر، (مکتوباتِ امیر کا ایک غیر مطبوعہ
ایضاً		۳۷ ص	ذخیرہ اور اس کے افادات)
۴		۵۰ ص	۳۔ دفتر امیر اللغات
۵		۵۸ ص	۴۔ معتمدین دفتر امیر اللغات کے مکتوبات
۱۱-۱۰	گوشہ تحقیق منسوبات	۱۸ ص	۵۔ امیر مینائی سے منسوب ایک قصیدہ
۱۳-۱۲		۳۱ ص	۶۔ اردو تقریر نگاری
			☆ جمیل احمد رضوی، سید
		۱۹ ص	۱۔ اشریہ سازی
			☆ حبیب الرحمان اعظمی
۱۱-۱۰	گوشہ تحقیق منسوبات	۷ ص	۱۔ الذخائر واللحج کس کی تصنیف ہے؟
ایضاً	ایضاً	۵ ص	۲۔ مبارق الازہار کس کی تصنیف ہے؟

☆ حسام الدین راشدی، سید

۱۔ ذکرِ اختر

۳ ص گوشہ اختر

☆ حسن عباس، سید، ڈاکٹر

۱۔ ایران میں اردو مخطوطات

۲۳ ص

۲۔ آزاد بلگرامی سے منسوب آثار

۶ ص گوشہ تحقیق منسوبات

☆ حسینی شاہد، ڈاکٹر

۱۔ رسائل شاہ امین الدین اعلیٰ

۱۷ ص ایضاً

☆ حفیظ قتیل، ڈاکٹر

۱۔ معراج العاشقین کا مصنف؟ (تلخیص)

۱۴ ص ایضاً

☆ حنا عنبرین

۱۔ خدا بخش لائبریری جرتل میں

۷ ص ایضاً

تحقیق منسوبات سے متعلق مضامین

☆ خضر نوشاہی

۱۔ فہرست ذخیرہ مخطوطات ڈاکٹرنی بخش خاں بلوچ

۹۴ ص

(مخزنہ سندھ آرکائیوز، کراچی)

☆ خلیق انجم، ڈاکٹر

۱۔ غلط انتسابات کے اسباب و وجوہ

۵ ص گوشہ تحقیق منسوبات

(چند تصریحات مع امثلہ)

☆ خورشید احمد خاں

۱۔ نوٹس سمج بخش سے منسوب اردو کلام کی اصل حقیقت ۹ ص ایضاً

☆ رابعہ اقبال، مسز

۱۔ رسالہ "عصمت" کا پاکستانی دور

۱۵ ص

۲۔ اردو تحقیق کی ترقی میں پاکستانی خواتین کا حصہ

۴۴ ص

- ۳۔ پاکستانی خواتین اور اردو تحقیق۔ (پی ایچ ڈی کے  
چند غیر مطبوعہ مقالات تحقیق کا جائزہ)  
۴۔ اردو میں تحقیقی اصول و طریق کار سے متعلق  
توضیحی سرمایہ
- ۲۱ ص ۴  
۲۴ ص ۴  
۵۵ ص ۶
- ۵۔ نشاط کی بحث کہانی اور طالب کا تیرہ ماہ
- ☆ راشد بہان پوری
- ۱۔ مخطوطات ذخیرہ راشد بہان پوری  
(مخزونہ مرکزی کتاب خانہ، جامعہ سندھ)
- ۲۔ مجمع البحار پر تحقیقی نظر
- ☆ رفیع الدین اشفاق، سید، ڈاکٹر
- ۱۔ اقبال کی نعت گوئی  
۲۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
- ۱۵ ص ۳  
۲۱ ص ۴
- ☆ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر
- ۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی اقبال شناسی  
☆ ریاض الاسلام، پروفیسر
- ۱۔ ملفوظاتی ادب کے لیے ایک منہاج تحقیق  
کی ضرورت۔ (تلخیص)
- ۱۰ ص ۵  
۱۱ ص ۴
- ☆ زاہد منیر عامر
- ۱۔ مہربان خاں رند سے منسوب کلام کی اصالت  
۲۔ تدوین، معیاری اسلوب کی تلاش  
۳۔ سید محمد میر سوز: سال ولادت کی تحقیق
- ۵ ص ۱۱-۱۰  
۶ ص ایضاً  
۹ ص ۱۲-۳
- ☆ سخاوت مرزا
- ۱۔ کیا صراحتاً التتقیم و جہی کی تصنیف ہے؟
- ۸ ص ۱۱-۱۰

☆ سردار احمد خاں، ڈاکٹر

۱۔ میر سوز

۷۰ ص

۲۔ میر سوز کا کلام: تجزیاتی مطالعہ

۹۴ ص

۳۔ میر سوز کے معاصرین اور ان کا نقابلی مطالعہ

۲۴ ص

۷  
۱۳-۱۲

ایضاً

☆ سعدیہ نسیم، ڈاکٹر

۱۔ مجروری "سے" کا مطالعہ

۳۶ ص

۲۔ ظرفی "میں" کا مطالعہ

۳۱ ص

۱

۲

☆ سلیم بیگ، مرزا

۱۔ سکینہ کی تاریخ ادب اردو

۲۸ ص

۲۔ "داستان تاریخ اردو" ایک مطالعہ

۹۴ ص

۳۔ سید محمد کی "ارباب نثر اردو" ایک جائزہ

۶۴ ص

۲

۳

۵

☆ سہیل بخاری، ڈاکٹر

۱۔ ادغام

۵ ص

☆ شبلی نعمانی

۱۔ امام غزالی کی محو ثقیہ تصنیفات

۴ ص

☆ شریف حسین قاسمی، ڈاکٹر

۱۔ صغیر کے مشائخ کی مجالس و آثار میں عطار کا ذکر

۲۲ ص

☆ شفیع بروہی، محمد

۱۔ مخطوطات ذخیرہ راشد بہان پوری

(مخزونہ مرکزی کتاب خانہ، جامعہ سندھ)

۹۴ ص

☆ شکیل احمد صدیقی، محمد

۱۔ دیوان منسوب بہ منصور حلاج

۴ ص

☆ شمس الدین صدیقی، محمد، ڈاکٹر

۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی انگریزی تصانیف

۱۵ ص

۱۱-۱۰

۴

☆ شوکت سبزواری، ڈاکٹر

۱۔ قادر نامہ غالب: غالب کی زندگی میں شائع ہونے والے تین ایڈیشن۔

۱۱-۱۰ ص ۲۲ گوشہ تحقیق منسوبات

☆ صغیر الدین، ابو الفتح، ڈاکٹر

۱۔ ینایح الحیوة اللابدیة فی طریق الطلاب القشبدیہ (چند قلمی نسخوں کا تعارف)

۷ ص ۷

۲۔ سندھی لولی بورڈ کا ایک دور عرفی مخطوطہ

۷ ص ۵

(رسالہ الفقرا الحمدی)

۳۔ متن رسالہ الفقرا الحمدی

۹-۸ ص ۲۷

تصنیف احمد بن محمد اہم الواسطی (م ۱۱۷۰ھ)

☆ ضیاء الدین اصلاحی

۱۱-۱۰ ص ۷

۱۔ عون المعبود کا مصنف کون ہے؟

ایضاً ص ۲۶

۲۔ تفسیر کبیر اور اس کے مکملے کے متعلق (ترجمہ)

☆ ظفر اقبال، ڈاکٹر

۱۔ معقنی کا ایک صاحب دیوان شاکرود:

۲ ص ۱۸

شیخ عبدالرؤف شعور

۳ ص ۶۳

۲۔ تاریخ کاغیر مطبوعہ کلام

۵ ص ۶۶

۳۔ مولوی نعیر الدین احمد: احوال و آثار

۶ ص ۳۷

۴۔ دیوان قدرت

☆ عارف نوشاعی، سید

۳ ص ۷

۱۔ پاکستان میں مخطوطات: مسائل اور تجاویز

۲۔ تذکرہ شعرائے کشمیر مؤلفہ اصح

۶ ص ۷

(ترمیم متن سے متعلق چند گزارشات)



☆ عبد الجبار جو نیجو، ڈاکٹر

۱۔ جواں مخت محقق: ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ

(سندھی سے ترجمہ)

۱۱-۱۰ ص ۵ گوشہ بلوچ

☆ عبدالحق

۱۔ مطہر صورت آئینہ

۱ ص ۱۳

۲۔ موادی تجزیہ: ایک تحقیقی طریق کار

۲

۱ ص ۱۰

۳۔ باطنی مذہبی رجحان کا امن و تعاون کے رویوں سے تعلق ۹ ص

۶

☆ عبدالحق، مولوی، بلباے اردو

۱۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگڑھی (تعزیتی تقریر)

۹-۸

ص ۲ گوشہ اختر

☆ عبدالرحمن المعظمی

۱۔ تفسیر کبیر اور اس کے تکملے کے متعلق

(مترجم ضیاء الدین اصلاحی)

۱۱-۱۰ ص ۲۶ گوشہ تحقیق منسوبات

☆ عبدالرزاق قریشی

۱۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگڑھی

۹-۸

ص ۳ گوشہ اختر

☆ عبدالستار صدیقی

۱۔ اردو تحقیق: چند تصریحات، چند تجاویز

۲

۱ ص ۱۰

☆ عتیق احمد جیلانی

۱۔ تذکرہ دتاسی اور معارف

۱

۱ ص ۱۰

۲۔ معارف اور غالبیات

۲

۲ ص ۲۷

۳۔ معارف اور اقبالیات

۳

۱ ص ۱۰۷

۴۔ معارف اور شعراء کے تذکرے

۵

۲ ص ۲۴

☆ عرشی، امتیاز علی خاں

۱۔ ظہور الاسرار نامی اور مطہر کڑھ

۱۱-۱۰ ص ۲۰ گوشہ تحقیق منسوبات

			عطاء الرحیم، سید، ڈاکٹر
۲	۶ ص		تحقیقی مقالات کی تکنیک: چند غور طلب باتیں
			عطاء الرحمن کاکوی
۱۱-۱۰	۲ ص	گوشہ تحقیق منسوبات	معدن المعانی
			عطاء خورشید
۹-۸	۲۹ ص		"اردو میں فنی تدوین": تعارف و تجزیہ
			لا عفت بانو
۲	۲۱ ص		حالات زندگی (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں)
			☆ غلام محمد لاکھو
۹-۸	۱ ص	—	جام شورو کے ایک مخلوطے سے متعلق اضافی معلومات
			☆ غلام مرتضیٰ، حافظ
			۱۔ لکن المفتح کی جانب سے منسوب ارسطو طالسی تراجم
۱۱-۱۰	۱۲	—	(ترجمہ و تعارف)
			☆ غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر
۱	۱۶ ص	—	۱۔ اسلامی تصوف اور مثنوی مولانا رومی
ایضاً	۱۰ ص	—	۲۔ تحقیق کے بیادوی لوازم
۲	۲۷ ص	—	۳۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی
۳	۱۱ ص	—	۴۔ کلام خسرو میں مقامی رنگ
۴	۲۲ ص	—	۵۔ عکس تحریر (بہ سلسلہ تاریخ ادب اردو)
۵	۱۱ ص	—	۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتوبات
۷	۵ ص	—	۷۔ کچھ تحقیق کے متعلق
ایضاً	۱۴ ص	—	۸۔ مولانا عبدالصمد عاجز
ایضاً	۸ ص	—	۹۔ سطر کابل اور بعض تہذیبیات
۹-۸	۴ ص	گوشہ اختر	۱۰۔ قاضی احمد میاں اختر مرحوم

ایضاً	۳ ص	۱۱۔ مکملہ مقالات الشعراء
ایضاً	۲ ص	۱۲۔ بلوچ صاحب کے حوالے سے
ایضاً	۱ ص	۱۳۔ رسالہ "تحقیق" سے متعلق رائے۔
ایضاً	۳ ص	۱۴۔ دیوان احمد جام کا ایک جائزہ
ایضاً	۷ ص	۱۵۔ نکات الشعراء سے متعلق چند یادداشتیں
ایضاً	۳ ص	۱۶۔ دیوان حضرت عبدالقادر جیلانی
ایضاً	۱۸ ص	۱۷۔ دیوان قطب الدین
ایضاً	۳ ص	۱۸۔ دیوان ظہیر لور اس کا مصنف
ایضاً	۸ ص	۱۹۔ حضرت شیخ عثمان کار سالہ عشقیہ
ایضاً	۲ ص	۲۰۔ رسالہ گنج الاسرار
ایضاً	۱۵ ص	۲۱۔ بعض مظلوم کتابیں
ایضاً	۱۷ ص	۲۲۔ عمادی غزنوی یا عمادی شریاری
ایضاً	۸ ص	۲۳۔ سوانح عمری سنی (تعارف و تجزیہ)
۱۲-۱۳		☆ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر
		۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
۴	۱۱ ص	(زبان و ادبی ولعت شناسی کی ایک مثال)
		☆ فرید الدین، شیخ
۵	۲۹ ص	۱۔ مظہریاتی تحویل (نظریہ لور منہاج تحقیق)
		☆ فہمیدہ شیخ
۱	۳۶ ص	۱۔ اردو خاکہ نگاری: ایک مطالعہ
۲	۷ ص	۲۔ اردو تحقیق کی جائزہ نگاری
۶	۳۵ ص	۳۔ خواجہ حسن نظامی کا سفر نامہ ہندوستان ۱۹۰۷ء
		☆ قمر جمال مرزا، ڈاکٹر
۱۱-۱۰	۱۳ ص	۱۔ تالپور والیان سندھ اور ان کے ورثاء کا کتاب خانہ

			☆ گیان چند، ڈاکٹر
			الحاق اور غلط انتساب
ایضاً	۶ ص	گوشہ تحقیق منسوبات	تدوین متن کے حوالے سے چند تقریحات
			☆ مالک رام
ایضاً	۴ ص	ایضاً	۱۔ مرزا غالب اور امیر مینا کی
ایضاً	۵ ص	ایضاً	۱۔ لطائف غیبی کا مصنف
ایضاً	۶ ص	ایضاً	۲۔ قادر نامے کا مصنف
			☆ محفوظ الحق، محمد، پروفیسر
ایضاً	۱۱ ص	ایضاً	۱۔ زیب النساء اور دیوان مخفی
			☆ محمد اسلم، پروفیسر
ایضاً	۹ ص	ایضاً	۱۔ دیوان معین: چند معروضات (تلخیص)
			☆ محمد ایوب قادری
			۱۔ مفتی عنایت احمد (مصنف رسالہ ہدایات الاضاحی)
۱۳-۱۲	۲ ص	—	کے حالات [”یادگار بلی“ سے ماخوذ]
			☆ محمد سلیم اختر، ڈاکٹر
۱۳-۱۲	۱۱ ص		۱۔ استاد علامہ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی (ایک تعارف)
			☆ محمد سلیم، سید
			۱۔ ترجمہ تقریظ مصباح الہدایت
۷	۱۳ ص	—	(ترجمہ و تلخیص از فارسی)
۱۱-۱۰	۴ ص	—	۲۔ صفوۃ العرفان مطالب آیات القرآن (قلمی)
			☆ محمد شفیع بروہی
			۱۔ فہرست مخطوطات ذخیرہ حکیم شمس الدین احمد
۴	۵۹ ص	—	حیدرآبادی بوذخار دیگر۔ (جام شورو کے مخطوطات قسط دوم)

## ☆ محمود شیرانی، حافظ

۱۔ شہادت کلام

۳ — ص ۳

۲۔ کیا فارسی قصہ چہار درویش امیر خسرو کی تصنیف ہے؟ ۸ ص

۱۰-۱۱

گوشہ تحقیق منسوبات

۳۔ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری،

کیا یہ انھی کی ملکیت ہے؟

۲۱ ص ایضاً

ایضاً

☆ مختار الدین احمد، ڈاکٹر

۱۔ ماثر غالب

۷

۱۳ ص —

۲۔ گوشہ اختر میں شامل مکاتیب اختر مرتبہ

مختار الدین احمد کے مکتوب نمبر ۲۷ سے متعلق

اضافی معلومات

۸-۹

۳ ص —

۳۔ علامہ مبین کا ایک نہایت ممتاز شاگرد

۱۰-۱۱

۲۱ ص گوشہ بلوچ

۴۔ میرزا زین الدین عشق دہلوی اور کلیات عشق

۱۲-۱۳

۶۳ ص گوشہ مختار الدین احمد

۵۔ امیر قاسم بن وشمگیر

ایضاً

۳۴ ص ایضاً

۶۔ اردو کا ایک قدیم ترین رقعہ

ایضاً

۳ ص ایضاً

۷۔ ایک غیر مطبوعہ تذکرہ شاد عظیم آبادی

ایضاً

۱۱ ص ایضاً

☆ مسعود حسن، سید

۱۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزرمی (کتلیات)

۱۲-۱۳

۱۹ ص —

☆ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر

۱۔ محمود شیرانی کا تحقیقی طریق کار

۵

۳۳ ص —

۲۔ تذکرہ مخزن الغرائب وانیس العاشقین

(ایک دل چسپ اولیٰ معرکہ)

۶

۹۱ ص —

☆ معین الدین عقیل، ڈاکٹر

۱۔ ایلیٹ اور سید احمد خاں

۴

۲۵ ص —

۲۔ تعلیقات تقریظ مصباح الہدایت

۷

۱۷ ص —

			تقریظ مصباح الہدایت مشمولہ تحقیق شماره ہفتم
۹-۸	—	ص ۷	ذیل میں ایک قابل توجہ قدیم مطبوعہ تحریر
			تعلیقات مصباح الہدایت
۹-۸	—		ممولہ تحقیق شماره ہفتم) پر چند اضافے
۹-۸	—	ص ۱۱۴	دارو کی اولین نسوانی خودنوشت "بیستی کہانی"
			ممتاز حسن
۹-۸	گوشت اختر	ص ۵	قاضی احمد میاں اختر، مرحوم و مغفور
			منیر احمد خاں، حافظ
۹-۸	—	ص ۵	میر ستم خاں تاپیر کی ایک اہم دست آویز
			لاموسی امرت سری، محمد، حکیم
۱۱-۱۰	گوشت تحقیق منسوبات	ص ۷۲	کیا رسالہ کشف الاسرار و اتانج عشق کی تصنیف ہے؟
			نبی عشق خاں بلوچ
			ترکی کے کتب خانے اور ان میں محفوظ
۷	—	ص ۲۲	علمائے سند و ہند کی تصنیفات
۹-۸	گوشت بلوچ	ص ۲۴	۲۔ قاضی احمد میاں اختر لور جو ناگڑھ کی یاد میں
			۳۔ مسلم بحال کے فارسی ادب کی ایک اہم کتاب
۱۱-۱۰	گوشت بلوچ	ص ۲۵	"شرف نامہ احمد منیری"
ایضاً	ایضاً	ص ۹	۴۔ لنن بلوطہ کا سفر نامہ لور اس کے گم نام گوشتے
ایضاً	ایضاً	ص ۶	۵۔ شاہ جور سالو میں الحاقی کلام
			۶۔ محاضرات مینی۔ استاذ عبدالعزیز المیمنی
ایضاً	ایضاً	ص ۶۱	(م ۱۹۷۸ء) کے مورخ علمی ارشادات
ایضاً	ایضاً	ص ۲۴	۷۔ ایام گذشتہ کے چند لوراق
۱۳-۱۲	—	ص ۶	۸۔ ایک قلمی مجموعہ رسائل (تعارف مشمولات)
ایضاً	—	ص ۵۱	۹۔ سندھ کے اجڑے ہوئے کتب خانے

## ☆ نجم الاسلام، ڈاکٹر

- ۱۔ رسمیات مقالہ نگاری — ص ۲۲
- ۲۔ ہمارا قدیم طرز تحقیق — ص ۱۹
- ۳۔ مملوک ادبی دستاویزات کی چھان بین کا ایک سائنسی طریقہ (ترجمہ: از ناز من ایچ میگزوی) — ص ۱۵
- ۴۔ تحقیق کی چند تعریفات۔ (ماخوذ) — ص ۴
- ۵۔ بیاض مقیم — ص ۸۲
- ۶۔ کلیات شائق — ص ۳۰
- ۷۔ قدیم اردو کے چند نوادر — ص ۱۹
- ۸۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مقالہ تحقیق "سید حسن غزنوی" منہاج تحقیق کے حوالے سے — ص ۲۹
- ۹۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی چند اہم تصانیف — ص ۲۰
- ۱۰۔ مہندس کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی — ص ۲۹
- ۱۱۔ ملفوظاتی ادب کے لیے ایک منہاج تحقیق کی ضرورت پر پروفیسر ریاض الاسلام کا مضمون (تلخیص) — ص ۱۱
- ۱۲۔ جام شورو کے مخطوطات (قسط سوم) —
- ۱۳۔ سندھی ادبی بورڈ کے مخطوطات کی اجمالی فہرست — ص ۶۷
- ۱۴۔ بیاض دولت رائے سندھی — ص ۳۰
- ۱۵۔ رصغیر میں فارسی تحقیق کے عناصر اربعہ (آصفہ زمانی بگم کے مقالے کی تلخیص) — ص ۲
- ۱۶۔ مکتوبات بہراج — ص ۳۵
- ۱۷۔ سندھی ادبی بورڈ جام شورو کے مخطوطات کی اجمالی فہرست — ص ۶۳
- ۱۸۔ قصہ چہار درویش ناری کے متعلق ولیم جونز کا ایک خط — ص ۱
- ۱۹۔ بیاض دولت رائے سندھی — ایک تصریح — ص ۱
- ۲۰۔ شاہ عالم ثانی کی نثر — ص ۲۹

ایضاً	—	۲۰ ص	۱۔ انسٹی ٹیوٹ آف سندھ حالوجی جام شورو کے مخطوطات کی اجمالی فہرست
ایضاً	—	۵ ص	۲۔ کتاب شفاء الامراض، تصنیف خواجہ باقی باللہ ۱۰۱۲ھ
۸-۹	—	۱۱ ص	۳۔ مخبر الواصلین اور آٹھ رسائل طب پر مشتمل ایک قلمی مجموعہ
ایضاً	—	۲۳ ص	۲۱۔ دیوان غمگین کس غمگین کا ہے؟
ایضاً	—	۳ ص	۲۱۔ اضافی یادداشتیں: گوشہ متون میں شامل بیہوشی مانی کے ایک کردار مرزا ایوب بیگ کے ذیل میں
ایضاً	—	۵ ص	۲۵۔ اضافی یادداشتیں: فخر الدین علی احمد بیوریل والیوم پر تبصرے کے ذیل میں
ایضاً	—	۱ ص	۲۶۔ اضافی یادداشتیں: یادگار نامہ فخر الدین علی احمد پر تبصرے کے ذیل میں
ایضاً	—	۲ ص	۲۷۔ اضافات: حواشی
۱۰-۱۱	—	۱۴ ص	۲۸۔ دو موضح قرآن
ایضاً	—	۱۴ ص	۲۹۔ معراج العاشقین کا مصنف؟
ایضاً	—	۱۱ ص	(ڈاکٹر حفیظ قلیل کے مضمون کی تلخیص)
ایضاً	—	۵ ص	۳۰۔ اقبال کا ایک مکتوب اور اس کا ماخذ
ایضاً	—	۱۵ ص	۳۱۔ دیوان غمگین کے تعاقب میں
ایضاً	—	۱۵ ص	۳۲۔ جام شورو کے مخطوطات سے متعلق چند یادداشتیں
۱۰-۱۱	گوشہ تحقیق منسوبات	۳ ص	۳۳۔ ”رسالہ تنقید کلام شہید“ کا مصنف کون ہے؟
ایضاً	—	۱۱ ص	۳۴۔ ملکیت تصنیف کے بارے میں رجہ ڈائلنگ کی تصریحات۔ (تعارف و ترجمانی)
ایضاً	—	۳ ص	۳۵۔ ”کچھ کتاب“ سر العالمین کے غزالی سے احتساب کے بارے میں۔ (علی رضا کاوٹی فراگز لو کے مضمون کا ترجمہ)



۳۶۔ رسالہ نوریہ کس کی تصنیف ہے؟

(جمال الیاس کے مضمون کا ترجمہ) ص ۳ ایضاً

۳۷۔ آیا کتاب ”السعادة والاسعاد“ ابو الحسن عامری کی

تصنیف ہے؟ (نصر اللہ حکمت کے مضمون کا ترجمہ) ص ۱۶ ایضاً

۳۸۔ خیام کی اصیل رباعیاں کون سی ہیں؟

(سید علی میرا فضلی کے مضمون کا ترجمہ و تلخیص) ص ۹ ایضاً

۳۹۔ کچھ منسوبات، کچھ تحقیق منسوبات کے بارے میں ص ۵ ایضاً

۴۰۔ حواشی بر مقالہ محمود شیرانی: ”کیا فارسی قصہ

چار درویش امیر خسرو کی تصنیف ہے؟“ ص ۲ ایضاً

۴۱۔ دساتیر کی بحولیت پر قاضی عبدالودود کا مقالہ (تلخیص) ص ۴ ایضاً

۴۲۔ کیا نعتیہ قطعہ ”یا صاحب الجہال ویاسید البشر“

شاہ عبدالعزیز کی تصنیف ہے؟ ص ۹ ایضاً

۴۳۔ غلام علی آزاد بلگرامی سے منسوب گربہ نامہ اور

اس کا اصل مصنف ص ۱۵ ایضاً

۴۴۔ اضافات: مسز رابعہ اقبال کے مقالے پر عنوان

”نشاط کی بحث کہانی اور طالب کا تیرہ ماہ“ کے ذیل میں۔

(اضافات: نور الحسن کاندھلوی، تلخیص: ڈاکٹر نجم) ص ۴

۴۵۔ اضافات: محمد ایوب قادری کی کتاب ”یادگار بریلی“ سے

مفتی عنایت احمد (مصنف رسالہ ہدایات الاضاحی) کے حالات۔ ص ۲

۴۶۔ اضافات: مفتی عنایت احمد کے مزید حالات، مقالہ

پر عنوان ”ایک قلمی مجموعہ رسائل“ کے ذیل میں ص ۲

۴۷۔ اضافات: بحث کہانی کے مصنف مفتی الہی بخش نشاط

کے مفصل حالات پر قلم نور الحسن راشد کاندھلوی۔

پر حوالہ ”احوال و آثار“۔ (تلخیص) ص ۴

۴۸۔ قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی قلمی (تصنیف ۱۱۳۱ھ) ص ۵

- ۴۔ حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمہ قرآن  
ایضاً ۷ ص —
- ۵۔ شاہ عالم ثانی کے دور کی اردو نثر  
ایضاً ۳۳ ص —
- ۶۔ موضح قرآن کی دو روایتیں (لسانی مطالعہ)  
ایضاً ۳۳ ص —
- ۷۔ بارہویں صدی ہجری کے شاہ مراد اللہ انصاری  
ایضاً ۳۳ ص —
- ۸۔ نبھلی لوران کی اردو تفسیر  
ایضاً ۳۳ ص —
- ۹۔ علامہ پیر احمد، ڈاکٹر  
ایضاً ۳۳ ص —
- ۱۰۔ سامانی عہد کے وزراء کا ایک نام پور خاندان، "خاندان جہانی" ۳۷ ص —
- ۱۱۔ ساتویں صدی ہجری کا ایک اہم مجموعہ رباعیات فارسی  
ایضاً ۲۵ ص —
- ۱۲۔ یعنی، "سفینہ نرہہ الجالس"۔  
۳۔ بیچ نامے میں منقول فارسی اشعار کے بارے میں  
ایضاً ۱۹ ص —
- ۱۳۔ ایک گزارش  
۵  
۶  
۱۴۔ سندھ مکران کی سیاسی و ثقافتی تاریخ کے چند نئے مآخذ ۳۷ ص —
- ۱۵۔ فرہنگ قواس کا نسخہ کراچی لوراس کے ذیلی حاشیے ۵۰ ص —
- ۱۶۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد کا ایک فارسی لغت نگار ۳۶ ص —
- ۱۷۔ نقطوی مذہب لوراس کا عروج اکبر کے عہد میں ۲۸ ص —
- ۱۸۔ فارسی کے چند قطعہات سے متعلق یادداشتیں ۱۸ ص —
- ۱۹۔ مولانا آزاد لائبریری کے ذخائر مخطوطات پر ایک نظر ۲۱ ص —
- ۲۰۔ سید ابو العطاء اکبری آبادی ۳۱ ص —
- ۲۱۔ متن رسالہ فتاویٰ ثلاثہ از میر ابو العطاء اکبر آبادی۔ ۱۱ ص —
- ۲۲۔ فخر مدد لوراس کا شجرہ نسب۔ ۱۸ ص —
- ۲۳۔ مقدمہ جامع دیوان حافظ کے بارے میں ایک مختصر گزارش ۱۶ ص —
- ۲۴۔ گاہ گاہی باز خوان، تاریخ ایران کی تین نام دور  
ایضاً ۱۳ ص —
- ۲۵۔ خواتین کے قابل یادگار کارنامے  
ایضاً ۱۳ ص —
- ۲۶۔ حافظ شیرانی کے دیوان میں فلذاتسابات کی مثالیں ۸ ص گوشہ تھمیں منسوبات  
۱۱-۱۰
- ۲۷۔ امید لوہکی کے کلام میں فلذاتسابات کی نشان دہی ۲۰ ص ایضاً

۱۷۔ قدیم متنوں میں تصرفات و تحریفات کے وجوہ ۳ ص ایضاً

۱۸۔ غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات ۸ ص ایضاً

۱۹۔ کیا دیوان قطب الدین، دیوان خواجہ مختیار کاکی ہے؟ ۲۲ ص ایضاً

۲۰۔ کیا مصباح الارواح کا مصنف جمالی دہلوی تھا؟ ۲۰ ص ایضاً

۲۱۔ کیا کتاب مینابازار ظہوری کی تصنیف ہے؟ ۱۲ ص ایضاً

۲۲۔ فرہنگ قواس کا ایک جعلی نسخہ ۱۰ ص ایضاً

۲۳۔ خسرو ثانی جمالی دہلوی سے منسوب کتابیں۔ ۵ ص ایضاً

۲۴۔ ظہور الاسرار نامی اور مطہر کثرہ ۱۴ ص ایضاً

۲۵۔ بھاگ متی اور بھاگ نگر: افسانہ یا حقیقت۔ ۱۲ ص ایضاً

۲۶۔ چند بدن و مہیار کے مصنف کے تعین کے بارے میں

محمد اکبر الدین صدیقی صاحب کی کوشش کا جائزہ۔ (تلخیص) ۴ ص ایضاً

۲۷۔ قاسم کاظمی اور اس کا رسالہ قافیہ ۳۰ ص

۲۸۔ اکبری دور کا فارسی لوب ۱۷ ص

☆ نکلسن، پروفیسر

۱۔ فیہ مافیہ (ملفوظات جلال الدین رومی کے

انتساب و استناد سے متعلق جائزہ)

۷ ص گوشہ تحقیق منسوبات ۱۰-۱۱

☆ نگینہ پروین قصیم

۱۔ اباطنی مذہب ہی رحمان کا امن و تعاون کے رویوں سے تعلق ۹ ص

۲۔ واپسی ترجمہ تکنیک (بنی اللغات فی ریسرچ میں

ترجمے کا ایک طریق کار)

۱۰ ص ۱۰-۱۱

☆ وحید قریشی، ڈاکٹر

۱۔ پیر کلیئر اور ان کا فارسی دیوان

☆ ہدایت اللہ اخوند، ڈاکٹر

۲۰ ص گوشہ تحقیق منسوبات ایضاً

۱۔ جواں نخت محقق ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ

(سندھی سے ترجمہ اور تلخیص)

۵ ص گوشہ بلوچ ۱۰-۱۱

## مکتوبات

مکتوبات	تعداد	شماره تحقیق
۱۔ احسن مارہروی، مولانا بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۴
۲۔ اختر جو ناگزھی، احمد میاں بہ نام اعزہ و اقربا (مخزونہ کتاب خانہ مشفق خواجہ)	۸	۸-۹
۳۔ ایضاً بہ نام سید الطاف علی بریلوی	۴۴	ایضاً
۴۔ ایضاً بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد، (بہ ذیل اضافات)	۱	۱۲-۱۳
۵۔ امتیاز علی عرشی، مولانا بہ نام ایضاً	۳۰	ایضاً
۶۔ حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۴
۷۔ حمید احمد خاں، بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد	۱۹	۱۲-۱۳
۸۔ راشد برہان پوری، سید مطیع اللہ، مولانا بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۴
۹۔ زید ابو الحسن فاروقی، مولانا بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۸-۹
۱۰۔ سلیمان ندوی، سید بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۴
۱۱۔ سید عبداللہ بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد	۱۶	۱۲-۱۳
۱۲۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر بہ نام ایضاً	۵	ایضاً
۱۳۔ ضیاء الدین الہ آبادی، قاری بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۴
۱۴۔ ضیاء الدین احمد بدایونی، پروفیسر بہ نام ایضاً	۱	ایضاً
۱۵۔ عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱	۴
۱۶۔ عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد	۴۶	۱۲-۱۳
۱۷۔ عبدالماجد درییادی، بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد	۴	۱۲-۱۳
۱۸۔ قاضی عبدالودود، بہ نام شیخ محمد اکرام	۲	ایضاً
۱۹۔ ایضاً، بہ نام عبدالستار صدیقی	۳	ایضاً
۲۰۔ ایضاً، بہ نام مختار الدین احمد	۱۳	ایضاً
۲۱۔ غلام رسول مرہ بہ نام ایضاً	۲۲	ایضاً

۹-۸	۱	۲۲- غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر بہ نام ڈاکٹر نذیر احمد
۱۳-۱۲	۹	۲۳- فاضل لکھنوی، مرتضیٰ حسین، بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد
ایضاً	۱۳	۲۴- مالک رام، بہ نام ایضاً
ایضاً	۳	۲۵- محمد اکرام، شیخ، بہ نام ایضاً
۴	۱	۲۶- محمد حسن، پیر، ڈاکٹر، بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
ایضاً	۱	۲۷- محمد شفیع، مولوی بہ نام ایضاً
۱۳-۱۲	۶	۲۸- ایضاً، بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد
ایضاً	۱	۲۹- محمد سلیم، سید، پروفیسر، بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
ایضاً	۱	۳۰- محمود شیرانی، حافظ بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
ایضاً	۱	۳۱- مختار الدین احمد، بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
۷	۲۷	۳۲- ایضاً، بہ نام ایضاً
ایضاً	۲۶	۳۳- ایضاً، بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
۹-۸	۳	۳۴- ایضاً، بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
۱۱-۱۰	۱۷	۳۵- ایضاً، بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
۱۳-۱۲	۱	۳۶- ایضاً، بہ نام شیخ محمد اکرام
ایضاً	۲	۳۷- ایضاً، بہ نام غلام رسول مہر
ایضاً	۱۳	۳۸- ایضاً، بہ نام قاضی عبدالودود
ایضاً	۱	۳۹- ایضاً، بہ نام ایضاً
ایضاً	۱	۴۰- ایضاً، بہ نام مالک رام
ایضاً	۱	۴۱- ایضاً، بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
ایضاً	۱	۴۲- مسعود حسن، سید، بہ نام ایضاً (بہ ذیل اضافات)
ایضاً	۴	۴۳- مہیش پرشاد، بہ نام مختار الدین احمد
۱۱-۱۰	۱	۴۴- نبی بخش خاں، بلوچ، ڈاکٹر، بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
۷	۲۱	۴۵- نذیر احمد، ڈاکٹر، بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
ایضاً	۵	۴۶- ایضاً، بہ نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

۹-۸	۳	۴۷- ایضاً بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
۱۱-۱۰	۲	۴۸- ایضاً، ایضاً
۱۳-۱۲	۱	۴۹- ایضاً، ایضاً
ایضاً	۱	۵۰- نور الحسن راشد، مولانا بہ نام مسز رابعہ اقبال (بہ ذیل اضافات)
ایضاً	۱	۵۱- ایضاً بہ نام ڈاکٹر نجم الاسلام
ایضاً	۱۱	۵۲- نیاز فتح پوری بہ نام ڈاکٹر مختار الدین احمد

## تبصرے

تحقیق (۱۳-۱۲)	اسلم فرخی، ڈاکٹر اردو ادب کی تاریخیں، نظری مباحث مصنف: سلمان احمد
تحقیق (۱۱-۱۰)	انعام الحق عباسی ۱- شبلی کازہنی ارتقاء مصنف: ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی
تحقیق (۱۳-۱۲)	۲- سید حسن غزنوی (حیات اور ادبی کارنامے) مصنف: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
تحقیق (۳)	سید جاوید اقبال ۱- عروج اقبال مصنف: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
تحقیق (۷)	۲- اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ مصنف: مولوی محبوب عالم
تحقیق (۷)	ترتیب، مقدمہ، حواشی: طاہر مسعود ۳- قالب آگہی مصنف: سید قدرت نقوی

۴۔ آتش زیرپا

ایضاً

مصنف: شیدا اکا شمیری

۵۔ تنقید کی آزادی (مجموعہ مضامین)

تحقیق (۸-۹)

مصنف: مظفر علی سید

۶۔ فن تاریخ گوئی

ایضاً

مصنف: غلام حسن کسریٰ منہاس

۷۔ نعت رنگ، کراچی (پانچ شمارے)

تحقیق (۱۰-۱۱)

مدیر: صبیح رحمانی

۸۔ مکتوبات ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، جلد اول

ایضاً

مرتب: خالد محمود

۹۔ قتل اور غالب

تحقیق (۱۲-۱۳)

مؤلف: سید اسد علی انوری

۱۰۔ نعت رنگ، کراچی (شمارہ ۸)

ایضاً

مدیر: صبیح رحمانی

۱۱۔ نعت رنگ، کراچی (حمد نمبر)

ایضاً

مدیر: صبیح رحمانی

۱۲۔ آزادی کے بعد اردو ناول

ایضاً

مصنف: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۱۳۔ خواجہ محمد خاں اسد: احوال و آثار

ایضاً

مرتب: راشد علی زئی

۱۴۔ مولانا محمد علی اور جنگ آزادی

ایضاً

مصنف: ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی

۱۵۔ تاریخ کتاب خانہ رضا

تحقیق (۱۲-۱۳)

تالیف: حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری

۱۶۔ کلکتے کی داستانیں

ڈاکٹر وفاراشدی

ایضاً

رابعہ اقبال، پروفیسر

۱۔ اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

تحقیق (۱)

تصنیف: ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد

۲۔ اردو میں اصول تحقیق (جلد اول و دوم)

تحقیق (۳)

تالیف: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش

۳۔ دیوان مہ لعلبائی چندا

تحقیق (۷)

مرتب: شفقت رضوی

۴۔ مرقع اقوال و امثال

تحقیق (۸-۹)

مرتب: سید یوسف بخاری دہلوی

رضاملک اہوازی، محمد، پروفیسر

دو آہنگ

تحقیق (۶)

ڈاکٹر نجم الاسلام

رفیق احمد خاں

۱۔ اقبال۔۔ علامہ اقبال کیسے بنے؟

تحقیق (۱۲-۱۳)

گوہر ملیانی

۲۔ تفہیم و تجزیہ

ایضاً

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۳۔ حضور احمد سلیم، ایک مطالعہ

ایضاً

رونق افروز صدیقی

سعدیہ نسیم، ڈاکٹر

اردو تحقیق یونیورسٹی میں

تحقیق (۳)

ڈاکٹر سید معین الرحمان



۱۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ

ایضاً

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

۲۔ غالب کا علمی سرمایہ

تحقیق (۴)

ڈاکٹر سید معین الرحمان

۳۔ تحقیق و تلاش (مجموعہ مقالات)

تحقیق (۵)

ڈاکٹر سید معین الرحمان

۴۔ تحقیق نامہ (شمارہ دوم)

تحقیق (۶)

مدیر: ڈاکٹر سید معین الرحمان

عتیق احمد جیلانی

۱۔ غالب آشفہ نوا

تحقیق (۳)

ڈاکٹر آفتاب احمد

۲۔ مضامین اختر جوناگڑھی

تحقیق (۴)

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

۳۔ تحقیق نامہ

تحقیق (۵)

مشفق خواجہ

۴۔ سہ ماہی ”تمثال“ کراچی

تحقیق (۶)

مدیران: سحر انصاری، راغب کلینب

۵۔ اردو شاعری کا ارتقاء

تحقیق (۷)

ڈاکٹر ناہید کوثر

۶۔ خواجہ میر درد کی فارسی شاعری

ایضاً

خواجہ حمید یزدانی

۷۔ مطالعہ حسرت موہانی

(۸-۹)

شفقت رضوی (مرتب: حسن وقار گل)

- ۸۔ پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر  
ڈاکٹر معین الدین عقیل  
تحقیق (۱۲-۱۳)
- ۹۔ جہان جہد آزادی  
ڈاکٹر سید معین الدین عقیل  
ایضاً
- ۱۰۔ دیوان غالب، نسخہ خواجہ  
تدوین و تحقیق: ڈاکٹر سید معین الرحمان  
ایضاً
- ۱۱۔ تذکرۃ الشعراء  
مرتب: شفقت رضوی  
ایضاً
- ۱۲۔ مثنوی جہاں شاہ و جہاں بانو  
مرتب: ڈاکٹر یوسف تقی  
ایضاً
- غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر  
صحیح اردو  
تحقیق (۳)
- مجید احمد ارنزیری لکھنوی  
نمیدہ شیخ
- ۱۔ پاکستان میں اردو تحقیق  
ڈاکٹر معین الدین عقیل  
تحقیق (۲)
- ۲۔ مسعود حسن رضوی لویب: حیات لور کارنامے  
ڈاکٹر طاہر تونسوی  
تحقیق (۳)
- ۳۔ اردو کی ترقی میں مولانا ابو الکلام آزاد کا حصہ  
ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری  
تحقیق (۳)
- ۴۔ تحقیق نامہ (شمارہ اول)، گورنمنٹ کالج، لاہور  
مدیر: ڈاکٹر سید معین الرحمان  
تحقیق (۵)
- ۵۔ تحقیق نامہ (شمارہ ۳-۴)، شعبہ اردو،  
گورنمنٹ کالج لاہور  
مدیر: ڈاکٹر سید معین الرحمان  
تحقیق (۸-۹)

۶۔ الماس (۱)، شعبہ اردو شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور

تحقیق (۱۲-۱۳)

مرتب: محمد یوسف خشک

۷۔ لوح ایام

ایضاً

مختار مسعود

۸۔ سفینہ بے خبر (تذکرہ شعرائے فارسی)

ایضاً

مرتب: ڈاکٹر ظفر اقبال

نجم الاسلام، ڈاکٹر

۱۔ اردو گیت

تحقیق (۱)

ڈاکٹر بیگم بسم اللہ نیاز احمد

۲۔ پرتو تحقیق

تحقیق (۲)

ڈاکٹر آصفہ زمانی

۳۔ مجلہ کتاب شناسی، اعلام آباد (اول، دوم، سوم)

تحقیق (۳)

مرتبین: اختر راہی، سید عارف نوشاہی،

ڈاکٹر گوہر نوشاہی

۴۔ دیوان ماتم

فضل محمد طیب، متخلص بہ ماتم

تحقیق (۵)

ترتیب و تصحیح: ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ

۵۔ مجلہ سرورد

ایضاً

مدیر: سید اویس علی سروردی

۶۔ فرست مخطوطات اردو: قومی عجائب گھر، پاکستان، کراچی

ایضاً

فرست نگار: ڈاکٹر ظفر اقبال

۷۔ دستور زبان اردو

تحقیق (۶)

مؤلف: پروفیسر محمد رضا ملک اہوازی

۸۔ باغ و بہار (از میرامن دہلوی)

ایضاً

مرتب: رشید حسن خاں

- ۹۔ فسانہ عجائب (از رجب علی بیگ سرور)  
تحقیق (۶) مرتب: رشید حسن خاں  
۱۰۔ اسیرم خاں (یوبان انگریزی)  
مصنف سوکارے۔
- تحقیق (۷) مرتب: ایم ایچ اے بیگ  
۱۱۔ حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات: جلد اول  
ایضاً ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی  
۱۲۔ مقالات برنی (حصہ دوم)  
ایضاً سید حسن برنی  
۱۳۔ مغربی زبانوں کے ماہر علماء  
(علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے)  
ایضاً پروفیسر سید محمد سلیم  
۱۴۔ دیوان غم گین (بہ صورت عکس)  
مصنف: عبدالقادر رام پوری متخلص بہ غم گین  
تحقیق (۸-۹) پیش لفظ اور مقدمہ: محسن برلاس  
۱۵۔ فیضانِ دکن (سلاطین آصفیہ کی علمی و ادبی سرپرستی)  
ایضاً پروفیسر شفقت رضوی  
۱۶۔ اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ  
ایضاً ڈاکٹر وفاراشدی  
۱۷۔ علامہ اقبال اور میر حجاز  
ایضاً ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی  
۱۸۔ کتلیات اسلام (شمارہ ۳، ۶، ۷)  
ایضاً عارف نوشاہی  
۱۹۔ اقبال اور معاصر لوہی تحریکیں  
ایضاً خالد اقبال یاسر

۲۰۔ اردو ڈراما (فن اور منزلیں)

مصنف: پروفیسر سید وقار عظیم

ترتیب و تعارف: ڈاکٹر سید معین الرحمان

۲۱۔ غالب نامہ (تجزیاتی مطالعہ)

ایضاً

مؤلفہ: عاصمہ اعجاز

۲۲۔ چند قدیم ڈرامے (تعارف اور تجزیہ)

مصنف: پروفیسر سید وقار عظیم

ایضاً

مرتب: ڈاکٹر سید معین الرحمان

۲۳۔ فورٹ ولیم کالج (تحریک اور تاریخ)

مؤلف: سید وقار عظیم

ایضاً

مرتب: ڈاکٹر سید معین الرحمان

۲۴۔ اردو میں ہائیکو (مستقبل اور امکانات)

مشترکہ مطالعہ: ڈاکٹر یونس حسنی، پروفیسر ہیرو جی کتاوگا ایضاً

۲۵۔ مجلہ اونج کانت نمبر (دو ضخیم جلدیں)

ایضاً

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

۲۶۔ یادگار نامہ فخر الدین علی احمد

مرتبین: پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین احمد،

ایضاً

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

۲۷۔ فخر الدین علی احمد میموریل والیوم (بزبان انگریزی)

مرتبین: پروفیسر نذیر احمد،

ایضاً

پروفیسر اسلوب احمد انصاری

۲۸۔ یادگار خطوط: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نام

مرتب: خالد محمود

تحقیق (۱۰-۱۱)

۲۹۔ فرہنگ زفان گویا، جلد دوم

تالیف: بدر لہر ایم

تحقیق (۱۰-۱۱)

تصحیح و تحقیق و ترتیب: پروفیسر نذیر احمد

۳۰۔ رضالا بھیریری جرنل، رام پور، شمارہ سوم

ایضاً

مدیر اعلیٰ: پروفیسر نثار احمد فاروقی

۳۱۔ حافظ محمد شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات (جلد دوم)

ایضاً

مظہر محمود شیرانی

۳۲۔ مطالعہ ادبیات فارسی

ایضاً

ڈاکٹر وحید قریشی

۳۳۔ المصداق، حیدر آباد

ایضاً

مدیر منتظم: شاہ انجم بخاری

۳۴۔ اقبال اور ظفر علی خاں

ایضاً

جعفر بلوچ

۳۵۔ انفاس امدادیہ

ایضاً

مصنف: لطیف اللہ

۳۶۔ تحقیقی نقوش

ایضاً

شفقت رضوی

۳۷۔ نیرنگ اندلس

ایضاً

منظور الہی

۳۸۔ یادگار نامہ قاضی عبدالودود

مرتبین: پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر ممتاز الدین احمد

تحقیق (۱۲-۱۳)

پروفیسر شریف حسین قاسمی

۳۹۔ رام پور رضالا بھیریری مونوگراف (بذبان انگریزی)

ایضاً

مؤلف: ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

۲۰۔ ڈاکٹر صاحب کے خط: جلد سوم، جلد چہارم

مرتبہ: پروفیسر مختار الدین احمد

تحقیق (۱۲-۱۳)

۲۱۔ ہفت گفتار در بارہ سنائی و عطار و عراقی (بوجان فارسی)

ڈاکٹر محمد سلیم اختر

ایضاً

۲۲۔ تحقیق (خصوصی اشاعت، اصول تحقیق ابلاغ عامہ)

شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی۔

ایضاً

مرتبہ: پروفیسر متین الرحمان مرتضیٰ،

۲۳۔ شعلہ طور: طباعت اولین و مابعد۔ ایک تجزیاتی مطالعہ

ایضاً

ڈاکٹر احمر رفائی

۲۴۔ سینٹرل ایشیا: تاریخ، سیاست اور کلچر

(مجموعہ مقالات بوجان انگریزی)

مرتبہ: ریاض الاسلام،

ایضاً

قاضی عبدالقادر اور جاوید حسین

۲۵۔ تحقیقات و تاثرات (مجموعہ مقالات و مضامین)

ایضاً

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

۲۶۔ تذکرہ خطاطین

ایضاً

تحقیق و تالیف: محمد راشد شیخ

### تحقیق کے شماروں کی ضخامت:

شمارہ (۱) _____	۲۳۰ صفحات
شمارہ (۲) _____	۳۹۳ صفحات
شمارہ (۳) _____	۵۰۹ صفحات
شمارہ (۴) _____	۴۷۶ صفحات
شمارہ (۵) _____	۵۳۸ صفحات
شمارہ (۶) _____	۴۵۳ صفحات
شمارہ (۷) _____	۴۹۲ صفحات
شمارہ (۸-۹) _____	۵۹۸ صفحات
شمارہ (۱۰-۱۱) _____	۱۰۴۸ صفحات
شمارہ (۱۲-۱۳) _____	۱۰۱۳ صفحات

## تحقیق (۱)

پاکستان کی جامعات میں شعبہ اردو کے ادبی و تحقیقی مجلات کی مستقل اشاعت کی روایت مستحکم اور قابل اطمینان نہیں۔ لیکن شعبہ جات اردو سے قطع نظر اگر جامعات یا ان کے کلیات کے اردو میں شائع ہونے والے مجلوں کی روایت کو دیکھا جائے تو جامعہ پنجاب کے اور نیشنل کالج کا تحقیقی مجلہ ” اور نیشنل کالج میگزین “ اپنے طویل دور اشاعت کے ساتھ ساتھ نہایت وسیع اور عالمانہ تحقیقی مقالات اور اپنے مجموعی معیار کے لحاظ سے نہ صرف ایک استثنائی مثال ہے بلکہ یہ اپنے طور پر علمی و تحقیقی روایت کو آئے بڑھاتا رہا ہے۔ چند برسوں سے جامعہ پنجاب ہی کے کالیہ علوم و معارف اسلامیہ کا مجلہ ” تحقیق “ بھی اب اس روایت میں اس کا شریک ہے۔

دیگر جامعات میں سے شعبہ اردو جامعہ سندھ کے مجلے ” صریح خام “ اور شعبہ اردو، جامعہ پشاور کے مجلے ” خیاباں “ نے اپنے بعض موضوعاتی خاص شماروں کے باعث شعبہ جات اردو کے ادبی و تحقیقی مجلوں کی محدود روایت میں اپنا ایک مقام بنایا ہے اور اپنے مرتبین کی مخلصانہ ادب دوستی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ” صریح خام “ سے قطع نظر اب شعبہ اردو جامعہ سندھ کے مجلے ” تحقیق “ نے اپنی نوعیت اپنے مقالات کے معیار اور اپنے مرتبین کے ذوق تحقیق کے ذریعے پاکستانی جامعات کے شعبہ جات اردو کے مقابلے میں ایک مزید استثنائی مثال پیش کی ہے۔ اس مجلے کا پہلا شمارہ (۱۹۸۷ء) اس وقت پیش نظر ہے۔

مرتبین نے اس شمارے کو بنیادی طور پر ان گوشوں میں ترتیب دیا ہے: ” اصول تحقیق “، ” رسمیات تحقیق “، ” مقالات “، ” اخذ و ترجمہ “، لیکن ان کے علاوہ تبصرے، رفتار تحقیق اور مجالس تحقیق و تذکرہ ذیلی عنوانات ہیں، جن کے تحت چند نئی تصانیف پر شعبے کے اساتذہ کا تاثر سامنے آتا ہے۔ مذکورہ گوشوں میں ” اخذ و ترجمہ “ کے تحت محض ایک مقالہ ” مٹھوک دستاویزات کی چھان بین کا ایک مائٹھی طریقہ “ ہے، جو نارمن ایچ میجر کی تحریر کردہ تھا، اسے اس کی افادیت کے پیش نظر ڈاکٹر نجم الاسلام نے اردو میں نقل کیا ہے اور اسے ایک علاحدہ گوشے کی حیثیت دی ہے، لیکن اپنے موضوع کی مناسبت سے اسے اصول یا رسمیات تحقیق کے گوشوں ہی کے ذیل میں شمار کیا جانا چاہیے۔

اس مجلے کی اہمیت و افادیت دراصل اس کے مقالات، ان کے موضوعات اور ان کے



معیار کے باعث ہے۔ ”مقالات“ کے تحت متنوع موضوعات پر مقالات شامل ہیں۔ ”اسلام تصوف اور مثنوی مولانا روم“ کے عنوان پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے نہایت جامعیت اور اختصار سے اسلامی تصوف کے ذیل میں مولانا روم کے خیالات کو اخذ کیا ہے۔ ”تذکرہ تاسی اور معارف“ عتیق احمد جیلانی نے اور مجروری ”سے“ کا مطالعہ پر ڈاکٹر سعدیہ نسیم نے سیر حاصل، معلوماتی اور وسعت مطالعہ کے حامل مقالات تحریر کیے ہیں۔ ”رسالہ عصمت کا پاکستانی دور“ (از مسز رابعہ اقبال اور ”اردو خاکہ نگاری، ایک مطالعہ“ (از فمیدہ شیخ) بھی عمدہ مطالعے ہیں اور یہ اپنے موضوعات کا احاطہ بھی ادا کرتے ہیں۔ آخر الذکر مقالے میں ایک مبسوط موضوع کو جامعیت کے ساتھ سمیٹنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے اور اس میں ادبی خاکہ نگاری کے ساتھ ساتھ، شخصیت نگاری، مرقع نویسی اور علمی مذہبی شخصیات پر لکھے گئے خاکوں کا ذکر بھی آگیا ہے اور یہ عمدہ حاضر تک خاکہ نگاری کا احاطہ بھی کر رہا ہے، اس لحاظ سے یہ عبدالرزاق کان پوری، چراغ حسن حسرت اور حال کے خاکہ نگاروں میں اہم جلیں، شورش کاشمیری، یوسف ناظم، مجتبیٰ حسین، علی جواد زیدی، ماہر القادری، ابوالحسن علی ندوی جیسے مستقل اہم ناموں کے ذکر کے بغیر نکتہ محسوس کیا جائے گا۔

اصول و رسمیات تحقیق سے متعلق اس مجلے کے گوشے مقالہ اور بھی مفید مقالات پر مشتمل ہیں۔ تحقیق و تدوین کے مسائل، اصول اور فن پر پاکستان میں بہت قابل قدر کام نہیں ہوا محض چند مقالات یہاں ان موضوعات کا کل سرمایہ ہیں۔ یہ مجلہ اور اس کے مذکورہ گوشے ان موضوعات کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کرنے کی ایک مثال ہیں اور یہ اس امر کا مظہر ہے کہ اس کے مرتبین ان موضوعات سے کس درجے رغبت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے فن تحقیق پر قبل ازیں بھی نہایت مفید اور قابل قدر مقالات تحریر کیے ہیں، جو پاکستان میں اس موضوع پر موجود سرمایے میں فی الواقع ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زیر نظر مجلے میں ڈاکٹر صاحب نے ”تحقیق کے بنیادی لوازم“ پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ اس مقالے سے جہاں ایک طرف فن تحقیق کے بنیادی لوازم کی تصریح ہوتی ہے، وہیں اس میں ایک اچھے محقق کے لیے رہنما اصول بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مقالہ قبل ازیں مقتدرہ قومی زبان، اسلام کے مرتب مجموعہ مقالات ”تحقیق اور اصول و وضع اصطلاحات“ میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کے دو مقالات اس مجلے میں شامل ہیں۔ ایک مقالہ ”ہمارا قدیم طرز تحقیق“ موضوع کی مناسبت سے عربی و فارسی کے قدیم طرز تحقیق کے مختصر جائزے پر مشتمل ہے اور دراصل اس میں قرون اولیٰ میں تدوین حدیث اور اسماء الرجال کے ضمن میں

تب ہونے والے اصولوں کے تاریخی جائزے سے شروع ہو کر گیارہویں صدی ہجری تک تحقیق میں اختیار لیے جانے والے لوازم اور اصول کو پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا بھی یہ مقالہ مقتدرہ کے کورہ بالا مجموعہ مقالات میں شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا دوسرا مقالہ ”رسمیات تحقیق“ کے ذیل میں ”رسمیات مقالہ نگاری“ کے عنوان پر ہے اور اسے ایک مستقل صورت میں ترتیب دیا گیا ہے اور مختلف ابواب، مثلاً اجزائے مقالہ، اقتباسات، پاورقی حوالے، کتابیات اور متفرقات کے تحت اپنے نقطہ نظر کے مطابق محققین کے لیے رہنما اصول متعین کیے گئے ہیں۔ یہ ایک مفید کوشش ہے جس سے یہ یقین ہے کہ اور محققین کا حقہ فائدہ اٹھائیں گے۔ اس قسم کے مقالے کی اس لیے بھی ضرورت تھی کہ اکثر مصنفین لوازمات تحقیق کے اختیار کرنے میں بالعموم بے نیازی، ناواقفیت اور غلط فہمی کی بنا پر مقالہ نگاری کے مناسب، معیاری اور سائنٹیفک رسوم کا، جنہیں ترقی یافتہ دنیا میں ایک عرصے سے اختیار کیا جا رہا ہے، لحاظ نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان کے مقالات، بالخصوص طرز اور اسلوب کے اعتبار سے غیر معیاری اور ناگوار ہوتے ہیں۔ پھر مصنفین کے درمیان رسمیات تحقیق کے معاملے میں یکسانیت بھی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ خاص طور پر پاورقی حوالوں اور کتابیات کی ترتیب میں انتشار کی کیفیت اکثر نمایاں رہتی ہے۔ اس صورت میں ”رسمیات مقالہ نگاری“ پر یہ مقالہ اپنی جگہ حد درجہ افادیت رکھتا ہے۔ فاضل مقالہ نگار کی اس کوشش کو بہ نظر استحسان دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے ایک کمی کو پورا کرنے کی سعی کی ہے۔ کس قدر ایسے ہے کہ تحقیق و تصنیف کے جو سائنٹیفک اصول و قواعد ایک عرصے سے علمی دنیا میں مروج ہیں، ہمارے بہت کم مصنفین کو ان سے واقفیت حاصل ہے اور وہ اردو میں انہیں اختیار کرتے ہیں۔ آج تو دنیا علمی لحاظ سے اس قدر تیز رفتار ترقی کر رہی ہے کہ تحقیق میں تخصیص، اختصار اور کم لفظی کو ضروری قرار دیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ جو لوازم اور رسمیات تحقیق پچیس تیس سال پہلے تک عام اور مروج تھیں، اب موضوع تک راست رسائی، اختصار اور کم لفظی کے خیال سے ان میں متعدد تبدیلیاں وضع کی جا رہی ہیں۔ مثلاً اقتباسات کے ضمن میں، جنہیں فاضل مقالہ نگار نے صفحات ۶۰۲۵۸ میں بیان کیا ہے، اقتباسات نقل کرنے کا سلسلہ کم سے کم یا بلکہ ترک کر دیا گیا ہے۔ اب اقتباسات نقل کرنے کے بجائے اس کے نفس مضمون کو اپنے مختصر لفظوں میں تحریر کر کے اصل اقتباس کا، چاہے وہ کتنا ہی مختصر یا طویل ہو، کل حوالہ دے دیا جاتا ہے۔

اسناد اور مآخذ کے حوالوں کے ضمن میں بھی اب انقلاب آچکا ہے۔ مثلاً اب زیادتی حوالہ بنی السطور متن ہی میں دے دیا جاتا ہے اور پاورقی میں محض ضمنی یا ثانوی مآخذ کے حوالے دیے جاتے

ہیں۔ بین السطور متن میں دیے جانے والے حوالے نہایت مختصر ہوتے ہیں۔ مثلاً فاضل مقالہ نے صفحہ ۶۲ پر جو حوالہ حامد حسن قادری کی تصنیف ”داستان تاریخ اردو“ کا دیا ہے، وہ بین السطور میں اپنے مقام پر اب اس طرح دیا جائے گا (قادری ۷، ۱۹۵ء، داستان تاریخ اردو، ص ۱۰۵) آخر میں ”کتلیات“ میں حامد حسن قادری کے علاوہ دیگر مصنفین کے نام میں قادری موجود ہے تو حوالہ میں صرف قادری کے بجائے پورا نام (حامد حسن قادری ۷، ۱۹۵ء) لکھا جائے گا۔ فاضل مقالہ نگار نے صفحہ ۶۲ پر جو مثالیں پادرتی حوالے کے لیے دی ہیں، ان کی جگہ اگر وہ ”پہلا اندراج“ ہو تب بھی، اب مختصر حوالے ہی کارواج ہو گیا ہے کیوں کہ اسی سند کا مکمل اندراج بالآخر کتلیات میں بھی موجود ہو گا۔ اگر کسی مصنف کی کسی سال ایک ہی کتاب شائع ہوئی ہے، تو پھر کتاب کا نام بھی دینا ضروری نہیں سمجھا جاتا، صرف اتنا لکھنا کافی ہوتا ہے: (قادری، ۷، ۱۹۵ء، ص ۱۰۵) اور اگر کتلیات میں کسی مصنف کی ایک ہی کتاب کا اندراج ہے تو پھر حوالے میں سنہ اشاعت بھی دینا ضروری نہیں، صرف یوں لکھا جاتا ہے (قادری، ص ۱۰۵) بعض حضرات تو صفحے کے لیے علامت ص کی نشان دہی بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ حوالے کا یہی اصول بین السطور متن کے علاوہ پادرتی میں بھی اختیار کیا جا رہا ہے۔

اب ”کتلیات“ ایک مختصر مقالہ کے لیے بھی ضروری سمجھی جا رہی ہے۔ پھر ”کتلیات“ کی تقسیم بھی، فاضل مقالہ نگار کی تقسیم صفحہ ۷۱ سے قطع نظر، اس ترتیب سے کی جاتی ہے: (۱) بنیادی مآخذ (۲) ثانوی مآخذ۔ بنیادی مآخذ کے تحت (الف) غیر مطبوعہ سرکاری و شخصی دستاویزات (ب) مخطوطات (ج) رپورٹیں (د) کتابیں (ه) رسائل و جرائد میں شائع شدہ مقالات (اگر مقالات، کتابیں، کے تحت شامل نہ ہوں)۔ اس کے علاوہ اب کتلیات میں اندراج کی ترتیب کو بھی بدل دیا گیا ہے، نئی ترتیب کے مطابق اب مصنف کے نام کے فوراً بعد سنہ اشاعت، پھر کتاب کا نام اور آخر میں شہر کا نام۔ مصنف کے نام کے فوراً بعد سنہ اشاعت کا اندراج اس لیے ہو رہا ہے کہ متن میں حوالہ اسی صورت میں دیا جانے لگا ہے۔ اور اس کی توجیہ میں مصنف کا ذہنی ارتقاء پیش نظر ہوتا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے رسمیات مقالہ نگاری کے تحت اشاریہ سازی پر خود اظہار خیال نہیں کیا، شاید اس لیے کہ یہ مبسوط اور کتابی صورت میں شائع ہونے والے مقالات کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ضرورت سید جمیل احمد رضوی کے مقالے سے پوری ہو جاتی ہے۔ یہ مقالہ بھی اپنے موضوع پر مکمل اور مفید ہے۔ ویسے اس میں ایک اندراج کے تحت ذیلی اندراج یا اندراجات کے ضمن میں رہنمائی نہیں کی گئی۔ مثلاً کسی ایسی تصنیف میں جو اردو یا پاکستان کے موضوع پر ہو، اس کے اشاریے میں محض

و ”یا“ پاکستان کا اندراج اپنی بھول افادیت نہیں رکھتا۔ متعدد ضمنی و ذیلی عنوانات اس کے تحت  
 ج لیے جا سکتے ہیں۔

ان ضمنی معروضات سے قہقہہ نظر اس مجلے کو اپنے منصوبے، اپنی نوعیت اور اپنے معیار  
 لحاظ سے نہ صرف ایک جامعہ کے شعبہ جاتی مجلے کے طور پر بلکہ پاکستان میں اردو تحقیق کی مجلاتی  
 گروہوں میں ایک خوش آئند اضافہ قرار دینا چاہیے۔ شعبہ اردو، جامعہ سندھ اس کی اشاعت پر  
 رکباد و تحسین کا مستحق ہے۔



## تحقیق (۱)

شعبہ جاتی تحقیقی مجلے ”تحقیق“ شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کا پہلا شمارہ پیش نظر ہے۔ مجلے کی اعلیٰ علمی ساکھ اور شناخت کے لیے اس مجلس مشاورت میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا نام نامی اسم گرامی کافی ہے۔ جب کہ ان کے دو اور شائقان رشید پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام، جو مجلے کے مدیر بھی ہیں، اور پروفیسر مسز رابعہ اقبال بھی شریک ہیں۔

پیش لفظ جناب مظہر الحق صدیقی صاحب یونیورسٹی آف سندھ کے وائس چانسلر (سابق) نے تحریر فرمایا ہے انہوں نے یونیورسٹیوں کے دو اہم مقاصد کی نشان دہی فرمائی ہے یعنی اعلیٰ تدریسی عمل کے ذریعے علمی سرمائے کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرنا اور تحقیق کے ذریعے علمی سرمائے میں توسیع کرنا۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ”تحقیق“ کا یہ پہلا شمارہ مذکورہ دوسرے مقصد کے حصول کی طرف ایک کامیاب قدم ہے۔

فہرست کے مطابق مقالات کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو کچھ اس طرح ہیں۔ اصول تحقیق، رسمیات تحقیق، مقالات اخذ و ترجمہ، تبصرے۔

پہلا مقالہ ”تحقیق کے بیادے لوازم“ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے تحریر کیا ہے۔ دس صفحات پر محیط اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے ایک طرف تو تحقیق کے وہ لوازم پیش کیے ہیں جو ہمارے اسلاف کے پیش نظر تھے۔ دوسری طرف تحقیق کرنے والوں کی رہنمائی کے لیے واضح طور پر تحقیق کی سمت کی نشان دہی کر دی ہے۔ یہ واقع مقالہ اس مجلے کی جان ہے۔ میرے خیال میں بلکہ اس پر اصرار کروں گا کہ یہ مقالہ اور تحقیق سے متعلق دیگر دو ایک مقالات کو یکجا شائع کیا جائے تاکہ ان سے بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکے اس کے علاوہ ان مضامین کو سندھی زبان میں بھی ترجمہ کر کے شائع کر لیا جانا چاہیے تاکہ اہل علم کی رہنمائی ہو سکے۔

دوسرا مقالہ ”ہمارا قدیم طرز تحقیق“ ڈاکٹر نجم الاسلام سربراہ اردو ڈیپارٹمنٹ کا نتیجہ تحقیق ہے ڈاکٹر نجم الاسلام اپنے استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نقش قدم پر خوب چلتے ہیں اس لیے جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔ تحقیق کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ اس مقالے میں بھی ڈاکٹر صاحب نے بڑی عرق ریزی سے مواد کو اکٹھا کیا اور بہترین انداز میں قلم بند کیا ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کا محور قرآن کریم اور احادیث نبوی ہے۔

مفسرین اور محدثین نے ان کی تفسیر و تدوین میں اپنی پوری پوری زندگیاں صرف کر دی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقالے میں بڑے جامع انداز میں تدوین حدیث کے تقریباً تمام اصول بیان کر دیئے

ان قدیم کی کتاب الفہرست پو تھی صدی کی مستند کتاب ہے اس سے بھر پورا استفادہ کیا گیا ہے۔ خاص طور سے ان قدیم کا حلاج کے متعلق تحقیقی رویہ ہماری سوچ کے گوشوں سے بہت کچھ پردے اٹھوانا چاہتا ہے ڈاکٹر صاحب ابن خلدون جو آنھویں صدی کا عالم ہے اس کے حوالے سے اصول تحقیق کی طرف آتے ہیں۔ بد صغیر کے عبداللطیف بن عبداللہ عباسی متوفی ۱۰۳۹ھ کے مولانا روم کی مثنوی سے مختلف نسخوں کے مقابلے کے ذکر پر مقالے کا اختتام کیا گیا ہے۔ ”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ“۔

رسمیات تحقیق میں دو مقالات ہیں۔ ایک اشاریہ سازی سید جمیل احمد رضوی صاحب کا اور دوسرا رسمیات مقالہ نگاری پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کا۔

رضوی صاحب پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ڈپٹی لائبریرین ہیں۔ انھوں نے بہت ہی سلیس انداز میں وضاحت کے ساتھ تحقیق میں اشاریہ سازی کی اہمیت اور اس کے اصول و ضوابط پر روشنی ڈالی ہے۔ اس چھوٹے سے مقالے میں انھوں نے بہت چتے کی باتیں کی ہیں اور بڑے دل نشیں پیرائے میں اہم باتوں کی طرف نشان دہی کر دی ہے دنیائے ادب میں کتابوں کی رفتار تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اشاریہ سازی بہت ہی کم وقت میں پوری کتاب کے بارے میں اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ بتا دیتی ہے۔ جس کے لیے ایک محقق کو بہت سر کھپانا پڑتا ہے۔

اسی طرح ”رسمیات مقالہ نگاری“ میں بڑے جامع انداز میں مقالہ نگاری کی ضروری رسمیات کی نشان دہی کی گئی ہے۔

مقالات کے حصے میں بڑے قد آور نام نظر آتے ہیں۔ سرفہرست ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا نام ہے جن کا مقالہ ہے ”اسلامی تصوف اور مثنوی مولانا روم“۔ ڈاکٹر صاحب پاکستان کی ان چند ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہیں تصوف کی دنیا میں حرف آخر کی حیثیت حاصل ہے اس لیے ان کے قلم سے جو کچھ بھی نکلے اسے بھی حرف آخر کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جب بھی صوفیانہ رنگ کی کوئی چیز لکھی ہے ادب کر لکھی ہے۔

دوسرا مقالہ محترمہ رابعہ اقبال صاحبہ کا ہے ”رسالہ عصمت کا پاکستانی دور“ محترمہ ہماری جامعہ کی استاد ہیں۔ انھوں نے بڑی باغ نظر سے اپنے مقالے کو ترتیب دیا ہے۔ ”رسالہ عصمت“ ۱۹۰۸ء سے علامہ راشد الخیری کی ادارت میں نکلتا رہا۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۷ء سے آج تک کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ شاید یہ ہندوستان کا قدیم ترین رسالہ ہے جو روز اول سے آج تک اپنی آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ علامہ راشد الخیری کی وفات کے بعد ان کے لائق بیٹے مولانا رازق الخیری کے کاندھلوں پر یہ ذمہ داری آپڑی۔ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ۱۹۷۹ء تک اس کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ ان کے بعد حکم آئندہ نازی،

طارق الخیری اور سائمنہ خیری نے ادارت "سبحانی" رسالہ "صحت" ہماری مسلم تہذیب کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ مقالہ نگار نے صحیح کہا ہے کہ "صحت" صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔

مقالات کے سلسلے میں ایک اور محترم نام ڈاکٹر سعید نسیم کا ہے۔ یہ بھی شعبہ اردو سے منسلک ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کا مقالہ "خجرونی سے کام مطالعہ" بہت ہی اہم اور افادیت کے لحاظ سے اعلیٰ ادنیٰ تحقیق کا حامل ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے بڑی عرق ریزی اور باریک بینی سے بہت سی مستند کتابوں کو کھنگالا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محی الدین زور، ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کے بعد محترمہ ڈاکٹر سعید نسیم صاحبہ اردو لسانیات میں حرف آخر کا درجہ حاصل کر لیں گی۔

عبدالحق اور ایڈون لاسن کا "صورت آئینہ" نقیاتی پر تحقیقی مقالہ ہے۔ اس مجلے میں اس کی شمولیت سمجھ میں نہیں آئی اسے تو کسی نفسیاتی جریدے میں ہونا چاہیے تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور مقالہ شامل کیا جاتا تو بہتر تھا۔

محترمہ فہمیدہ شیخ کا مقالہ "اردو خاک نگاری"، ایک مطالعہ، بھی ایک اہم مقالہ ہے۔ طویل سوانح نگاری کی جگہ اب اردو میں خاکہ نگاری کی طرف میاں بڑھ رہا ہے۔ یہ ایک خاص اسلوب ہے۔ اس میں ایک شخصیت واضح بھی ہوتی ہے اور مکمل بھی مگر نہایت اختصار کے ساتھ، محترمہ نے اپنے موضوع کو بہتر انداز میں نبھایا ہے۔

ستیق احمد جیلانی جامعہ سندھ میں لیکچرار ہیں۔ انہوں نے "دعائی اور معارف" کے عنوان سے پر از معلومات مقالہ تحریر کیا ہے۔ ان کا آنے والا مقالہ "معارف" کے تحقیقی سرمائے کی نشان دہی کرے گا۔ اخذ و ترجمہ کے حصے میں نارمن ایچ میگزنی کا ایک مضمون شامل ہے۔ جسے ڈاکٹر نجم الاسلام نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے "مشکوٰۃ دستاویزات کی چھان بین کا ایک سائنسی طریقہ"۔

پاکستان میں ابھی تک ایسی کوئی مشین موجود نہیں جس کے ذریعے دستاویزات اور مخطوطات میں جعل سازی کا پتہ لگایا جاسکے۔ بہت ہی کارآمد مضمون ہے۔

تبصرے کے حصے میں دو کتابوں پر تبصرے شامل ہیں۔ پہلی کتاب "اردو زبان میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ" مصنفہ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد اور دوسری کتاب ہے۔ "اردو گیت" مصنفہ ڈاکٹر نسیم بسم اللہ نیاز احمد۔ ان کے تبصرہ نگار بالترتیب مسز رابعہ اقبال صاحبہ اور ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب ہیں۔

آخر میں "رفقار تحقیق" کے نام سے سال ۸۸ء-۱۹۸۷ء میں اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں پانے والوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ "مجلس تحقیق و مذاکرہ" کے عنوان کے تحت ہمایا گیا ہے کہ شعبہ اردو کے اساتذہ نے ان مجالس میں اسی سال پانچ مقالے پیش کیے ہیں۔

مجلد "تحقیق" کی چھپائی ٹائپ میں اور قیمت چالیس روپے ہے۔ "تحقیق" کچھ نیا نام نہیں ہے۔

## تحقیق (۲)

رسالہ "تحقیق" شدہ یونیورسٹی کے دو شمارے اب تک شائع ہوئے ہیں پہلے شمارے میں اصول تحقیق سے متعلق حصہ زیادہ مفصل تھا لیکن اس دوسرے پرچے میں مسائل تحقیق سے متعلق حصہ نسبتاً مختصر اور عملی تحقیق سے متعلق حصہ زیادہ مفصل ہے۔

پہلا مقالہ مرحوم ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا لکھا ہوا ہے اور اس سے پہلے شائع ہو چکا ہے اس حصے کے دوسرے مقالے جو رسالے میں دوسرے مقامات پر درج ہیں اس لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ اب تک اصول تحقیق کے بارے میں جتنا مواد ملتا ہے وہ بہت بکھرا ہوا ہے۔ عطاء الرحیم صاحب کا مقالہ "تحقیقی مقالات کی ٹینک سے متعلق ہے جو سرسری ہونے کے باوجود بعض واقعی غور طلب امور کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ عبدالحق کا مقالہ زیادہ تراجمریزی مواد پر مبنی ہے اسی طرح تحقیق کی چند تعریفات بھی ان ذیل میں آتی ہیں۔ جن سے مقصود ایم اے کے طالب علموں کو بعض بنیادی مسائل سے متعارف کرانا ہے۔ اردو تحقیق کی جائزہ نگاری میں معروضیت پر توجہ کرنے کی اہمیت بتائی گئی ہے۔

میرے نزدیک اس شمارے کا زیادہ قابل قدر حصہ عملی تحقیق کے نمونے ہیں۔ جن میں "خواجہ محمد ہاشم کشمیری، "بیاض مقیم" اور "مصحفی کا ایک شاکرد" خاصے کی چیز ہے۔ اور رسالے کے معیار کو متعین کرتی ہیں۔ البتہ مرزا سلیم بیک اور مسز راجہ اقبال کے مقالے مزید توجہ کے مطالب ہیں اور انھیں بلاشبہ کسی قدر کاٹ بچاٹ اور اضافے کے ساتھ معیار ہی بنایا جاسکتا تھا۔

"معارف اور غالبیات"، "مصحفی کا ایک شاکرد"، "مطالعات امیر" ایک حد تک قابل توجہ ہیں۔ لیکن ان میں موضوع سے متعلق پورے مواد کا احاطہ نہیں کیا گیا جس کی بناء پر مانا جاسکتا ہے کہ ایک آٹھ کی کسر رو گئی ہے۔

مجموعی طور پر یہ رسالہ کسی بھی یونیورسٹی کے نمایاں شان قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس رسالے کو بغور دیکھنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ مسودہ تک رسائی کے وسائل کی غیر موجودگی سے باوجود اس مواد کو معلومہ حد تک بغور دیکھا ہے اور پورا فائدہ اٹھایا ہے جو ان کی دسترس میں تھا نہ ورنہ یہ پاکستان کی یونیورسٹیاں اپنے وسائل کو ایک دوسرے کی دسترس میں لائے اور زیادہ مہمل اور معیاری کریں۔ یونیورسٹی ریسرچ کمیشن، آڈیو اسٹیلے میں مناسب اقدامات لے کر توند و یونیورسٹی سے متعلقین پاکستان میں اپنا اپنا ذمہ دارانہ حصہ لے سکتے ہیں۔



## تحقیق (۶۱ تا ۶۲)

جامعہ سندھ کے شعبہ اردو سے شائع ہونے والے رسالے "تحقیق" کا شمار بھی ان چند تحقیقی مجلوں میں کیا جاسکتا ہے جو حقیقتاً تحقیق ادا کر رہے ہیں۔

رسالہ "تحقیق" کا پہلا شمارہ سنہ ۱۹۸۷ء میں صدر شعبہ اردو جناب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے زیر ادارت شائع ہوا اور اب تک ہر سال باقاعدگی سے جاری ہونے والے شماروں کی تعداد چھ ہو گئی ہے۔ ذیل میں ان چھ شماروں پر ایک اجمالی تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

رسالے کے مضمولات کا اگر جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اجراء کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:

- ۱- تحقیق کے اصول اور طریقوں کی تشریح۔
- ۲- اردو اور فارسی زبان و ادب سے متعلق تحقیقات پر مبنی مقالوں کی اشاعت۔
- ۳- فلسفہ و نفسیات سے متعلق ایسے مقالوں کی اشاعت بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے جو اردو دان حلقوں کو فلسفہ و نفسیات کا تحقیقی طریق کار سکھاتے ہیں۔
- ۴- "اخذ و استفادہ" کے عنوان سے ایسے مطبوعہ مقالات کے اقتباسات کی اشاعت جو تحقیق کے کسی نہ کسی گوشے سے متعلق ہوں۔ علاوہ ازیں رسالے میں صرف انہیں کتب و رسائل کو موضوع تبصرہ بنایا گیا ہے جو علمی یا تحقیقی نوعیت کے ہوں۔
- ۵- شعبہ اردو کی تحقیقی سرگرمیوں کا مختصر جائزہ پیش کرنا بھی رسالے کے اجراء کا ایک لام مقصد ہے۔ اس ذیل میں شعبے کی مجالس تحقیق و مذاکرہ میں پیش کیے ہوئے مختصر مقالوں کے عنوانات بھی دیے جاتے ہیں۔

ان مقاصد کی روشنی میں یہ کہنا ہے جانہ ہو گا کہ یہ ایک خالص تحقیقی نوعیت کا رسالہ ہے، اس میں شعبے کے اساتذہ کے تحقیقی مقالات کے علاوہ علمی و غیر علمی محققین حضرات کے تحقیقی مقالے بھی شامل ہوتے رہے ہیں۔ جیسا کہ اس رسالے کے "پیش گفتار" سے ظاہر ہے کہ اس میں شامل ہونے والے تحقیقی مقالات ماہرین کی رائے حاصل کرنے کے بعد شامل کیے جاتے ہیں۔ لہذا مشمولہ مقالات کا بلند تحقیقی معیار اسی محتاط طریق کار کا نتیجہ ہے۔

رسالہ "تحقیق" نے اس چھ سالہ عرصے میں تحقیق کے کون کون سے پوشیدہ گوشوں پر روشنی ڈالی اور وہ کیا کیا اکتشافات کیے ہیں جن کی ہماری زبان و ادب کی تاریخ میں لامیت بنتی ہے یہ معلوم کرنے کے لیے ان مقالات کا تعارف پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو دراصل شعبہ اردو کے اساتذہ کرام کی کاوشیں ہیں۔

ان میں سرفہرست ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا نام اور کام آتا ہے۔ "تحقیق" کے ابتدائی شمارے میں ان کا مضمون "تحقیق کے بنیادی لوازم" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں انہوں نے قدیم اسلامی فن تحقیق کے اصولوں کے حوالے سے جدید لوازم تحقیق متعین کیے ہیں۔ اس کے بعد کے شماروں میں بھی آپ کے مقالات رومی، خسرو، خواجہ محمد ہاشم کشمیری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے کلام اور احوال و آثار سے متعلق شائع ہوتے رہے ہیں ڈاکٹر صاحب کا ایک طویل مقالہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی مشہور و معروف کتاب "تاریخ ادبِ اردو" کی ابتدائی دو جلدوں کا نہایت دقیق اور عمیق جائزہ ہے۔ یہ گراں قدر مقالہ ایک مثال پیش کرتا ہے کہ تاریخِ زبان و ادب کا جائزہ کیسی گہرائی اور باریکی سے لینا چاہیے۔ اس مقالے کی ایک اضافی خوبی یہ ہے کہ اسے بصورتِ عکسِ تمرر شائع کیا گیا جو کہ غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے پاکیزہ خط کا نمونہ بھی ہے۔

"تحقیق" کے مقالہ نگاروں میں دوسرا اہم نام ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کا ہے جو نہ صرف مستقل مقالہ نگار کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ رسالے کی ادارت کی ذمہ داری بھی احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔ ہر سال تحقیق کے شماروں کی باقاعدگی سے اشاعت اور اس کے تحقیقی و علمی معیار کو برقرار رکھنے میں ڈاکٹر صاحب کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔

یہ ان کی کاوشوں اور فنِ تحقیق سے انتہا درجے کی دلچسپی ہی کا نتیجہ ہے کہ علمی و ادبی حلقوں میں رسالہ "تحقیق" کو ایک منفرد مقام حاصل ہے، اور ڈاکٹر وحید قریشی کی رائے کے مطابق تو، اب یہی ایک قابلِ ذکر تحقیقی رسالہ ہے جس کا دمِ غنیمت بگھنا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب کے مقالات موضوع کے لحاظ سے متنوع بھی ہیں اور منفرد بھی۔ پہلے ہی شمارے میں ان کے دو مقالے قدیم طرزِ تحقیق اور رسمیاتِ مقالہ نگاری سے متعلق ہیں۔ اول الذکر میں انہوں نے فنِ تحقیق میں ہونے والی بتدریج تبدیلیوں کا ذکر مختلف مثالوں کے ساتھ نہایت تفصیل سے کیا ہے اسی طرح دوسرا مقالہ بھی کچھ کم لائیت کا حامل نہیں۔ مدیر "تحقیق" نے فارسی شعراء اور ان کے کلام کو بھی موضوعِ تحقیق بنایا جس کی مثالیں "بیاضِ مقیم" اور "کلیاتِ شائق" پر ان کے مقالوں کی صورت میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں "بیاضِ دولت رائے سندھی"، "مکتوباتِ بہرائچ"، "قدیم اردو کے چند نوادر" پر بھی انہوں نے روشنی ڈالی ہے۔

محترمہ پروفیسر رابعہ اقبال صاحبہ کے مقالات بھی رسالہ "تحقیق" کے مشمولات میں منفرد مقام رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے مقالات میں اکثر و بیشتر خواتین کے ادب، ان کی تحقیقات یا خواتین کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے پر لکھی ہوئی کتابوں کا جائزہ پیش کیا ہے، ان کا تازہ ترین مقالہ جو رسالہ تحقیق کے چھٹے شمارے میں شامل ہے "بارہ ماہ" پر ہے یہ بھی نسوانی زندگی کا ایک پہلو ہے اور ہماری شعری دولت کا ایک حصہ بھی، اس مضمون میں سیر حاصل طریقے پر موضوع کا حق ادا کیا گیا ہے۔

محترمہ ڈاکٹر سعدیہ نسیم نے اردو کی لسانی تحقیق کو موضوع بنایا ہے ان کے دونوں مقالات

"بھروسے" اور "ظرفی میں" دراصل ان کے پی۔ پی۔ ڈی کے مقالہ و تحقیق کا حصہ ہیں اور ان بات مفصل طور پر گہرائی کے ساتھ سائنس تحقیق کا حق ادا کیا گیا ہے۔

اس کے بعد شعبہ اردو کی ایک اور معزز استاد محترمہ فہمیدہ شیخ کے مقالات کا ذکر مناسب معلوم ہے۔ "اردو خاکہ نگاری" اور "اردو تحقیق کی جائزہ نگاری" کے بعد "تحقیق کے آخری شمارے میں ان جو مقالہ شائع ہوا وہ خواجہ حسن نظامی کے اولین سفرنامے کی بازیافت ہے، جو کہ ذہنوں سے محو ہو گیا تھا۔ بن محترمہ نے اپنے مفصل تحقیقی مقالے کے ذریعے اسے تازہ کر دیا ساتھ ہی وضاحت طلب گوشوں کی پر ان حلومات عواشی کے ذریعے تشریح بھی کی۔

اس رسالے کے مضمولات میں شعبہ اردو سے منسلک ایسے مقالہ نگاروں کی کاوشات بھی شامل ہیں جنہوں نے بحیثیت محقق بہت جلد اپنا مقام بنا لیا ہے۔ ان کے تحقیقی کاموں کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ایک مخصوص میدان چن کر اسی سے متعلق مقالات پیش کیے ہیں۔

محترم عتیق احمد جیلانی نے رسالہ "معارف" اعظم گڑھ کے حوالے سے چند بہترین مقالات پیش کیے ہیں جو وقتاً فوقتاً "تذکرہ دتاسی اور معارف" "معارف اور غالبیات"، "معارف اور اقبالیات" اور "رسالہ معارف اور شعراء کے تذکرے" کے عنوانات کے تحت شائع ہوتے رہے ہیں۔ امید ہے کہ محترم مقالہ نگار رسالہ "معارف" کے اس معلوماتی ذخیرے سے قارئین کو فیض یاب کرنے کا سلسلہ آئندہ بھی اسی جانفشانی سے جاری رکھیں گے۔

اسی طرح محترم مرزا سلیم بیگ کا خاص تحقیقی کام اردو زبان و ادب کی تاریخوں کا جائزہ لینا ہے۔ انہوں نے بڑی دقت نظر سے کئی ادبی تاریخوں کا جائزہ لیا ہے۔ گو کہ اس جائزے میں انہوں نے زیادہ تر معائب پر روشنی ڈالی ہے لیکن محاسن کو بھی یک سر نظر انداز نہیں کیا ہے۔ رام بابو سکسینہ اور حامد حسن قادری کی ادبی تاریخوں پر مرزا صاحب کے مقالات ہماری ادبی تحقیق میں اپنی افادیت کی وجہ سے یاد رکھے جائیں گے۔

اس رسالے میں شامل محترم سید جاوید اقبال کے مضامین کا خاص موضوع امیر احمد بینائی ہیں انہوں نے امیر بینائی پر لکھی ہوئی کتابوں اور مقالات کا جائزہ بھی لیا ہے اور امیر کے غیر مطبوعہ مکتوبات کا ایک نادر ذخیرہ سلمنے رکھ کر "افادات امیر" کے عنوان سے ایک گراں قدر مقالہ تحریر کیا ہے۔ "دختر امیر اللغات" اور "محمدمدین دختر امیر اللغات" بھی نہایت معلومات افزا مقالے ہیں مقالہ نگار نے ان میں غیر مطبوعہ مواد بھی شامل کیا ہے اس طرح موجودہ دور میں انہیں امیر بینائی کے موضوع پر خاص اہمیت حاصل ہے۔ شعبے کے اساتذہ کے علاوہ اس رسالے کو ملکی و غیر ملکی بلند پایہ محققین کا تعاون بھی حاصل رہا ہے۔ ان میں مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ کے ڈاکٹر نذیر احمد کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے اپنے مقالات میں نہایت توجہ طلب معلومات درج کی ہیں، "سندھ"، "کران کی سیاسی و ثقافتی تاریخ کے چند نئے ماخذ" میں انہوں

یہاں کی تاریخ کے مخفی گوشوں کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اسی طرح قدیم فارسی فرہنگوں سے متعلق  
 لے میں انھوں نے قدیم فارسی فرہنگوں کے نسخہ کراچی کا جو تعارف کرایا ہے وہ ان کا غیر معمولی کارنامہ  
 ہے اور اس پائے کی دریافت ہے جس پر رسالہ "تحقیق" بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

جامعہ کراچی کے ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر معین الدین عقیل اور ڈاکٹر ظفر اقبال جبکہ جامعہ  
 یاب سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، جامعہ پھاور کے ڈاکٹر محمد شمس الدین اور جامعہ ناگپور کے ڈاکٹر رفیع  
 الدین اشفاق کا تعاون بھی رسالے کو حاصل رہا ہے۔

"تحقیق" کا شمارہ چہارم خصوصی ذکر کا مستحق ہے، یہ تہنیتی شمارہ محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں  
 صاحب کی نصف صدی سے بھی زائد عرصے پر محیط علمی خدمات کے لیے شعبہ اردو کی طرف سے خراج تحسین  
 ہے۔ اس کے متعدد مقالات میں ڈاکٹر صاحب کی حیات اور علمی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جائزہ لیا  
 گیا ہے کہ اس مقام پر پہنچنے تک انھوں نے کیا کیا ریاضتیں کیں؟ کیسے کیسے اساتذہ سے فیض یاب ہوئے؟  
 اور یہ کہ آپ کا تحقیقی طریق کار کیا ہے؟ اس طرح یہ حصہ بھی اردو تحقیق کے طالب علموں کے لیے روشن  
 مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔

آخر میں رسالے کے چند مستقل عنوانات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، ہر شمارے کے آغاز  
 میں (اس وقت کے) وائس چانسلر کی تحریر "پیش گفتار" کے عنوان سے شامل کی گئی ہے جس میں سربراہ  
 جامعہ نے تحقیقی مسائل پر کوئی نہ کوئی ایسا مفید مشورہ پیش کیا ہے جو شعبہ جانی تحقیقی عمل اور عمل  
 "تحقیق" کے ارتقاء میں معاون ثابت ہو۔

رسالے میں "اخذ و استفادہ" کے عنوان سے بعض مطلوبہ کتب کے وہ اکتباسات پیش کیے گئے  
 ہیں جو کسی نہ کسی پہلو سے تحقیقی نوعیت کے ہوں اسی طرح تیسرے کے لیے بھی ان رسائل اور شب کا  
 انتخاب کیا گیا ہے جو تحقیق ہی سے متعلق ہوں۔

"مجلس تحقیق و مذاکرہ" اور "رفقار تحقیق" بھی مستقل عنوانات ہیں جن میں بالترتیب شعبے کی  
 علمی مجالس میں پڑھے جانے والے زیر بحث مقالوں کے عنوانات درج ہوتے ہیں اور شعبے کی تحقیقی  
 سرگرمیوں کی رپورٹ ضلع ہوتی ہے یعنی ایم فل اور پی ایچ ڈی اساتذہ صاحبان کی کامیابیوں کا حال درج  
 کیا جاتا ہے۔ اسی ذیل میں اساتذہ کی نازہ ترین تخلیقات کے بارے میں خبریں شامل کی جاتی ہیں۔

اس طرح یہ شعبہ جاتی عمل، اردو اور فارسی زبان و ادب کی تحقیق کے میدان میں ایک امتیازی  
 مقام حاصل کر چکا ہے، امید ہے کہ ڈاکٹر نجم الاسلام کی ادارت میں یہ مؤثر تحقیقی رسالہ آئندہ بھی ایسا علمی  
 و تحقیقی معیار برقرار رکھے گا۔

## تحقیق (شمارہ ۷)

تحقیق: مرتبہ جناب ڈاکٹر نجم الاسلام، صفحات ۲۸۸، قیمت ۶۰ روپے، کاغذ طباعت، بہتر، پتا: شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، نیو کیمپس، جام شورو۔

سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کا سال نامہ ”تحقیق“ مفید علمی تحقیقی مضامین پر ہوتا ہے، اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا ساتواں شمارہ ہے، اس میں گوشہ نذیر احمد کے عنوان ”ڈاکٹر نذیر احمد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چار فاضلانہ مقالات کے علاوہ مولانا عبدالصمد (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) مآثر غالب (ڈاکٹر مختار الدین احمد) دوہے کافن (ڈاکٹر الیاس عشقی) نثر ثانی کی نثر (ڈاکٹر نجم الاسلام) جیسے نیش قیمت اور مفید مضامین درج ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے مقدمہ ”کچھ تحقیق کے متعلق“ خاصے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مختار الدین کے متعدد خطوط سے یہ شمارہ مزین ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

”علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا حمید الدین فراہی، دونوں عالم توتھے لیکن خاص حدیث کے ماہر نہ تھے۔“

ممکن ہے اس سے ان کی مراد روایتی انداز کے ماہر حدیث ہو ورنہ یہ حضرات احادیث گہری نظر رکھتے تھے اور جب یہ تسلیم ہے کہ وہ عالم تھے تو اس کا مطلب خود بخود یہ نکلا تھا کہ وہ دو سو فنون کی طرح حدیث میں بھی دست گاہ رکھتے تھے، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کا سفر نامہ پر از معلوم ہے، ڈاکٹر نجم الاسلام کی محنت و سلیقے کا اندازہ ہر شمارے سے ہوتا ہے، اس علمی مجلے کی اشاعت اور سندھ یونیورسٹی کا شعبہ اردو قابل مبارکباد ہے۔

(معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۹۵ء)

## تحقیق (۸-۹)

نیور شیوں کے قیام کا بنیادی مقصد اعلیٰ تعلیم کا فروغ اور توسیع ہے۔ یہ کام درمیں کے ذریعے سے بھی ہو سکتا ہے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے سے بھی اہم ہوتا ہے۔ تحقیق کے حوالے سے قدم اعلیٰ سرنامے کی بازیافت ہوتی ہے اس سرنامے کو نئی فکر کی ہم آہنگی میں پرکھا جاتا ہے اور اس کی قدر و قیمت کا از سر نو تعین کیا جاتا ہے۔ مختلف اعلیٰ موضوعات پر کتابیں مرتب کی جاتی ہیں۔ مطالعے کے جانتے ہیں جو نیور سٹی کے اپنے محلے میں شائع ہوتے ہیں اور ساری اعلیٰ دنیا میں حوالے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ عجب نیور سٹی کے فزلی اور اسے اور ٹیل کلن کو اس سلسلے میں اہمیت حاصل ہے کہ اس کا اعلیٰ اور تحقیقی جلد سوار ٹیل کلن میگزین "اعلیٰ اعلیٰ تحقیق کی ایک نمایاں شان دار روایت کا حامل ہے۔ سند نیور سٹی کا رسالہ تحقیق جس کا انشواں اور لوہاں مضرک شمارہ اس وقت میرے پیش نظر ہے اس اعلیٰ اعلیٰ تحقیق کا مضمون اور قابل قدر اپنی روایت کا امن ہے۔ آج کے دور میں سہل انگاری کی وجہ سے اعلیٰ عظمت بڑھتی جاتی ہے اور تحقیق کا معیار زوال پذیر نظر آتا ہے مگر اس دور میں تحقیق اپنے موثر اعلیٰ اور تحقیقی محلے کی اشاعت سے یہ امداد ہوتی ہے کہ اعلیٰ علم سے غفلت نہ کرنے والے اور تحقیقی کام کرنے والے اگرچہ کم ہو گئے ہیں مگر موجود ہیں اور لگن سے کام کر رہے ہیں شاید انہیں عاموں اعلیٰ کارکنوں اور ماسٹروں کی وجہ سے تحقیق کا فن زرد ہے اور اعلیٰ بازیافت کا عمل جاری ہے۔

تحقیق کے اس شمارے میں ایک گورنر مشہور عالم، محقق اور ادیب قاضی احمد میں اختر مرحوم سے تعلق رکھتا ہے۔ قاضی صاحب ادیب و شاعر تھے لیکن انھوں نے اپنی ساری توجہ اعلیٰ تحقیق پر مرکوز کی تھی اور اس میں انحصار حاصل کیا تھا۔ فزلی اور تحقیقی اعتبار سے وہ بلیٹن فزلی سے تعلق رکھتے تھے عموماً آخری دور میں سندھ یونیورسٹی میں ہمیشہ اسلام کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے۔ ساری زندگی اعلیٰ کاموں میں گزار دی مگر اس صاحب علم و دانش کے ہاں سے بہت کم لکھا گیا۔ ہم نے اپنے بے شمار روز گول کو بھلا دیا۔ قاضی صاحب بھی ہماری اس لڑائی کا شکار ہوئے۔ مگر سندھ یونیورسٹی نے تحقیق میں ان کا گورنر شائع کر کے ان کی یاد کے چراغوں کو از سر نو روشن کر دیا ہے۔ یہ گورنر تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے اور بڑی محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کے ہاں سے مفید مضامین ہیں اور ان کی بہت سی تحریروں کو سلسلے سے یکجا کر دیا گیا ہے۔ جس سے قاضی صاحب کی اعلیٰ شخصیت اور ان کے علم و فضل کی ایک بھرپور تصویر سامنے آتی ہے۔ اس سہرا نگار کو قاضی صاحب کی خدمت میں نیا حاصل تھا۔ اکثر ریڈیو کے حوالے سے بھی ملاقات ہوتی تھی کیوں کہ قاضی صاحب نے ریڈیو پاکستان سے بے شمار تقریریں کی تھیں۔ اس گورنر کے مطالعے سے ان پر ان ملاقاتوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہ گورنر اس رسالے کا بڑا اہم حصہ ہے۔

یوں تو اس شمارے کے ساتھ معائنہ اعلیٰ اور تحقیقی اعتبار سے بلند پایہ ہیں ہم گورنر محسن "اس اردو کی اولین نوائی خود نوشت" یعنی کلانی، مخصوص اہمیت کی حامل ہے۔ ریاست ہندوئی کے ایک حکمران لوہاں اکبر علی علی کی صاحب زادی شہر بانو بیگم نے اسے صدیاں میں ایک انگریز قانون کی لڑائی پر مرتب کیا پاپس برس کی مدت پر پھیلی ہوئی اس سیدھی سادھی روداد حیات میں دل ٹھکرانے کے لیے معنی کی ایک پوری دنیا اہل ہے۔ ڈاکٹر محسن عدین فزلی نے اس خود نوشت کو بڑی محنت سے مرتب کیا۔ ان کا مقررہ اور حوالی اعلیٰ تحقیق کے جلد معیار کی نظر دہی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کا محسن "دیوانہ کس فکریں کس فکریں کا ہے" بھی اس شمارے کا اہم اور قابل قدر محسن ہے۔ محسن حافظ محمود شیرانی اور ڈاکٹر نظام مصطفیٰ صاحب بلبلک مصطفیٰ صاحب کی مفید توسیع ہے۔ معائنہ کے مطالعے تحقیق کے اس شمارے میں بعض بڑے اہم کتابت بھی شامل ہیں ان کتابت کو اعلیٰ سرنامے میں گراں قدر اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ نئی مطبوعات پر جبرے سیر حاصل بلاگ اور اعلیٰ تنقیدی بصیرت کے حامل ہیں۔ حل یہ ہے کہ سادہ تحقیق کے ذریعہ ڈاکٹر نجم الاسلام نے بڑی محنت اور سلیٹے سے شمارہ مرتب کیا ہے۔ رسالہ صرف اعلیٰ اعلیٰ معیار کا حامل ہے بلکہ اعلیٰ تعلیم کے ایک اہم گورنر کے حوالے میں بھی ہے۔ زبان ادب اور تہذیب و ثقافت محبت کرنے والوں اور اعلیٰ عظمت کے گواہوں کے لیے ایک بڑی مستند علامت بنی حثیت رکھتا ہے۔

## تحقیق (۸-۹)

بر عظیم پاک و ہند میں محدود سے چند رسائل خالصہ تحقیقی کام کی اشاعت کا باعث  
تحقیق "ان میں سے ایک ہے، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک منفرد شعبہ جاتی مجلہ ہے۔

تحقیق کا پیش نظر شمارہ اپنے سلسلے کا آٹھواں اور نواں شمارہ ہے۔ اس میں کل ۵۹۳  
ہیں۔ جن میں سے ص ۱۱ تا ۲۲۶ - گوشہ اختر - بیاد قاضی احمد میاں اختر جو ناگرمی (۱۹۵۵ء) پر دیہی  
شعبہ تالیف اسلامی، سندھ یونیورسٹی، کے لیے مختص ہے۔ اس مخصوص گوشے میں ان کے معاصر سر  
قلم حضرات کے تعارفی و تعزیتی مقالات تطلقات خاطر کے آئینہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں مکتوبات اختر  
تصانیت و تراجم اختر، ایک غیر مطبوعہ مضمون - خواجہ بزرگ - از قاضی احمد میاں اختر اور اسی  
تحریریں مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔

مجلے کے باقی صفحات ان عنوانات کے تحت منقسم ہیں۔ مقالات، گوشہ ستون، مضمون،  
اضافات، مکتوبات، اضافی یادداشتیں، تبصرے، مجالس تحقیق و مذاکرہ اور رفتار تحقیق، مقالہ نگاروں  
ذیل اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر این اے بلوچ، ڈاکٹر نذیر احمد  
مختار الدین احمد، ڈاکٹر ابوالفتح ضحیر الدین، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر عطا خورشید، ڈاکٹر ایاس  
ڈاکٹر نجم الاسلام اور حافظ منیر احمد خاں

حصہ تبصرہ میں ڈاکٹر نجم الاسلام، مسز رابعہ اقبال، مسز فہمیدہ شیخ، رفیق احمد جیلانی اور سید  
اقبال کے تبصرے شامل اشاعت ہیں۔

قارئین کے لیے موجودہ شمارہ اس لحاظ سے اور بھی دل چسپ اور پراز معلومات ہے کہ اس  
اردو کی اولین نسوانی خودنوشت - بیٹی کھانی - مصنفہ شہر بانو بیگم مرتبہ معین الدین عقیل کے علاوہ ڈاکٹر  
الاسلام کا مقالہ - دیوان عتکین کس عتکین کا ہے؟ - بھی شامل ہے۔

مذکورہ مجلے کی تدوین و ترتیب کے سلسلے میں رسالے کے مدیر استاد کرم ڈاکٹر نجم الاسلام  
داد و تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں ان کی تحقیقی کاوشیں مجھ ایسے طالبان علم کے لیے سرچشمہ  
ہیں سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب بھی خصوصی تحسین کے مستحق ہیں جن کی حوصلہ افزائی سے  
منفید سلسلہ پوری آب و تاب سے جاری ہے۔

# سالہ تحقیق (۸-۹) کے مضمومات پر ایک نظر

یہ بات کسی مبالغے کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی سے نکلنے والے  
جتنے علمی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل کرنا ہے۔ ایک طرف اس کے بلند پایہ تحقیقی مقالات  
ما خصوصی توجہ حاصل کیے ہوئے ہیں تو دوسری جانب اس کی باوقار پیشکش نے اہل علم اور طالبان  
سے خوب خوب داد وصول کی ہے۔

تحقیق کا ہر قدم سابق سے آگے ہی پڑتا نظر آتا ہے حسن ترتیب جس سلیقہ مندی کا طالب  
ہے اس سے استاذی محترم ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب بفضل تعالیٰ خوب نوازے گئے ہیں۔ اس سعادت بزور  
ہست۔ اپنی اس رائے کی تائید میں یہ ناچیز فارسی کے مایہ ناز اسکالر اور پروفیسر ایریلٹس برائے فارسی  
یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر تدریس احمد کے ایک مکتوب کا اقتباس پیش کرتا ہے جس سے ڈاکٹر صاحب  
ذہنی خاص پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

محترم من، سلام مستنون، آپ کا بھیجا ہوا پروف ملا، اس کی تصحیح میں تاخیر ہوئی۔  
دیے پروف میں کوئی خاص غلطی بھی نہیں آئی، اور غلطی کیسے نظر آتی، آپ جتنی  
توجہ سے یہ کام کرتے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ نہ صرف پروف میں بلکہ مسودے میں  
بھی کوئی غلطی باقی نہ رہ جائے۔ اور جب مقالہ آپ کے پاس بھیجا ہوں تو  
اطمینان رہتا ہے کہ ان شاء اللہ کوئی غلطی باقی نہیں رہ جائے گی۔

مکتوب ڈاکٹر تدریس احمد بنام ڈاکٹر نجم الاسلام: مشمولہ تحقیق (۸، ۹، ص ۵۳۶)

اب اس کے مضمومات کا تعارف ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

حسب روایت رسالے کا آغاز "پیش گنگھار" سے ہوتا ہے جس میں سندھ یونیورسٹی کے دانش

پائسلر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

رسالہ تحقیق اس لحاظ سے بھی منفرد نظر آتا ہے کہ اس کے پیش گنگھار میں تحقیق نو صیت کی



ہم میں کوئی نظر نہیں آتا۔ اس نے سیکڑوں ادبی و علمی مقالے اور مضامین لکھے جن سے اس کی عالمانہ تحقیق اور دست معلومات کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ سراسر علمی شخص تھے یہی ان کا فہم اور یہی ان کا مقصد حیات تھا وہ علم کے شیدائی، علم دوست اور اہل علم کے قدر دان تھے اکثر لوگ علمی امور میں ان سے مشورہ لینے آتے تھے اور وہ نہایت فراخ دلی سے ان کی مدد کرتے تھے علم و فضل و تبحر کے ساتھ وہ قدیم تہذیب اور آداب کا اخلا نمونہ تھے۔

(تذوق تقریر از بابائے اردو، ص ۲۳۰۔)

اس گوشے کا ایک اہم حصہ مکتوبات پر مشتمل ہے چونکہ اس کے ذریعے مکتوب نگار کی ذہنی و لسانیات، میلانات و رجحانات اور عادات و خصائل کا پتہ چلتا ہے لہذا اس کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اس میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (پروفیسر ایریلٹس برائے عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اور سید الطاف علی بی کے مرتبہ خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں حضرات کے مرتبہ خطوط کی تفصیلات علاحدہ علاحدہ پیش کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر بار الدین احمد کے مرتبہ خطوط میں سب سے زیادہ تعداد مکاتیب اختر بنام مالک رام کن ہے جو کہ سولہ ہے لکٹر مختار الدین احمد کے نام تین اور علامہ عبدالعزیز میمن کے نام دو خط ہیں صدر یار جنگ مولانا حبیب رحمان خاں شروانی، محمد عبداللہ خوئیگی اور محمد اسمعیل پنی پتی کے نام ایک ایک خط شامل ہیں ڈاکٹر صاحب نے ان پر اپنے قیمتی حواشی بھی لکھے ہیں۔

سید الطاف علی بریلوی کے مرتبہ خطوط کی تعداد ۲۸ ہے یہ تمام مکتوبات مرتب کے نام ہیں اور مکتوب الیہ کی کتاب مرآی اور راہ نما (۱۹۳۳) میں من و من شامل ہیں ان پر مکتوب الیہ کے قیمتی حواشی اور تصریحات نے انھیں مزید مفید بنا دیا ہے۔

اب اس گوشے کا وہ حصہ آتا ہے جس میں دیر تحقیق نے کتاب خانہ مشفق خواجہ سے حاصل

کردہ مواد کو نہایت سلیقے سے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ صاحب کا

طالبان تحقیق کے لیے خواجہ صاحب کا دم غنیمت ہے

کمال یہ ہے کہ ہزاروں کتابوں، مکتوبات و نوادرات کو ایسے سلیقے سے رکھا ہوا ہے کہ جس کی نظیر ہمارے اکثر بڑے کتاب خانے بھی پیش نہیں کر سکتے جن کے انتظام و انصرام پر پچاسوں ملذمین لکھے جاتے ہیں اور